ابنِ صفی
جلد نمبر
20
جاسوسی دنیا
64- شیطان کی محبوبہ
65- انوکھے رقاص
66- پُراسرار موجد

پیشرس

ایک طویل عرصے کے بعد آپ ''شیطان کی محبوبہ'' کے روپ میں ایسی کہانی دیکھیں گے جس کا مزہ چٹخارہ، لطف و ذائقہ انوکھا ہے۔ اس کہانی کو پڑھ کر بے اختیار ابن صفی کی ایسی کہانیاں یاد آجاتی ہیں جن میں مونچھ مونڈنے والی، دوہرا قتل وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ شیطان کی محبوبہ اس لحاظ سے ابن صفی کے ان چند کارناموں سے ایک ہے جن میں ابن صفی کا مخصوص انداز ظرافت اور شگفتگی مکمل طور پر موجود ہے یا ''ابن صفیت'' کی جلوہ گری ہے۔

اس کہانی کے انوکھے پن اور خوبصورتی کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حمید اس میں شگوفے چھوڑنے والا آلۂ تفریح نہیں ہے بلکہ قریب قریب تین چوتھائی کیس اُسکا رہن منت ہے اور فریدی ایک ہدایت کار کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حمید میدانِ عمل میں آئیگا تو قہقہوں کی بارش بھی ہوگی اور مسکراہٹوں کی پھلجھڑیاں بھی چھوٹیں گی۔

ادھر گذشتہ آٹھ مہینے سے مسلسل کہانیوں اور بھیانک مجرموں نے ایک ایسی فضا بنا دی تھی جو بہت سرد تھی ''شیطان کی محبوبہ'' برف کی طرح جمے ہوئے اس ماحول میں حرارت پیدا کرتی ہے۔ اس کی مسز شوخ کا کردار اپنی رنگینی اور دلکشی کے علاوہ ایسے نفسیاتی جھٹکے دیتا ہے کہ ہر قدم پر آدمی چونک اٹھتا ہے اور انتہا میں پہنچ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مخصوص قسم کے کردار کی تخلیق میں جو ملکہ ابن صفی کو حاصل ہے اس کی گرد کو پانا بھی مشکل ہے۔

اس کہانی کو حمید کی کہانی یا حمید کا کارنامہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آخری صفحات ملا اس طرح ابن صفی نے حمید کو اس بار پیش کیا ہے کہ ہم بے اختیار اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ حمید کے کردار کا یہ رخ اُسے ہم سے اتنا قریب کر دیتا ہے، اُسے اتنا مضبوط، دلکش اور خوبصورت کردار کا مالک بنا دیتا ہے کہ واقعتاً یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ کسی ناول کا کردار نہیں بلکہ گوشت و پوست کا جیتا جاگتا آدمی ہے۔ انہیں خصوصیات کی بناء پر شیطان کی محبوبہ ناقابل فراموش کارنامہ بن گئی ہے۔

خون کی لکیر

نیاگرا کے ریکریئشن ہال میں بیلے کی تیاریاں تھیں۔ ایک غیر ملکی پارٹی اپنے کمالات کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ اسٹیج سے ابھی پردہ نہیں ہٹا تھا۔ ہال میں قمقمے جگمگا رہے تھے، قہقہے اچھل رہے تھے اور زندگی تمام رعنائیوں سمیت جلوہ فگن تھی۔

زندگی جلوہ فگن تھی اور قاسم کی طبیعت اتنی مگن تھی کہ وہ اس وقت قارون کی قبر پر بھی لات مار دیتا۔ وہ اب تک بیروں کو تقریباً پچاس روپے بطور بخشش دے چکا تھا، اور ریکریئشن ہال ہی میں بیٹھے بیٹھے اتنا کھا چکا تھا کہ معمولی دل گردے والے کا پیٹ ہی پھٹ جاتا۔

بات صرف اتنی تھی کہ قریب ہی بیٹھی ہوئی ایک لڑکی نے شائد اپنے ساتھی کو از راہ مذاق پیٹو کہہ کر اس کی اس صفت کو اپنی پسندیدگی کا باعث قرار دیا تھا۔

حمید نے قاسم کو لاکھ سمجھایا کہ اس نے اپنے ساتھی کو بیوقوف بنایا ہوگا۔ دنیا کی کوئی عورت کسی پیٹو آدمی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن وہ قاسم ہی کیا جس کا معدہ ذہن کی اطاعت قبول کرلے۔ وہ بڑی شدومد کے ساتھ اپنے پیٹو پن کا مظاہرہ کرتا رہا اور پھر آخر کار وہ لڑکی اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگئی۔

''ابے.... دیکھ رہی ہے حمید بھائی۔'' وہ جھک کر آہستہ سے حمید کے کان میں بولا۔

''خدا کرے اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں۔''

''تمہاری خود پھوٹ جائیں۔'' قاسم اس انداز میں بگڑ گیا جیسے اس لڑکی سے پرانی

شناسائی ہو۔

"قاسم.....!"

"قیا ہے.....!" قاسم غرایا۔

"خدا تمہیں اتنی عقل دے کہ تم.....کہ تم.....کہ تم.....مم مم.....!"

"تم خود مم مم.....!" قاسم پھر جھلا گیا۔

مگر اس "مم مم" کی وجہ دراصل ایک دوسری عورت تھی جس پر اچانک حمید کی نظر پڑی اور وہ جملہ پورا نہ کرسکا۔ پھر قاسم کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ گئی۔

"ارے باپ رے.....حمید بھائی.....ارے.....یہ تو.....یہ تو.....!"

"قاسم.....!"

"کیا ہے..... پیارے بھائی..... ای..... ای.....!"

"میرے کفن دفن کا انتظام کرو۔"

"ارے.....کیوں پریشان کرتے ہو۔" قاسم اس طرح بوکھلا گیا جیسے سچ مچ حمید کا دم نکلنے والا ہو۔

ویسے وہ عورت اتنی ہی پرکشش تھی کہ حمید نے قدیم شاعری کے عاشقوں کی طرح اپنے لئے گور و کفن کا تذکرہ مناسب سمجھا۔ اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ متناسب الاعضا تھی اور سیکس اپیل رکھنے والے خدوخال کی مالک تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی شوخی تھی کہ وہ سکوت کے عالم میں بھی بولتی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

اُس کے ساتھ ایک پروفیسر ٹائپ بوڑھا مرد تھا جس کے سر پر بمشکل تمام مٹھی بھر سفید بال رہے ہوں گے۔ ڈاڑھی بھی رکھتا تھا مگر انگریزی وضع کی۔ لباس بھی مغربی ہی تھا۔ عورت ہلکے نارنجی رنگ کے نائیلون کی ساری میں تھی۔

"قاسم.....!" حمید نے کہا۔ "ان کے قریب ہی دو تین سیٹیں خالی ہیں۔"

"بے شک.....خالی ہیں۔" قاسم بولا۔

"چلو تو ادھر ہی نکل چلیں۔" حمید نے کہا۔

"مگر......یہ ادھر والی مجھے دیکھ رہی ہے۔" قاسم بڑبڑایا۔

"اچھا تو تم یہیں بیٹھو......!"

"یہ نہیں ہوسا کتا۔"

"اچھا تو تم بھی چلو۔"

"یہ بھی نہیں ہوسکتا۔"

"تب تم جہنم میں جاؤ......میں جارہا ہوں۔"

"میں ٹانگ پکڑ کر کھینچ لوں گا۔" قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں بالکل ہوش میں ہوں۔" قاسم ہنسنے لگا۔ "اچھا ٹانگ نہیں پکڑوں گا مگر اُس کے ابا میاں کو آواز دوں گا کہ بچاؤ لونڈیا کو۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ آج شاید قاسم بھی موڈ میں تھا لیکن اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ وہ سچ مچ بوڑھے کو آواز دے کر یہی جملہ کہہ بھی سکتا تھا۔ قاسم ہی ٹھہرا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر یک بیک بولا۔

"کیا سنا.....؟"

"وہ کیا کہہ رہی ہے۔"

"قون.....!"

"وہی جس کے لئے تم یہاں سے اٹھنا نہیں چاہتے۔"

"کیا کہہ رہی ہے۔" قاسم نے اس کی طرف جھک کر پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"کہہ رہی ہے کہ یہ کم بخت موٹا منحوس معلوم ہوتا ہے۔"

"نہیں.....!"

"میں نے خود سنا ہے اپنے کانوں سے۔ تم نے بھی سنا ہوگا۔ مگر تم اعتراف کیوں کرنے لگے۔"

"نہیں الاقسم میں نے نہیں سنا۔"

"اُس نے کہا تھا...... تم نے سنا تھا۔ تم جھوٹے ہو۔"

"میں نے نہیں سنا تھا۔ وہ خود ہوگی۔ سالی منحوس۔ صورت تو دیکھو جیسے ٹی بی ہو رہا ہو۔ مردگی تم مردگی۔"

حمید نہایت اطمینان سے اٹھا اور قاسم نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اُس عورت کے پاس چار کرسیاں خالی تھیں۔ حمید تو اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور قاسم اس کے بعد۔

عورت کے لباس سے ایووے کولون کی بھینی بھینی مہک اٹھ رہی تھی۔ قاسم نے نتھنے پھلائے اور اس طرح دم کھینچا جیسے ایک ہی کوشش میں ساری خوشبو سمیٹ لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر اُس نے جھک کر پوچھا۔ "یہ بیلے کیا ہوتا ہے حمید بھائی۔"

"بلبل کا بچہ...... خاموش رہو۔"

"آپ بیلے نہیں جانتے۔" دفعتاً بوڑھے نے جھک کر پوچھا۔

"جی نہیں۔" قاسم نے دانت نکال دیئے۔

"کتھا کلی، سمجھتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"اوہا...... اچھا...... بیلے کی کلی...... گیا...... گیا۔"

عورت بے اختیار مسکرا پڑی۔ لیکن اس نے ان دونوں کی طرف نہیں دیکھا۔

"خیر ابھی دیکھ لیجئے گا کہ بیلے کیا چیز ہے۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا اور دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ حمید کو قاسم پر بہت شدت سے غصہ آیا تھا۔ مگر وہ خاموش ہی رہ گیا۔

کچھ دیر بعد پردہ سرکا اور پروگرام شروع ہوگیا۔

"ارے..... یہ تو گونگی ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔ "لاحول ولاقوۃ...... میرا دم گھٹ رہا ہے۔ کیا یہ گائیں گی نہیں۔"

"قاسم خاموش رہو۔" حمید اُس کے پیر پر پیر رکھ کر بولا۔

"نہیں خاموش رہوں گا میں بور ہو رہا ہوں۔ اس بیلے ویلے کی ایسی کی تیسی۔ میں سمجھتا تھا ناچ کے ساتھ گانا بھی ہوگا۔"

قاسم اس طرح خود بھی بور ہوتا رہا اور حمید کو بھی کرتا رہا۔ خدا خدا کر کے رقص ختم ہوا اور بوڑھا قاسم کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ قاسم نے بھی دانت نکال دیئے۔ حمید نے کنکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا وہ اب بھی اسٹیج ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

تماشائی اٹھ اٹھ کر ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگے۔ بوڑھا بھی اٹھا۔ وہ عورت بھی اٹھ گئی مگر حمید بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں مقصد کیا تھا۔

"ارے تو کیا یہیں بیٹھے رہو گے۔" قاسم جھلا گیا۔

"بکواس مت کرو۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہیں کس نے روکا ہے۔"

قاسم کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ وہ عورت اُن کی طرف واپس آ رہی تھی اور تنہا تھی۔

قاسم ہکلانے لگا کیونکہ وہ انہیں ہی گھور رہی تھی۔

"شاید میرا پرس یہاں رہ گیا ہے۔" اُس نے کہا اور جھک کر اُس کرسی کے نیچے دیکھنے لگی جس پر کچھ دیر قبل خود بیٹھی ہوئی تھی۔

"پھر پتہ نہیں کہاں رہ گیا۔" وہ سیدھی کھڑی ہو کر تشویش کن لہجے میں بولی۔

"کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ یہاں بیٹھتے وقت پرس آپ کے پاس ہی موجود تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں یاد ہے۔" عورت نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "اور آپ لوگ اب بھی یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"واقعی ہم بڑے احمق ہیں!" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر ہم نے آپ کا پرس اڑایا تھا تو ہمیں آپ سے پہلے ہی کھسک جانا چاہئے تھا۔"

"جی ہاں!" عورت کا غصہ تیز ہی ہوتا رہا۔ "آپ پہلے اس طرف بیٹھے ہوئے تھے پھر ادھر آ گئے۔"

"آپ کا پرس اڑانے کے لئے۔" حمید نے مسکرا کر سوالیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں! مجھے آپ پر شبہ ہے۔"

"اوہ......نو نو......ڈارلنگ!" دفعتاً بوڑھے نے کہا، جو عورت کے پیچھے ہی پیچھے آیا تھا۔ لیکن حمید نے اُس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لفظ ڈارلنگ پر وہ چونکا....تو وہ اسکی بیوی تھی۔

"مجھے اُن پر شبہ ہے۔" عورت نے کہا۔

"یقین تو نہیں ہے۔" بوڑھا بولا۔ "ختم کرو۔ یہ بیچارے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

لفظ بیچارے پر حمید کو بڑا تاؤ آیا لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

عورت بڑبڑاتی ہوئی مڑ گئی۔ بوڑھے نے ان کی طرف دیکھ کر شائد معذرت طلب کی تھی۔ الفاظ وہ نہیں سن سکے۔ پھر بوڑھا بھی چلا گیا۔

"دیکھا سالی کو۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "اور تمہارے منہ میں بھی وہی جم گیا تھا۔ تم نے کہا کیوں نہیں کہ میں کیپٹن حمید آف کھفیہ ڈپارٹمنٹ ہوں۔"

"ابے تم مٹی کیوں پلید کر رہے ہو میرے محکمے کی۔"

"میں تم کو پلید کر دوں گا ورنہ چل کر اس سالے بڈھے ہی کو مارو جو ہمیں شریف آدمی کہہ رہا تھا۔"

"شریف ہونا بری بات ہے۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہاں! میرے لئے شریف ہونا بُری بات ہے۔ میرا باپ شریف آدمی ہے۔ جس کی بیوی میری ماں تھی لیکن مجھے باپ کہنے والا کبھی پیدا نہ ہو سکے گا۔ خان بہادر عاصم کی ایسی کی تیسی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ آج کل قاسم تقریباً ہر وقت ہی اپنے باپ کی شان میں قصید پڑھتا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ حال ہی میں اس کے ایک ماموں زاد بھائی کی شادی ہوئی تھی اور یہ جوڑا آپس میں ایک دوسرے سے گہری محبت رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قاسم کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے ہوں گے کیونکہ اُس کی ازدواجی زندگی سرے سے ناکام رہی تھی۔

حمید چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر وہ بھی ڈائننگ ہال کی طرف بڑھا۔ قاسم بڑبڑاتا ہوا

چل رہا تھا۔

"یہ اُ... ں بھی شاید مذاق کرتے ہیں۔ اُس بڈھے مریل کی جورو اتنی تگڑی اور میری بیوی چوہیا کی اولاد......واہ......وا......کیا انصاف ہے۔"

"شٹ اپ یو کالا کافر۔" حمید رک کر مڑا۔ "یہ تمہارے باپ کا انصاف ورنہ کسی عورت کی پیشانی پر اُس کے ہونے والے شوہر کا نام نہیں لکھا رہتا۔"

"تم میری بات نہ کاٹا کرو سمجھے۔" قاسم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی عورت پھر آ ٹکرائی۔ وہ ابھی ڈائننگ ہال تک پہنچے بھی نہیں تھے۔

"دیکھئے......میں پھر کہتی ہوں کہ پرس واپس کر دیجئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" عورت نے کہا۔

"آپ خواہ مخواہ پیچھے پڑ گئی ہیں۔" حمید مسکرایا۔

"اے تم مسکراتے کیوں ہو۔" قاسم جھلا گیا۔

"پھر کیا کروں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مجھے ان پر لاکھ برس غصہ نہیں آ سکتا۔ تم بھی مسکراؤ۔" قاسم نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ہونٹ پھیلے اور پھر سکڑ گئے۔

"میں آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گی۔"

"شوق سے کر دیجئے۔" حمید نے کہا۔

"ابے تم اپنا وزیٹنگ کارڈ کیوں نہیں نکالتے۔" قاسم پھر جھلا گیا۔

اور عورت ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "نہیں آپ اپنا وزیٹنگ کارڈ اپنے پاس ہی رکھئے۔ دنیا کے سارے جیب کترے خود کو لارڈ کچز کا بھتیجا ظاہر کرتے ہیں۔"

"اے زبان سنبھال کے! تم خود ہوگی جیب کتری۔" قاسم جیب سے اپنا پرس نکالتا ہوا بولا۔ "کتنے روپے تھے آپ کے پرس میں۔"

"دو ہزار......!"

"قاسم نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی کھینچی اور بیس نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔"

''دو ہزار روپے میرے جوتے کی نوک پر رکھے رہتے ہیں۔'' عورت نتھنے پھلا کر بولی۔

''پھر آپ کیا چاہتی ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ بتایئے پرس کس قسم کا تھا تاکہ وہ بھی خرید دیا جائے۔''

''آپ لوگ عجیب آدمی ہیں۔'' دفعتاً عورت روہانسی ہو کر بولی۔ ''میں اپنا پرس چاہتی ہوں۔''

''اگر ہمیں علم ہوتا تو اپنا وقت نہ برباد ہونے دیتے۔'' حمید نے کہا۔

''اُس پرس میں دو تین خطوط تھے۔''

''وہ لیٹر بکس ہی سہی......لیکن ہمیں علم نہیں۔''

''میں برباد ہو جاؤں گی۔ تباہ ہو جاؤں گی۔ خدا کے لئے رحم کیجئے۔''

''ہاں...... پرس کی تلاش کے سلسلے میں ہم آپ کی مدد ضرور کر سکتے ہیں۔'' حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

عورت نے وزیٹنگ کارڈ دیکھا اور پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''معاف کیجئے گا میری غلط فہمی کو۔'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اب فرمایئے۔ چلئے میں اس جیب تراشی کی رپورٹ درج کرا دوں۔''

''اوہ......یہی تو میں نہیں کرنا چاہتی۔ ورنہ اب تک شاید آپ ہی کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کر بیٹھتی۔ اوہو......اچھا خاموش رہئے پروفیسر آ رہے ہیں۔''

بوڑھا تیزی سے اُن کی طرف لپکا آ رہا تھا۔

''اوہ......ڈارلنگ تم نہیں باز آؤ گی۔'' وہ قریب پہنچ کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں، ختم کرو اس قصے کو۔ اگر یہ حرکت ان کی ہوتی تو یہ یہاں ٹھہرتے کیوں۔ تھوڑی عقل بھی استعمال کرو۔''

''اوہ...... ہاں ڈیئر۔'' عورت جلدی سے بولی۔ ''میں دراصل ان سے معافی مانگنے آئی تھی۔ یہ معزز اور شریف آدمی ہیں۔''

''کیوں......دیکھا......میں نہ کہتا تھا۔'' بوڑھا بچکانے انداز میں ہنسنے لگا۔

''کاش آپ حضرات میری دعوت قبول کر لیتے۔'' عورت نے ان دونوں کی طرف دیکھ

کر کہا۔ پھر بوڑھے سے بولی۔ ''میں نے کہا تھا اگر کوئی حرج نہ ہو تو کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایئے۔''

''بالکل مناسب کہا تھا تم نے ڈارلنگ۔'' بوڑھا چہک کر بولا۔

''پھر آپ کیا کہتے ہیں۔'' عورت اُن کی طرف مڑی۔

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ......شکریہ......آیئے آیئے۔'' بوڑھا ڈائننگ ہال کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ یہ تینوں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ وہ کافی آگے نکل گیا۔

''آپ کو اس ڈرامائی دعوت پر حیرت تو ہوئی ہوگی۔'' عورت نے آہستہ سے کہا۔

''ہونی ہی چاہئے۔'' حمید بولا۔

پتہ نہیں قاسم پر کیا بیت رہی تھی۔ ایک تنگڑی سی عورت کا قرب اور دوسرے یہ دعوت۔ اس کے دل و معدے میں ہیجان تو یقیناً برپا ہو گیا ہوگا۔

''میں کیا بتاؤں کہ کتنی پریشان ہوں۔'' عورت نے کہا۔

لیکن حمید خاموشی سے چلتا رہا۔

وہ ڈائننگ ہال میں آئے۔ ان کی میز غالباً پہلے ہی سے ''مخصوص'' تھی۔ بوڑھا ان سے پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ اُس نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔

پھر کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''اگر آپ حضرات اپنے تعارف کی زحمت گوارا کریں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''میں اقبال سلیم ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''تفریحی کتابوں کی تجارت ذریعہ معاش ہے اور یہ مسٹر قاسم ہیں۔ خان بہادر عاصم کے صاحبزادے۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' بوڑھا ہاتھ بڑھا کر بولا۔ ''لوگ مجھے پروفیسر شوخ کہتے ہیں اور یہ مسز شوخ ہیں۔''

''آپ دونوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔''

''ہوئی نا......میں پہلے ہی کہتا تھا۔'' بوڑھا پھر بچکانے انداز میں ہنسا۔

"لیکن آپ پروفیسر کیوں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ...... کسی زمانے میں فلسفے کا پروفیسر تھا۔" بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ "فلسفہ تاریخ اور پولیٹکل سائنس تینوں مضامین میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ آپ کے اس شہر میں کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے تین مضامین میں ڈاکٹریٹ لی ہو۔"

"چار...... پروفیسر صاحب! ایک میں ہی ہوں۔ نبراسکا یونیورسٹی کو مجھے چار مضامین میں ڈاکٹریٹ دینی پڑی تھی تب کہیں جا کر اُس کا پیچھا چھوٹا۔"

"نہیں......!" بوڑھے نے حیرت سے کہا۔ "کن مضامین میں۔"

"ٹیلرنگ، بک بائینڈنگ، آئس کریم فریزنگ اور پلاسٹک مولڈنگ۔"

"لاحول ولاقوۃ......" بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ بھی کوئی مضامین ہوئے۔"

"آپ کے مضامین پر میں دس بار لاحول ولاقوۃ بھیج سکتا ہوں۔"

"نہیں بھیج سکتے۔" قاسم بوڑھے کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔

"نہیں بھیج سکتے نا...... میں پہلے ہی کہتا تھا۔" بوڑھا ہنسنے لگا۔

"پھلسفہ...... تاریخ...... لوٹومیکل پائینس!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "واہ واہ سبحان اللہ۔"

"پولیٹکل سائنس......!" بوڑھے نے تصحیح کی۔

"جی ہاں...... جی ہاں۔ میں جلدی میں کہہ گیا تھا۔"

"اوہ...... کھانا ڈارلنگ......!" دفعتاً بوڑھے نے عورت سے کہا۔

"ہاں! میں نے ویٹر سے کہہ دیا ہے۔"

"مگر یہ شوخ کیسا نام ہے پروفیسر صاحب۔" حمید خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ جاری رکھنا چاہتا تھا۔

"نام نہیں تخلص ہے...... میں شاعر بھی ہوں۔"

حمید کی روح فنا ہو گئی کیونکہ شاعری تاریخ و فلسفہ اور سیاست سب پر حاوی ہو جاتی ہے اور شاعر سر پر سوار ہو جاتا ہے۔

"مجھے شاعری سے بالکل دلچسپی نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ہونی بھی نہ چاہئے۔ بھلا پلاسٹک مولڈنگ اور شاعری میں کیا علاقہ۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے کے لئے پنجے جھاڑ ہی رہا تھا کہ ایک ویٹر نے قریب آ کر بوڑھے سے کہا۔

"آپ کا فون ہے جناب۔"

"اوہ...... اچھا...... میں ابھی حاضر ہوا۔" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اُسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی چال مضحکہ خیز تھی۔ حمید نے پائپ نکالا اور تمباکو بھرنے لگا۔

"اوہ...... اب کھانا آ ہی رہا ہوگا۔ آپ پائپ کیوں بھر رہے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"کھانے کے بعد کیلئے بھر رہا ہوں...... مگر شوخ صاحب زندہ دل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"آپ اُن کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے تھے کیا یہ مناسب تھا اور آپ نے انہیں اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا۔"

"کیسے بتاتا جب کہ آپ خود ہی نہیں چاہتی تھیں۔"

"میں نہیں چاہتی تھی...... یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"اگر آپ چاہتی ہوتیں تو خود ہی تعارف کرا دیتیں۔ آپ تو میرے نام سے واقف تھیں۔"

"جی نہیں...... میں نے آپ کا کارڈ دیکھا تھا۔ لیکن اب اس وقت مجھے آپ کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔"

"کیپٹن ساجد حمید فرام فیڈرل انٹیلی جنس بیورو۔"

"کیا یہ آپ کی پیشانی پر تحریر ہے۔" عورت نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے آپ کا یہ کارڈ جعلی ہو۔"

"پھر آپ نے ہمیں کیوں مدعو کیا ہے۔"

"ختم کیجئے......!" عورت ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "پروفیسر آ رہے ہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ بوڑھا بڑی تیزی سے میز کی طرف آیا۔ وہ کچھ پریشان سا تھا اور اس

کی سانس پھول رہی تھی۔

''اوہ...... ڈیئر...... داؤد زینوں سے گر گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ نہیں نہیں آپ حضرات تشریف رکھئے۔ تم بھی بیٹھو ڈیئر۔ میں دیکھ لوں گا۔''

''نہیں میں بھی چل رہی ہوں۔'' عورت اٹھتی ہوئی بولی۔

''نہیں! تم بیٹھو...... یہ بدتمیزی ہے کہ مدعو کر کے......!''

''نہیں جناب کوئی بات نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں آپ حضرات تشریف رکھئے۔'' بوڑھے نے کہا اور تیزی سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

''پروفیسر بہت سوشل آدمی ہیں۔'' عورت بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''ہمارا بھتیجا زینوں سے گر کر زخمی ہو گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اسے گوارا نہیں کیا کہ ان کے مہمان ان کے متعلق کوئی بُری رائے قائم کریں۔''

''اور آپ اتنے اچھے آدمی کو دھوکا دینا پسند کرتی ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''یہی کہ دو جیب کتروں کو ان پر بار بنا رہی ہیں۔''

''اے...... ذرا سوچ سمجھ کر۔'' یک بیک قاسم بولا۔ ''تم ہو گے جیب کترے میں تو نہیں ہوں۔''

''آپ غلط سمجھے...... آپ نہیں سمجھ سکتے۔ میں نے محض اسی لئے کہا تھا کہ پروفیسر کو کسی نئی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ایک بار پھر استدعا کروں گی مجھے صرف وہ خطوط دے دیجئے۔''

''وہ خطوط کیسے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''بس ایسے ہی کہ اُن سے پروفیسر کو دکھ پہنچ سکتا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔ یعنی اگر وہ خطوط غلط ہاتھوں میں پہنچ جائیں تو آپ بلیک میل بھی کی جا سکتی ہیں۔''

''یہی سمجھ لیجئے۔'' عورت نے کہا اور پھر تھوڑے توقف کے ساتھ بولی۔ ''اگر پرس آپ کے پاس ہے تو آپ جو قیمت لگائیں میں ادا کرنے کو تیار ہوں اور اگر آپ واقعی محکمہ سراغ

رسانی سے تعلق رکھتے ہیں تو خدارا میری مدد کیجئے ورنہ...... ورنہ...... دیکھئے میں نہیں چاہتی کہ پروفیسر کی زندگی برباد ہو۔ حالانکہ اگر میں آپ کو حقیقت بتا دوں تو آپ بھی میرا مضحکہ اڑانے پر تیار ہو جائیں گے۔''

''بتا دیجئے حقیقت بھی تاکہ میں سچ مچ آپ کو بلیک میل کر سکوں۔''

''خدارا سنجیدگی اختیار کیجئے۔'' عورت نے کہا اور اتنے میں دو ویٹروں نے میز پر برتن لگانے شروع کر دیئے۔ قاسم بار بار منہ چلاتا ہوا پہلو بدل رہا تھا۔

ویٹر کھانا رکھ کر چلے گئے اور سلسلہ گفتگو پھر شروع ہو گیا۔

''کوئی سالا آپ کو بلیق میل نہیں کر سکتا۔'' قاسم بڑا سا نوالا حلق میں ٹھونستا ہوا بولا۔

''مجھے بتایئے میں ایک ایک کی گردن توڑ دوں گا۔''

وہ قاسم کی طرف شبہے کی نظر سے دیکھنے لگی۔

''میں انتہائی کوشش کروں گا۔'' حمید بولا۔ ''آپ کا کیا نام ہے۔''

''شوخی......!'' قاسم نے کہہ کر ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔

''آپ لوگ آخر اتنی بدتہذیبی سے کیوں پیش آ رہے ہیں۔''

''مم...... معاف...... کیجئے گا۔'' قاسم ہکلایا۔

''یہ میرے دوست تھوڑے سے کریک ہیں۔'' حمید بولا۔

''جی ہاں...... میں بالکل...... اُل...... اُل...... اُلو ہوں۔'' قاسم نے بڑی سعادتمندی سے اعتراف کیا۔

''اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ مجھ سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ پرس یقیناً آپ ہی لوگوں کے پاس ہے اور میں نے آپ سے ان خطوط کی اہمیت کا تذکرہ کر دیا ہے۔''

''اور ہم لوگ اب آپ کو بلیک میل کریں گے...... کیوں؟''

''اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' عورت نے کہا اور دفعتاً اس طرح اچھل پڑی کہ نہ صرف ہاتھ سے نوالا چھوٹ گیا بلکہ ایک پلیٹ بھی الٹ گئی۔ اُس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور

آنکھوں سے شدید ترین تکلیف ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر وہ نیچے جھکی اور داہنا پیر اٹھا کر ایک پنڈلی پر رکھ لیا۔

پنڈلی پر سے ساری سرکائی اور ایک ہلکی سی چیخ اُس کے حلق سے نکل گئی۔ حمید بھی جھکا۔ پنڈلی میں ایک بڑی سی سوئی چبھی ہوئی تھی جس کی نوک دوسری طرف نکل گئی تھی اور پچھلا حصہ اسی قدر گوشت سے باہر نکلا ہوا تھا کہ چٹکی سے پکڑا جا سکے۔

''میرے خدا...... میں مری۔'' وہ دونوں آنکھیں بھینچ کر کراہی لیکن حمید دوسرے ہی لمحے میں سوئی کو گوشت سے کھینچ چکا تھا۔ خون کی ایک پتلی سی لکیر سفید پنڈلی پر متحرک نظر آ رہی تھی۔

منہ کا سانپ

قاسم اور حمید دونوں ہی اس واقعے پر بوکھلا گئے تھے۔ بوکھلاہٹ میں اضافہ اس لئے بھی ہو گیا تھا کہ لوگ اپنی اپنی میزوں سے اٹھ اٹھ کر ان کی طرف آنے لگے تھے۔ حمید نے رومال سے خون خشک کیا اور دوسرا رومال پانی میں بھگو کر زخم پر باندھ دیا۔

''کوئی بات نہیں ہے۔'' حمید نے دوسروں سے کہا۔ ''آپ اپنی میزوں پر تشریف لے جائیں۔ معمولی سی چوٹ ہے۔''

لیکن چوٹ کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ وہ اتنی ہی دلکش عورت تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ بدقت تمام حمید انہیں میز کے پاس سے کھسکانے میں کامیاب ہو سکا۔

عورت کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ تکلیف برداشت کرنے کے لئے سخت ترین جدوجہد کر رہی ہے۔

''یہ کیسے ہوا۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں مگر کچھ نہیں بولی۔

''جی ہاں...... یہ کیسے ہوا۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں۔'' عورت خوفزدہ آواز میں بولی۔ ''آپ لوگ مجھے معاف فرمائیں۔ میں جانا چاہتی ہوں۔''

''آخر یہ سوئی۔'' حمید نے کہا۔

''آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔'' عورت نے غصیلے لہجے میں کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر بل لانے کو کہا۔

''آپ جائیے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''بل میں ادا کر دوں گا۔''

''میں فقیر نہیں ہوں۔'' عورت نے کہا۔

''ہم بھی بھک منگے نہیں ہیں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''آپ دونوں میاں بیوی کریک معلوم ہوتے ہیں۔''

''تمیز سے بات کیجئے۔''

''ہاں تمیز سے گفتگو کرو۔ تم خود ہو گے کریک۔'' قاسم عورت کا ساتھ دینے لگا۔

اتنے میں ویٹر بل لایا اور عورت نے کچھ نوٹ بلاؤز کے گریبان سے نکال کر طشتری میں رکھ دیئے۔

''یہ روپے بھی آپ نے پرس میں کیوں نہیں رکھے تھے۔'' حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''تم سے مطلب......!'' قاسم اکھڑ گیا۔

''تم خاموش رہو۔''

''نہیں خاموش رہوں گا۔ تم ایک لیڈی کی توہین کر رہے ہو۔''

عورت اٹھ گئی۔ حمید اُسے دروازے کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔

''وہ تو گئی حمید بھائی۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''تم میرے پیچھے نہیں آؤ گے سمجھے! ورنہ تمہارا انجام بہت بھیانک ہو گا۔'' حمید بھی اٹھتا

ہوا بولا۔

''ارے واہ......!'' قاسم نے کہا اور اٹھنے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر رہ گیا۔

حمید کمپاؤنڈ میں پہنچ چکا تھا۔ اُس نے عورت کو گیرج کیطرف جاتے دیکھا اور وہ خود بھی آگے بڑھا۔ وہ اپنی واٹر کول انجن والی بے آواز موٹر سائیکل پر آیا تھا اور وہ بھی گیراج ہی میں تھی۔

حمید بھی بہت محتاط ہو گیا تھا کوشش یہی تھی کہ نظر اس پر نہ پڑنے پائے۔

عورت نے گیرج سے کار نکالی اور حمید اُس وقت تک اپنی موٹر سائیکل کے قریب کھڑا رہا جب تک کہ کار باہر نہیں نکل گئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

اگر سوئی والا واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو وہ اُن دونوں میاں بیوی کی جھکی سمجھ کر نظر انداز کر دیتا مگر وہ عورت اسی طرح اچھل پڑی تھی جیسے اچانک کوئی چیز آ لگی ہو۔

پھر سوئی بھی کیسی جو ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف نکل گئی تھی۔ یقیناً وہ بڑی قوت سے پھینکی گئی ہوگی۔ مگر کیسے......کیا انسانی ہاتھ اس قسم کا کوئی کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ حمید کو یہ ناممکن معلوم ہوئی اور وہ یہی سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر وہ سوئی پھینکی ہی گئی تھی تو اس کے لئے کسی قسم کی مشین استعمال کی گئی ہوگی۔ لیکن عورت نے اس کے متعلق کچھ بتانے کی بجائے چھپانے کی کیوں کوشش کی تھی۔ وہ خوفزدہ بھی تھی۔

عورت کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی اور حمید تعاقب کرتا رہا۔ نیا گرہ شہر کی آبادی سے بہت دور ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ اس لئے اس سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں رہتا تھا۔

حمید نے اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائیٹ بجھا رکھی تھی اور اس کا انجن تو بے آواز ہی تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے شہر میں داخل ہوئے اور تعاقب اب بھی جاری رہا۔ آخر تھوڑی دیر بعد وہ کار ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں مڑ گئی اور حمید اپنی گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے پھر اپنی موٹر سائیکل موڑی اور اُسے ایک جگہ روک کر اتر پڑا۔

اب وہ اسی عمارت کی طرف پیدل واپس آ رہا تھا جس میں کار داخل ہوئی تھی۔ وہ پھاٹک کے قریب رکا۔ بائیں جانب کسی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ حمید جھک کر دیکھنے لگا۔ اُس پر

تحریر تھا۔ ''پروفیسر......اے......آر......شوخ۔''

حمید پیچھے ہٹ آیا۔ وہ تو اپنے ہی مکان میں داخل ہوئی تھی۔ حمید نے ایک بار پھر عمارت کا جائزہ لیا۔ عمارت بڑی شاندار تھی۔

وہ موٹر سائیکل کی طرف واپس آیا اور اب گھر جانے کے علاوہ اور کیا چارہ رہ گیا تھا۔

آج کل فریدی بھی شہر میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے زیادہ تر گھر ہی پر رہنا پڑتا تھا۔ فریدی کی عدم موجودگی میں اس کے جانوروں کی دیکھ بھال حمید ہی کو کرنی پڑتی تھی اور یہ ایک ایسا کام تھا جس کے تصور ہی سے اُس کی روح فنا ہوتی تھی۔ صرف کتوں کا راشن تقسیم کرانے میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہو جاتے اور وہ سوچتا تھا کہ آخر فریدی یہ سب کچھ کیسے کر لیتا ہے۔

گھر پہنچتے ہی اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور پروفیسر شوخ کے نمبر تلاش کرنے لگا جو جلد ہی مل گئے۔ اُس نے اُسے فون کر کے اس کے بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر ایسا نہیں کیا۔

کافی رات گئے تک وہ سوئی والی گتھی سلجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن اُسے ناکامی ہی ہوئی اور پھر وہ سو گیا۔

دوسری صبح اُس نے پروفیسر شوخ کے نمبر ڈائیل کئے۔

''یس ہیلو! میں پروفیسر شوخ ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہوا کرو۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ کون صاحب ہیں!''

''محکمہ سراغ رسانی کا کیپٹن حمید۔''

''اوہ......جناب......فرمائیے......جناب۔''

''میں بیگم شوخ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور......ضرور......براہِ کرم ہولڈ آپ کیجئے۔ میں انہیں بھیجتا ہوں۔''

حمید منتظر رہا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ''ہیلو''

"آپ کا پیر کیسا ہے بیگم صاحبہ۔" حمید نے پوچھا "اور ساتھ ہی میں آپ کے بھتیجے کی بھی خیریت دریافت کرنا چاہوں گا۔"

"اوہ.....تو آپ ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"آپ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ اس خبط کو دل سے نکال دیجئے۔ میں خود ہی پروفیسر کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"میں نے اس وقت آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ براہِ کرم قانون کی مدد فرمایئے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ خود آپ کے خلاف مجھے کوئی قانونی کارروائی کرنی پڑے۔"

"کیا مطلب......!"

"میں اس سوئی کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں جو پچھلی رات میں نے آپ کی پنڈلی سے نکالی تھی۔"

"وہ ایک سوئی تھی۔" بیگم شوخ نے غصیلی آواز میں کہا۔

"وہ یقیناً ایک سوئی تھی۔ لیکن کس طرح پھینکی گئی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں اور پھینکنے والا کون تھا......؟"

"میں کیا جانوں۔"

"محترمہ ہوش کی دوا کیجئے۔ کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے مکان پر باوردی آدمی بھیجوں۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر شوخ اس پر ہرگز تیار نہ ہوں گے۔"

"کیا واقعی آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

"آپ کو اسی وقت یقین ہوسکتا ہے جب کچھ باوردی لوگ پوچھ گچھ کیلئے وہاں پہنچ جائیں۔"

"دیکھئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آپ خواہ مخواہ مجھے دھمکا رہے ہیں۔ جی ہاں وہ سوئی میری پنڈلی میں چبھی ہوئی تھی آپ کا یہ خیال قطعی لغو ہے کہ کسی نے اُسے پھینکا تھا میں نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے چبھوئی تھی۔ اب فرمایئے کیا خیال ہے۔"

"آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں۔"

"اچھی بات ہے تو اُسے ثابت کیجئے کہ اس کا ذمہ دار میرے علاوہ اور کوئی ہے۔"

"میں ثابت کردوں گا۔"

"مجھے بھی آگاہ فرمایئے گا۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع کردیا گیا۔

حمید کو بڑا غصہ آیا۔ اس عورت کے لہجے سے اس کی جھلاہٹ پہلے ہی بڑھ گئی تھی۔ وہ ریسیور رکھ کر ہٹنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو......!"

"آئیں......غائیں......غمید بھائی۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید کا غصہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگیا۔

"کیا ہے۔"

"آ کھری......دیدار کر جاؤ......میرا......!" قاسم کراہا۔

"کیا ہوا......؟"

"تھوڑی دیر بعد......نہیں......نہیں......مجھے بچالو......حمید بھائی بچالو۔"

"ابے بتاتا کیوں نہیں۔"

"ہائے......تم بھی کھفا......ہوگئے۔" قاسم نے ہچکی لی۔ وہ سچ مچ رو رہا تھا اور اس زور شور کے ساتھ کہ حمید کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں لائین نہ خراب ہوجائے۔

"میں آرہا ہوں۔" اس نے کہا اور جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں اس پر کیا افتاد پڑی ہے کیونکہ فون پر اُس سے اکثر حماقتیں سرزد تو ہوتی رہی تھیں لیکن آج تک وہ اس طرح رویا نہیں تھا۔

حمید نے لباس تبدیل کیا اور قاسم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہاں اُسے ایک ہنگامہ نظر آیا۔ نوکر بدحواسی میں ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے اور قاسم کی دہاڑیں کمپاؤنڈ سے بھی سنی جاسکتی تھیں۔

کمپاؤنڈ میں اسے کئی کاریں بھی کھڑی نظر آئیں۔ اس نے ایک ملازم کو کارڈ دیا مگر وہ
بوکھلا کر بولا۔

"چلئے حضور! اس وقت کارڈ کسے دوں گا۔"

"کیوں! کیا بات ہے۔"

"صاحب کے پیٹ میں درد ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔

"پانچ ڈاکٹر موجود ہیں سرکار۔ مگر صاحب یہی کہتے ہیں کہ ارے میرے ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

"بیگم صاحبہ کہاں ہیں۔"

"اندر ہیں...... چلئے حضور۔"

"کیا کروں گا چل کر۔"

"وہ آپ ہی کے لئے تو چیخ رہے ہیں۔"

اندر پہنچ کر حمید نے قاسم کو ایسے حال میں دیکھا کہ اگر ضبط نہ کرتا تو بے تحاشہ قہقہے لگاتا
ہوا نظر آتا۔ وہ ایک مسہری پر چت پڑا تھا اور پیٹ پر ربر کی تین بوتلیں تولیوں میں لپٹی ہوئی
رکھی تھیں۔ اس کی بیوی کے علاوہ وہاں شہر کے پانچ بڑے ڈاکٹر بھی موجود تھے۔

"حامید...... بھائی...... آ...... آئی......!" قاسم دونوں ہاتھ پھیلا کر چیخا۔

"اوہ آپ آگئے۔" قاسم کی بیوی اس کی طرف مڑ کر طنزیہ لہجے میں بولی اور ساتھ ہی
قاسم دہاڑا۔ "جاؤ...... تم سب دفع ہو جاؤ۔ میرا ڈاکٹر آگیا۔"

"کیوں بکواس کرتے ہو۔" حمید قاسم کو گھورتا ہوا بولا۔ "کیا بات ہے۔"

"میں کہتا ہوں...... حمید بھائی کے علاوہ اور سب لوگ اس کمرے سے چلے جائیں۔"
قاسم حمید کے سوال پر دھیان دیئے بغیر غرایا۔

قاسم کی بیوی چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر اس نے ڈاکٹروں کو اپنے ساتھ چلنے کا
اشارہ کیا۔ وہ اٹھ گئے اور پھر کمرے میں صرف حمید ہی رہ گیا۔

"ہائے...... حمید بھائی...... اب کیا ہوگا۔" قاسم کراہا۔

"کچھ بکو گے بھی۔"

"پتہ نہیں۔ دل میں درد ہے کہ جگر میں...... اُلا جانے...... گردے میں ہو...... پھیپھڑوں
میں ہو۔ حمید بھائی مجھے بچالو۔"

"میں کیسے بچا سکتا ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔ پیٹ پر رکھی ہوئی گرم پانی کی بوتلیں دھپ دھپ فرش
پر گریں۔

"کا سے بچا سکتا ہوں۔" وہ عورتوں کے سے جلے کٹے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا۔

"اپنے ساتھ لئے پھرو گے...... جو کام چاہو گے...... لو گے...... مگر بچا نہیں سکتے......
ابے لعنت ہے تم پر حمید بھائی۔"

"کیا میرے ساتھ لئے پھرنے کی وجہ سے تم کسی تکلیف میں مبتلا ہوئے ہو۔"

"میں کہتا ہوں تم نے مجھے کل رات کیوں مجبور کیا تھا۔ میں تو اس سالی کے پاس نہیں
بیٹھنا چاہتا تھا۔"

"ہاں......!" حمید نے آنکھیں نکال کر ایک طویل سانس لی۔ "تو اسی سلسلے میں یہ دردِ
دل یا دردِ جگر کی کہانیاں ہیں۔ مگر تمہیں یہ مشورہ کس گدھے نے دیا تھا کہ دردِ دل یا دردِ جگر کے
سلسلے میں گرم پانی کی بوتلیں۔"

"ارے سنو تو سہی۔ دروازہ بند کردو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" قاسم آہستہ سے بولا۔

"قاسم! کیا تمہاری شامت آئی ہے۔"

"آئی تھی۔" قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ "مگر تمہارے آتے ہی چلی گئی۔ دروازہ بند
کردو۔ پیارے بھائی۔"

"حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر دروازہ بند کر دیا۔

"آؤ...... آؤ...... میرے قریب آؤ۔" قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔

"لیکن اگر وہ کوئی بے تکی بات ہوئی تو تمہاری بقیہ زندگی تلخ کردوں گا۔" حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ارے یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وہ حرامزادی مجھے رات سے مارے ڈال رہی ہے۔"

"کون حرام زادی۔"

"وہی حرامزادی جو ابھی یہاں سے اپنے پانچ باواؤں کے ساتھ گئی ہے۔"

"ہام......اچھا......!"

"پچھلی رات وہ بھی نیاگرا گئی تھی اور اس نے ہمیں دیکھا تھا۔ بیگم کھوس کے ساتھ۔"

"بیگم شوخ......!" حمید نے تصحیح کی۔

"اونہہ......شوخ ہی سہی۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ حرامزادی بیگم شوخ کو بھی جانتی ہے۔"

"اگر تم نے اُسے اب حرامزادی کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

"قیوں......!" قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

"اپنے باپ کو گالیاں دو......اس کا کیا قصور ہے کیا اس نے تم سے شادی کی درخواست کی تھی۔"

"ہائیں......تو پھر کیا میں اپنے باپ کو حرامزادہ کہوں۔"

"یقیناً......!"

"ذرا زبان سنبھال کر۔"

"سنبھل گئی......ہاں تو تم ابھی کیا کہہ رہے تھے۔"

"حرامزادی کہہ رہا تھا۔" قاسم گردن اکڑا کر بولا۔

"حرامزای کیا کہہ رہی تھی۔"

"آہاں......ارے الاقسم۔" قاسم متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "وہ ایسی باتیں

کرتی ہے حمید بھائی کہ دم نکلنے لگتا ہے۔ رات بھر بور کرتی رہی اور پھر مجبوراً مجھے پیٹ میں درد کرنا پڑا۔"

"کیوں؟ کیا وہ باتیں بیگم شوخ کے متعلق تھیں۔"

"ارے......ہاں......ہاں......!" قاسم سر ہلا کر بولا۔

"کیسی باتیں۔"

"یہی کہ بیگم شوخ ڈائن ہے۔ جادوگرنی ہے۔ اُس کے منہ سے سانپ نکل آتے ہیں اور اسکے عاشق پاگل ہوجاتے ہیں۔ وہ ایک ایسے آدمی کو جانتی ہے جو پاگل ہوگیا تھا۔ اس کی کے ماموں کے سالے کا بھتیجا ہے۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ ہم دونوں پاگل ہوجائیں گے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تمہاری بیوی پچھلی رات نیاگرہ میں تھی۔"

"ہاں پیارے بھائی! اُس نے ایک ایک بات بتائی ہے۔"

"ٹھہرو! میں اس سے گفتگو کرتا ہوں۔"

"ہائیں! امے کیوں شامت آئی ہے حمید بھائی۔ وہ ایسی دل ہلا دینے والی باتیں کرتی ہے کہ روح پھنا ہونے لگتی ہے......فنا......فنا ہونے لگتی ہے۔"

"میں اُس سے پوچھوں گا کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرتی ہے۔ اگر سچ مچ تمہارا ہارٹ فیل ہوجائے تو کیا ہوگا۔"

"ہاں......دیکھو تو حمید بھائی۔" قاسم کی آواز مظلومیت کے اظہار میں گلوگیر ہوگئی۔

"اچھا تم ٹھہرو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا......اچھا......!" قاسم نے جسم سکوڑ کر جمائی لی اور آہستہ آہستہ منہ چلانے لگا۔

حمید دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا اور راہداری ہی میں قاسم کی بیوی سے ملاقات ہوگئی جو بہت ہی غصے کے عالم میں تیزی سے ادھر ہی آرہی تھی۔

حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن انداز سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ ابھی چیخنے لگے گی۔

"نہیں۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ پھر بے قابو ہوگیا تو تمہیں سارے شہر کے ڈاکٹر اکٹھے کرنے پڑیں گے۔ میں نے بہت مشکل سے اُسے سیدھا کیا ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی۔

آؤ...... حمید نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پنجوں کے بل قاسم کے کمرے کی سمت چلنے لگا۔ غیر ارادی طور پر وہ بھی اس کی تقلید کرنے لگی۔ وہ بھی اتنی ہی احتیاط سے چل رہی تھی کہ آواز پیدا نہ ہونے پائے۔

کمرے کے سامنے رک کر حمید نے دروازے کے شیشوں کے اندر جھانکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے لئے قاسم کی بیوی کو پنجوں کے بل کھڑا ہونا پڑا لیکن اس کے باوجود بھی وہ شیشوں تک نہ پہنچ سکی۔ آخر اُسے قفل کے سوراخ سے جھانکنا پڑا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف مڑی۔

حمید مسکرا رہا تھا۔ پھر دفعتاً اُس نے دھکا دے کر دروازہ کھولا اور اندر گھستی چلی گئی۔ قاسم اچھل پڑا۔ اُس نے تکیئے کے نیچے سے کوئی چیز نکال کر منہ میں رکھی تھی اور اب وہ ایک مضحکہ خیز پوزیشن میں تھا۔ ٹانگیں پلنگ سے نیچے لٹک رہی تھیں، ہاتھ پٹی پر تھے منہ پھولا ہوا ہونٹ بھنچے ہوئے اور صرف آنکھیں گردش کر رہی تھیں۔ کبھی وہ حمید کیطرف دیکھتا تھا اور کبھی اپنی بیوی کی طرف۔

دفعتاً وہ آگے بڑھی اور سرہانے سے تکیہ اٹھا لیا جس کے نیچے ٹوٹے ہوئے بسکٹوں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔

"یہ درد ہو رہا تھا تمہارے پیٹ میں۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"خاں...... ہپ......!" بسکٹ کے ٹکڑے اُس کے منہ سے اچھل کر دور جا گرے۔

قاسم جھلا گیا تھا۔ "اب میں زہر کھاؤں گا......!" وہ دہاڑا۔

"میری طرف سے اینٹ اور پتھر بھی کھاؤ۔" اس کی بیوی چیخی۔

"ارے تم!" قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "تم بڑے گداڑ...... غدار ہو۔"

"ابے میں نے کیا کیا ہے۔ تم پیٹ کے درد سے تڑپ رہے تھے۔ میں نے اسے درد

دل ثابت کر دیا۔ تمہاری تڑپن ختم ہوگئی۔" حمید نے کہا اور پھر قاسم کی بیوی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔ "دردِ دل کے لئے بسکٹ مضر نہیں ہیں۔"

"آپ خاموش رہیئے براہِ کرم۔" قاسم کی بیوی جلے کٹے لہجے میں بولی۔

"ابے ہاں...... تم کیوں ہمارے بیچ میں ٹائیں ٹائیں کرتے ہو۔"

"اچھا تو کہہ دوں...... ابھی جو کہہ رہے تھے۔"

"کہہ دو...... کہہ دو...... کیا تم میرے بڑے دوست ہو۔ پچھلی رات تم نے مجھے اُس جادوگرنی کے چکر میں پھنسا دیا۔ پاگل ہو کر مرو گے...... دیکھنا۔"

"بکواس مت کرو۔ وہ ایک مجرمہ ہے اور میں خاص طور پر اس کی نگرانی کر رہا ہوں۔"

"آپ نگرانی کر رہے ہیں۔" قاسم کی بیوی نے پوچھا۔

"یقیناً کر رہا ہوں...... لیکن یہ بات اپنی ہی حد تک رکھنا۔"

"ارے واہ......!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "میں ابھی اسے فون کرتا ہوں کہ یہ کیپٹن حمید ہماری نگرانی کر رہا ہے۔"

"کر کے دیکھو...... ناقابل ضمانت وارنٹ نکلواؤں گا اور میں اپنی بہن کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ وہ تم جیسے نالائق آدمی کے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی۔"

"کونسی بہن۔"

"کیپٹن حمید تمہارا سالا ہے نا لہٰذا یہ کیپٹن حمید کی بہن ہوئی۔ چلو تم میرے ساتھ۔"

"ارے جاؤ جاؤ" قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ "بڑے آئے بہن والے سالے۔"

"تم بدتمیزی کیوں کر رہے ہو۔" قاسم کی بیوی نے اُسے للکارا۔

"ہاں...... تو تم جاؤ گی بھائی کے ساتھ...... ذرا جا کر تو دیکھو۔"

"چلیئے حمید بھائی۔"

"لاشیں گریں گی یہاں اگر تم نے گھر سے باہر قدم نکالا۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم یہاں بیٹھیں گے۔" حمید نے کہا اور قاسم کی بیوی کو بھی بیٹھنے کا

اشارہ کیا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی اور قاسم دونوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ پھر حمید نے اس کی بیوی سے کہا۔ ''تو آپا جان......!''

''ابے چوپ۔'' قاسم حلق کے بل دہاڑا۔ ''صرف آپا کہو......جان نہیں۔''

قاسم کی بیوی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''اچھا آپا......مجھے اُس عورت کے متعلق بتاؤ۔ تم اُسے کب سے اور کیسے جانتی ہو۔''

''میرے ایک ماموں زاد بھائی۔ سے پچھلے ہفتے وہ کہیں ملی تھی۔ وہ اُس پر ریجھ گئے۔ اُن سے ملتے رہے......اور پھر ایک رات اُن کا بیان ہے کہ اس عورت کو کھانسی آئی اور اس کے منہ سے ایک ننھا سا سانپ گر کر فرش پر رینگنے لگا۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر کراہا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اُن حضرت کا بیان صحیح ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے......ناصر بھائی جھوٹ نہیں بول سکتے۔''

''ان کا پتہ بتاؤ......میں اُن سے ملوں گا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اب وہ آپ کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکیں گے۔''

''کیوں؟''

''اس واقعہ کے دو دن بعد اُن کا دماغ الٹ گیا۔''

''ہوں......!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''ابے تم بھی پاگل ہو جاؤ گے۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں سمجھی تھی شاید آپ دونوں اُس کے چکر میں ہیں۔'' قاسم کی بیوی نے کہا۔

''صرف میں اس کے چکر میں تھا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اور ایک بار پھر تم دونوں سے کہتا ہوں کہ ان باتوں کو اپنی ہی حد تک رکھنا۔''

پھر وہ وہاں سے چل دیا۔

بے سروپا تجربہ

بیگم شوخ کی شخصیت کافی دلچسپ ہوتی جا رہی تھی۔ حمید قاسم کے گھر سے روانہ ہو کر ایک طرف چل پڑا مگر پھر خیال آیا کہ اسے قاسم کی بیوی سے اس ناصر کا پتہ معلوم کر لینا چاہئے تھا۔ راہ میں ایک جگہ کار روک کر وہ اُتر پڑا اور پبلک ٹیلی فون بوتھ سے قاسم کے نمبر ڈائیل کئے۔ کال اس کی بیوی نے ریسیو کی لیکن حمید نے صرف پتہ ہی معلوم کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ احمد لاج کی طرف جا رہا تھا۔ قاسم کی بیوی کا ماموں زاد بھائی وہیں رہتا تھا۔ یہ لوگ بھی شہر کے متمول ہی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

عمارت کے قریب پہنچ کر حمید نے کار روکی اور اپنا کارڈ اندر بھجوایا۔

ڈرائینگ روم میں اسے تقریباً پانچ منٹ تک تنہا بیٹھنا پڑا پھر ایک معمر آدمی نے اُسے انتظار کی زحمت سے نجات دلائی۔

''فرمایئے جناب!'' بوڑھے نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے مسٹر ناصر سے ملنا ہے۔''

''آپ......ناصر۔'' بوڑھا کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔ ''جی ہاں......وہ میرا لڑکا ہے......مگر محکمہ سراغ رسانی......!''

''جی ہاں ایک سلسلے میں ان سے گفت و شنید کرنی ہے۔''

''کس سلسلے میں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نہ بتا سکوں گا۔''

''تب مجھے بھی افسوس ہے جناب۔'' بوڑھا گلوگیر آواز میں بولا۔ ''آپ اُس سے گفتگو نہ کر سکیں گے۔''

''قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔''

''بشرطیکہ شہری صحیح الدماغ ہو۔'' بوڑھے نے کہا۔

"کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"ناصر ہوش میں نہیں ہے۔"

"مگر ایک ہفتہ پہلے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"جی ہاں......آج سے پانچ دن پہلے یک بیک اُس کا دماغ الٹ گیا اور اب وہ مینٹل ہاسپٹل میں ہے۔"

"آپ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں اُسے آپ کے خلاف عدالت میں بھی......!"

"جی ہاں......قطعی۔" بوڑھا بات کاٹ کر بولا۔ "لیکن آخر ناصر کے سلسلے میں عدالت[کا] تذکرہ کیوں۔"

"وہ ایک ایسی عورت کیساتھ دیکھے جاتے رہے ہیں جسے قانون اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔"

بوڑھے نے ایک طویل سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"کیوں! کیا آپ بھی اس عورت کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔" حمید اسے گھورنے لگا۔

"ناصر کے پاگل پن کی وجہ ایک عورت ہی ہے۔"

"کون!"

"کوئی پروفیسر شوخ ہے......اُس کی بیوی۔"

"لیکن ناصر صاحب کو یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔"

"میں نہیں جانتا۔" بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس کے چچا زاد بھائی کو بھیجتا ہوں وہ بتائے گا۔"

بوڑھا ڈرائنگ روم سے چلا گیا اور حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوش پوش نوجوان اندر آیا۔ اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ صورت ہی سے کھلنڈرا اور غیر سنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔

"کیا آپ ہی مجھے ناصر کے متعلق بتائیں گے۔"

"جی ہاں! لیکن اس سے پہلے میں آپ کے بکرے کی خیریت پوچھوں گا۔" نوجوان ہنس کر بولا۔ "کیونکہ میرا بکرا بھی ایسوسی ایشن کا ممبر ہے۔"

"لیکن میں اس وقت بکروں کے لئے خیر سگالی کے مشن پر نہیں آیا ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور نوجوان یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"ناصر نے آپ کو بیگم شوخ کے متعلق کیا بتایا تھا۔"

"یہی کہ وہ ایک قتالہ عالم ہے۔ قدم قدم پر فتنے جگاتی ہے۔"

"صاحبزادے مجھے شاعری سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"یہی بتایا تھا ناصر بھائی نے یقین کیجئے۔"

"ان کا دماغ کس طرح الٹ گیا۔"

"انہوں نے ایک واقعہ بتایا تو تھا مگر مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ پھر جب دو دن بعد وہ پاگل ہو گئے تو یقین کرنا ہی پڑا۔"

"واقعہ بتاؤ دوست۔" حمید اُسے چمکار کر بولا۔

"ایک رات وہ دونوں نیاگرا کے ایک فیملی کیبن میں تھے۔ بھائی ناصر نے تھوڑی سی پی رکھی تھی، لہٰذا موج میں تھے۔ انہوں نے اُس سے محبت کرنی چاہی لیکن اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا اور اسی دوران میں اس کے منہ سے ایک سانپ کا بچہ نکل کر میز پر رینگنے لگا۔ بھائی ناصر کا بیان ہے کہ انہوں نے اسے فوراً ہی مار ڈالا لیکن وہ خود بُری طرح خائف ہو گئے تھے۔ عورت نڈھال ہو گئی تھی۔ جب بھائی ناصر نے اُس سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ رونے لگی۔ اس نے کچھ بھی نہیں بتایا مگر برابر یہی کہتی رہی کہ مجھ سے دور بھاگو۔ میرا خیال دل سے نکال دو۔ میں ایک بدنصیب عورت ہوں......جاؤ۔"

"پھر......!"

"پھر یہ کہ بھائی ناصر کی محبت تو پہلے ہی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ انہوں نے گھر کی راہ لی۔ دو دن تک بور ہوتے رہے پھر پاگل ہو گئے۔ منہ سے نکلنے والے سانپ نے اُن کے ذہن پر

بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔"

"تم نے دیکھا ہے اس عورت کو۔"

"دیکھنے کی خواہش ضرور رکھتا ہوں۔"

"مینٹل ہاسپٹل میں پاگل ہوجانے کی وجہ درج کرائی گئی ہے۔"

"بات کا بتنگڑ بننے کے خیال سے اصلیت چھپائی گئی ہے۔" نوجوان نے کہا۔

"لہٰذا اب یہ بات بھی چھپانی ہی پڑے گی کہ محکمہ سراغ رسانی اس عورت میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

"محکمہ سراغ رسانی یا صرف آپ...... معاف کیجئے گا۔ میں ذرا بے تکلف ہو رہا ہوں وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے تذکرے بہت سنے ہیں اور میرے ایک عزیز سے آپ کے گہرے تعلقات ہیں۔"

"گہرے نہیں بلکہ لمبے چوڑے۔" حمید مسکرایا۔

"آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔"

"بیگم شوخ اور ناصر صاحب کی دوستی کتنی پرانی تھی۔"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ ویسے انہوں نے اس کا تذکرہ ایک ہفتہ پہلے ہی کیا تھا۔ اور دوسرے دن پاگل ہوگئے تھے۔"

"آپ بڑی بیدردی سے اس ٹریجڈی کا تذکرہ کررہے ہیں۔"

"دیکھئے کپتان صاحب بات دراصل یہ ہے۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔"

"کس پر......!"

"اسی کہانی اور بھائی ناصر کے پاگل پن پر۔"

"کیوں!"

"بس یونہی...... وہ اس قسم کے آدمی ہیں۔ خاندان والوں میں سنسنی پھیلانے کے لئے

اس سے پہلے بھی مختلف قسم کی حرکتیں کرتے رہے ہیں...... مگر!"

"مگر کیا......؟"

"مگر آپ اُسی عورت کے سلسلے میں ان سے ملنے آئے ہیں۔"

"ہاں! اور اس کے متعلق آپ جتنی زیادہ معلومات فراہم کرسکیں بہتر ہے۔"

اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"اس عورت کا پتہ بتایا تھا ناصر صاحب نے۔"

"نہیں کپتان صاحب۔" نوجوان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ورنہ اب تک میں بھی پاگل ہوچکا ہوتا۔"

"خیر...... شکریہ۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اسکا تذکرہ آپ لوگ کسی سے نہیں کریں گے۔"

اب اس کی کار پروفیسر شوخ کی قیام گاہ کی طرف جارہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اُن دونوں سے کس طرح پیش آئے۔ بیگم شوخ معمہ بنتی جارہی تھی۔ جیسے ہی اس کی کار عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی سامنے والی کھڑکی سے ایک سر باہر نکلا۔ یہ پروفیسر شوخ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھڑکی سے جست لگائی اور باہر چلا آیا۔

"دیکھئے...... دیکھئے۔" وہ ہاتھ ہلا کر چیخا۔ "بائیں جانب موڑ کر پارک کیجئے ورنہ لان تباہ ہوجائے گا۔"

حمید نے اس کی ہدایت کے مطابق کار بائیں جانب روش پر موڑ کر انجن بند کردیا۔ پروفیسر شوخ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

حمید کار سے اتر کر اسکی طرف بڑھا۔ پروفیسر اسطرح پلکیں جھپکانے لگا جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کررہا ہو۔ لیکن پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں آپ کے بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔"

"میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔" بھتیجے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اس وقت سو رہا ہے۔ مورفیا کے انجکشن کے بغیر وہ سو نہیں سکتا۔ کیا آپ اس کے دوستوں میں سے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ

میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"پچھلی رات نیاگرہ میں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم دونوں پنگ پانگ کھیل رہے تھے!"

"تب تو آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے......وہ کوئی اور ہوگا۔"

"کیا آپ پروفیسر شوخ نہیں ہیں۔"

"میرے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔"

"کیا پچھلی رات ہم ایک سیٹ نہیں کھیلے تھے۔"

"خدا جانے مجھے تو یاد نہیں۔" پروفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔

اتنے میں اچانک حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ مسز شوخ برآمدے میں کھڑی اُسے اشارہ کررہی تھی۔ پروفیسر کی پشت برآمدے کی طرف تھی

مسز شوخ کبھی حمید کو بلاتی کبھی ہاتھ جوڑتی۔ پھر برآمدے سے اتر کر اُن کی طرف تیزی سے بڑھی۔

"اوہ......ہلو......کیپٹن۔" اس نے پُراشتیاق لہجے میں حمید کو مخاطب کیا۔

"ارے......ہاں......آپ کیپٹن حمید ہیں۔ پچھلی رات ہم نے نیاگرہ میں ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"اوہ......لاحول ولاقوۃ۔" پروفیسر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ حضرت فرما رہے تھے کہ میں ان کے ساتھ پچھلی رات وہاں پنگ پانگ کھیلتا رہا۔"

"بہت دلچسپ آدمی ہیں ڈیئر۔"

پروفیسر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا گلاب کی کیاریوں کی طرف چلا گیا اور اس طرح ایک بیلچہ اٹھا کر مٹی کی تہیں الٹنے لگا جیسے حمید کی آمد سے قبل وہ یہی کام کرتا رہا تھا۔

"آیئے......اندر چلئے۔" مسز شوخ حمید کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا۔

"آپ کی گاڑی بڑی شاندار ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "کاش میں بھی ایک ایئر کنڈیشنڈ

لنکن خرید سکتی۔"

"آپ چار خرید سکتی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے......مگر پروفیسر......!"

حمید نے اُس سے جملہ پورا کرنے کی استدعا نہیں کی۔ وہ اُسے ایک شاندار اسٹڈی میں لائی۔ کچھ دیر تک دونوں ہی خاموشی سے بیٹھے ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر حمید بولا۔

"میں ایک شخص کے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی......!" وہ چونک پڑی۔

"ناصر......!" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کون ناصر......!"

"وہی......ناصر......جسے نیاگرہ میں منہ سے نکلنے والے سانپ کی پوجا کرنی پڑی تھی۔"

"اوہ......!" دفعتاً اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں نظر آئیں لیکن پھر شائد اس نے اپنے اعصاب پر قابو پالیا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا آپ کوئی دلچسپ داستان سنائیں گے۔"

"اگر آپ اُسے دلچسپ سمجھ سکیں۔"

"شروع ہوجایئے۔"

حمید آنکھیں بند کرکے مسکرایا۔ اُس نے یک بیک اپنا پورا پلان بدل دیا تھا۔

"صنوبر کے سائے تلے۔" وہ آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ "مگر نہیں......میں غلط کہہ رہا ہوں۔ وہ تو نیاگرہ کا ریکریئشن ہال تھا......جہاں پہلے پہل......ہا......!"

حمید آنکھیں کھول کر مرمٹنے والے انداز میں مسکرایا۔ پھر بولا۔ "مگر آپ اس وقت اشاروں ہی اشاروں میں میری خوشامدیں کیوں کررہی تھیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کہیں آپ اُس سوئی کا تذکرہ پروفیسر سے نہ کردیں۔"

"چلئے میں نے نہیں کیا۔" حمید بولا۔ "لیکن اُس سانپ کی داستان بڑی بُری طرح پھیل رہی ہے۔ اگر پروفیسر کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی تو کیا ہوگا۔"

"میں اُسے افواہ ثابت کرسکتی ہوں۔" اُس نے کہا اور پھر اس طرح زرد پڑگئی جیسے جملہ نادانستگی میں زبان سے نکل گیا ہو۔

"خیر اسے آپ افواہ ثابت کرسکتی ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن وہ سوئی زندگی بھر میرے دل میں پیوست رہے گی۔"

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

"میں صرف کبوتر اڑاتا ہوں بشرطیکہ وہ گرہ باز ہوں۔"

"پھر آپ کس لئے تشریف لائے ہیں۔"

"آپ کے بھتیجے داؤد کی خیریت دریافت کرنے کے لئے۔"

"ہڈی ہڈی جوڑ دی گئی ہے اور وہ اس وقت مورفیا کے زیر اثر ہے۔ مگر آپ ناصر کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"آپ جانتی ہیں اُسے۔"

"ہاں میں اُسے جانتی ہوں اور مجھے اعتراف ہے کہ اُسے ایک تحیر انگیز واقعہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔"

"تو یہ حقیقت ہے کہ سانپ آپ کے منہ سے نکلا تھا۔"

"حقیقت ہے۔"

"خدا کی پناہ......محاورہ غلط ہوگیا۔"

"کیسا محاورہ!"

"آستین میں سانپ پالنا سنا تھا......مگر پیٹ میں۔"

"بس خاموش رہئے۔ میرے ہی گھر میں بیٹھ کر آپ میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔"

"میں مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں بلکہ خود بھی آپ کا یہ کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھئے نہ تو میں آپ کو اس کے متعلق کچھ بتا سکتی ہوں......اور نہ......!"

"ناصر پاگل ہوگیا ہے اور منٹل ہاسٹل میں ہے۔ اُس کے اعزہ عنقریب آپ لوگوں پر چڑھ دوڑیں گے۔ وہ بھی اونچے ہی طبقے کے لوگ ہیں۔"

"یہ بات بُری ہوگی۔" بیگم شوخ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"بات ختم بھی ہوسکتی ہے۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر......!"

"مگر کیا......؟"

"اس کے متعلق سب کچھ میرے علم میں آنا چاہئے۔"

مسز شوخ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "لیکن زبان میرا ساتھ نہ دے تو!"

اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

"زبان ضرور ساتھ دے گی۔"

"میرے خدا میں کیا کروں۔" بیگم شوخ نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے ابھی اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر دیوانہ وار باہر نکل جائے گی۔

ٹھیک اُسی وقت ایک آدمی اسٹڈی میں داخل ہوا جس کے دونوں ہاتھوں میں کسی جانور کی بڑی بڑی ہڈیاں تھیں۔ اسکے بعد ہی پروفیسر بھی اندر آیا۔ اسکے ہاتھوں میں اب بھی بیلچہ تھا۔

"بیگم......!" اُس نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ "یہ ذرا......دیکھو......یہ ہڈیاں......ابھی ابھی گلابوں کی ایک کیاری سے برآمد ہوئی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ کم از کم پانچ سو سال پرانی ضرور ہیں۔"

"ہوں گی......!" بڑی لاپروائی سے کہا گیا۔

"انہیں میں اپنی خواب گاہ میں لٹکاؤں گا۔"

"میرا موڈ اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔" اس کی بیوی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا خیال ہے آپ کا۔" پروفیسر حمید سے مخاطب ہوگیا۔

"کیا ان ہڈیوں کے ساتھ کوئی تحریر نہیں برآمد ہوئی۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں تو......تحریر کیوں؟"

"ایسی چیزوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی تحریر بھی نکلا کرتی ہے۔ مثلاً میرے دادا جان ایک امرود کے کھیت میں......!"

"امرود کے کھیت......!" پروفیسر نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں......ہماری طرف امرود کے کھیت ہی ہوتے ہیں۔"

"یہ آپ کی طرف کدھر ہوتی ہے۔" پروفیسر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"اُدھر ہی جدھر پروفیسروں کا سورج غروب ہوتا ہے۔ آج کل میں نباتات پر ریسرچ کر رہا ہوں اور عنقریب مجھے پانچویں ڈاکٹریٹ مل جائے گی اور آپ یہ ہڈیاں کیا لئے پھر رہے ہیں۔ آپ یہ تک تو بتا نہیں سکتے کہ یہ شجرۂ الجن کی ہڈیاں ہیں یا شاہ بلوط کی۔"

"ہائیں...... ہائیں......!" پروفیسر آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا اور اس کی بیوی اسٹڈی سے چلی گئی۔

"جہالت کی باتیں نہ کرو۔" پروفیسر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا

"آپ کب عقلمندی کی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے زیادہ بور کریں گے تو میرے منہ سے سانپ نکل پڑے گا۔"

"یار تمہارے دماغ میں فتور معلوم ہوتا ہے۔" پروفیسر آنکھیں نکال کر بولا۔

"دنیا کے سارے بڑے آدمیوں کے متعلق عام آدمی یہی خیال رکھتے ہیں۔"

"میں عام آدمی ہوں۔" پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آم کیا میں آپ کو امرود بھی نہیں سمجھتا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھو......بیٹھو۔" پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں تمہارے دماغ کے کیڑے جھاڑوں گا۔"

"گلاب کے پودوں کے کیڑے آپ کو زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" حمید نے کہا اور اسٹڈی سے نکل آیا۔

پروفیسر کی بیوی پہلے ہی جا چکی تھی لہٰذا یہاں بیٹھنا دماغ کے کیڑے ہی جھڑوانے کے

مترادف ہوتا مگر اتنی گفتگو کے بعد یہ عورت اور زیادہ معمہ بن گئی تھی۔

حمید لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا لیکن اُسے چونکنا پڑا کیونکہ پروفیسر کی حسین ترین بیوی پچھلی نشست پر نیم دراز تھی۔ اُس نے نیم باز آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

حمید اندر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔

کار پھاٹک سے سڑک پر نکل آئی لیکن وہ اسی طرح پچھلی سیٹ پر پڑی رہی۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ البتہ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

دفعتاً بیگم شوخ نے کہا۔ "مجھے کسی ایسی جگہ لے چلئے جہاں چھت نہ ہو۔ دیواریں نہ ہوں۔ درخت نہ ہوں۔ جھاڑیاں نہ ہوں۔ کسی چٹیل میدان میں لے چلئے۔ میں بھی آج امتحان کرنا چاہتی ہوں۔ تنگ آ گئی ہوں اپنی زندگی سے۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں محترمہ۔"

"آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے جو کچھ میں کہہ رہی ہوں کیجئے۔"

"چٹیل میدان میں لے چلوں۔"

"ہاں......جہاں ہم میلوں تک دیکھ سکیں۔ اپنے گردوپیش آسانی سے نظر دوڑا سکیں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔

"آپ نے اس وقت پھر پروفیسر کی توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ بالکل ڈفر ہے۔" حمید نے کہا۔

"دیکھئے آپ میری بھی توہین کر رہے ہیں۔ وہ میرے شوہر ہیں۔"

"اگر وہ میرے شوہر ہوتے تو میں انہیں زہر دے کر بقیہ زندگی بحالت بیوگی گذار دیتا۔"

"نہیں آپ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ خدا کے لئے خاموش رہئے۔"

"تو وہ آپ ہی کا انتخاب ہے۔"

"سو فیصدی۔"

"کیا میں اس انتخاب کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

"اگر کوئی عورت پوچھتی تو بتا دیتی۔"

"مجھے بھی مرد نہ سمجھئے۔"

"اگر آپ ہیں تو ضرور سمجھ جائیں گے۔"

"ہٹائیے یہ ایک فضول بحث ہے۔" حمید نے کہا۔ وہ اپنی کار جھریالی کے میدان کی طرف لے جا رہا تھا۔

"پچھلی رات آپ کے ساتھ وہ دیوزاد کون تھا۔" بیگم شوخ نے پوچھا۔

"آپ ہی کے گرفتاروں میں سے ایک۔"

"آپ نہ جانے کیسے آدمی ہیں۔" وہ بگڑ گئی۔ "شریف اور بازاری عورتوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ کیا گفتگو کا یہی طریقہ ہے۔"

"معاف کیجئے گا۔ آپ سمجھیں نہیں۔ وہ بھی ناصر کے عزیزوں میں سے ہے۔ آج جب اُسے سانپ والا واقعہ معلوم ہوا تو اُسکے دیوتا کوچ کر گئے اب وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہے۔"

"لیکن آپ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔"

"ہم لوگ اگر ایسی باتوں سے متاثر ہونے لگیں تو پورا شہر ایک دن میں فنا ہو جائے۔"

"اوہ...... یہ میدان...... یہ میدان...... بالکل ٹھیک ہے۔" دفعتاً وہ پُر مسرت لہجے میں بولی۔ کار جھریالی کے میدان میں داخل ہو رہی تھی۔

"بس اب روک دیجئے۔" بیگم شوخ نے کہا۔

حمید نے کار روک دی اور بیگم شوخ اس سے پہلے ہی نیچے اتر گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید اُسے متحیرانہ انداز میں گھورتا ہوا نیچے اُتر آیا۔

"میں شیطان کی محبوبہ ہوں۔" وہ آنکھیں بند کئے ہوئے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

"میں جب بھی اُس کا راز ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو مجھ پر کوئی نہ کوئی مصیبت

ٹوٹ پڑتی ہے۔ پچھلی رات والی سوئی ایسی ایک مصیبت تھی۔ اگر کوئی مجھ سے عشق جتانے کی کوشش کرے تو وہ اس بُری طرح ڈرایا جاتا ہے کہ پاگل ہو جاتا ہے۔"

پھر وہ آنکھیں کھول کر ہنسنے لگی لیکن ساتھ ہی خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی بھی جا رہی تھی۔

"لیکن اس وقت مجھ پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی اور تم مجھ سے اظہار محبت کر کے دیکھ لو۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ تو صرف چھیڑ چھاڑ کا رسیا تھا۔

"مم...... میں...... نہیں سمجھا۔" وہ ہانپنے لگا۔

"بس صرف اتنا کہہ دو کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

"اس سے فائدہ۔"

"تجربے کے طور پر...... ورنہ میں ایک شریف عورت ہوں اور ایسی باتوں کو مزاجاً بھی نہیں برداشت کر سکتی...... کہہ دو...... صرف کہنے کی خاطر۔"

"مجھے تم سے محبت ہے۔" حمید خود کو چغد محسوس کرنے لگا۔

بیگم شوخ نے پھر چاروں طرف دیکھا اور بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"اور اگر میں اسی طرح رونا شروع کر دوں تو۔" حمید نے جھینپ کر کہا۔

"میں لوریاں گا کر تمہیں سلا دوں گی۔ آؤ اب واپس چلیں کام ہو گیا۔"

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔

پُراسرار ذرّات

"میں سب کچھ بتا دوں گی۔ اب مجھے اس سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کوئی آدمی ہی ہے۔ انتہائی چالاک اور پُراسرار آدمی۔" مسز شوخ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میرا نام حمید ہے محترمہ۔"

"اب پھر آپ اعلان جنگ کرنے والے ہیں۔" عورت مسکرائی۔ "میں آپ کو مطمئن کردوں گی۔"

اُس نے آگے بڑھ کر گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا اور اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کیا مجھے اب اپنی گاڑی میں میٹر لگانا پڑے گا۔" حمید نے اندر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"کرایہ ادا کردوں۔" وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

حمید کچھ نہیں بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس عورت کو کیا سمجھے۔ لیکن اس کی باتوں کو مجذوب کی بڑ سمجھنے پر بھی تیار نہیں تھا۔

گاڑی کچے راستوں کے جال سے نکل کر پختہ سڑک پر آ گئی تھی۔ مسز شوخ نے کہا۔ "اگر میرے منہ سے سانپ کا بچہ نکلا تھا تو کیا یہ کوئی جرم ہے۔"

"قطعی نہیں.... اگر آپ کے منہ سے ہاتھی کا بچہ نکلے تب بھی قانون کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔"

"اگر میں نے خود ہی اپنی پنڈلی میں ایک سوئی چبھو رکھی تھی تو آپ مجھ پر کون سی فرد جرم عائد کریں گے۔"

"پاگل پن اور آپ جانتی ہیں کہ قانون نے پاگلوں کیلئے جیل میں کوئی جگہ نہیں رکھی۔"

"بس تو پھر میں یہ ضروری نہیں سمجھتی کہ آپ کو حالات سے آگاہ کیا جائے۔ یہ میرے ذاتی معاملات ہیں۔"

"میں آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ مجھے آگاہ کیجئے۔ ناصر کے اعزہ آپ سے سمجھ لیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ نے اُسے کچھ کھلا دیا ہے۔"

"کیا کھلا دیا ہے۔"

"کوئی ایسی زہریلی چیز جس سے دماغ ماؤف ہوجائے۔"

"اس کے لئے انہیں طبی ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔"

"ہٹائیے...... مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"پھر کیوں دوڑے آئے۔"

"غلطی ہوئی تھی۔ آپ صرف ہسٹریا کی مریض ہوسکتی ہیں اور اس کی لئے جواز بھی موجود ہے۔ بوڑھوں کی جوان بیویاں اکثر اس مرض میں مبتلا پائی گئی ہیں۔"

"بکواس ہے......!" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"میں آپ کی باتوں کا بُرا نہیں مان سکتا کیونکہ آپ اس وقت بھی دورے ہی کی حالت میں ہیں۔"

"آپ اپنی زبان بند رکھیں تو بہتر ہے۔"

"نہیں میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتا کیونکہ دورہ شدید نہیں ہے یعنی اگر میں نے اپنی بکواس جاری رکھی تو آپ مجھے نوچنے کھسوٹنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ اس لئے مجھے بکنے دیجئے۔ اب کہاں چلوں...... نیاگرا...... یا کہیں اور۔"

"میں گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔ آپ نے میرا وقت برباد کیا ہے۔"

"پھر آپ کیا کریں گے۔"

"کچھ دیر میں بھی آپ کا وقت برباد کرونگا۔ اگر کہئے تو پروفیسر کا مستقبل بھی برباد کردوں۔"

"آپ سے میں عاجز آ گئی ہوں لیکن کیا آپ دوسرے جملے کی وضاحت کریں گے۔"

"یہی کہ آپ کے چہرے پر تیزاب ڈال دوں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور وہ سہم کر ایک طرف سمٹ گئی۔

حمید پھر بولا۔ "آپ بے حد حسین ہیں اور میں دنیا کی ہر حسین عورت کا چہرہ بگاڑ دینا چاہتا ہوں۔"

"کیوں......؟" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ایک بار ایک بدصورت عورت نے مجھے اس کی استدعا کی تھی۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"یہ نہ میرا قصور ہے اور نہ باتوں کا۔"

عورت تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "مجھے میرے گھر پہنچا دیجیے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں آپ کا وقت برباد کرنے کا عہد کر چکا ہوں۔"

"پھر اگر میرے منہ سے یا آپ کی جیب سے سانپ نکل آئے تو میں نہیں جانتی۔"

"تقریباً تین سو سانپوں کی نگہداشت میرے ذمے ہے۔ لہٰذا میری نظروں میں دو چا
سانپ تو کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ دیکھئے آپ کے گال پر چیونٹی ہے۔"

حمید نے اس کے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

اس نے بُرا سا [illegible]یا لیکن خاموش رہی۔ حمید نے کہا۔ "شاید آپ کو میرے تین
سانپوں پر شبہ ہے۔"

وہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھوں سے خوف مترشح تھا۔

"پچھلی رات والے خطوط کا تذکرہ یاد ہے آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں...... مجھے یاد ہے۔ وہ جس کے ہاتھ لگے ہوں گے.....!"

"میں پھر وہی کہانی سننا نہیں چاہتا۔" حمید نے بیچ ہی سے کاٹ دیا۔

"کاش میں سمجھ سکتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔" عورت نے ایک طویل سانس لی۔

"صرف حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی نامعلوم آدمی مجھے عشقیہ خطوط لکھتا رہتا ہے جن میں وہ اپنے نام کی جگہ شیطا
لکھتا ہے۔ اکثر اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ صرف ایک روح ہے اور دنیا کے ہر آدمی کو
دے سکتا ہے۔"

"اوہ......اب میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن اس وقت تک وہ آپ کو سزا نہ
دے سکا۔"

"نہیں دے سکا......اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ کوئی مافوق الفطرت

نہیں ہے۔"

"آپ نے اس سوئی کے متعلق کیا خیال ظاہر کیا تھا۔"

"یہی کہ وہ کسی مشین کے ذریعہ پھینکی گئی ہوگی۔"

"اُس کے متعلق اب میرا بھی یہی نظریہ ہے۔ ممکن ہے ہم لوگوں کا مل بیٹھنا اُسے گراں گذرا ہو۔"

"مگر منہ سے نکلنے والے سانپ۔" حمید نے سوال کیا۔

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرے حلق سے ہی نکلا تھا۔ ہوسکتا ہے کہیں دوسری طرف سے آیا ہو۔ ناصر گستاخ و بیباک ہو چلا تھا۔ ٹھیک اسی وقت سانپ والا واقعہ پیش آیا۔ کون جانے شیطان کو اُس کی بیباکی گراں گزری ہو۔ مگر......!" عورت خاموش ہوگئی۔

"آپ جملہ پورا کرنا بھول گئی ہیں شاید۔" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"میں سوچتی ہوں اگر کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے تو پھر کیا دن رات میرے پیچھے ہی لگا رہتا ہے۔ اُسے دنیا کا اور کوئی کام نہیں ہے۔"

"عشق بجائے خود ایک بہت بڑا کام ہے۔ کیا آپ نے وہ شعر نہیں سنا۔"

دلوں کو فکر دو عالم سے کردیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

"آپ پھر مضحکہ اڑانے لگے۔" عورت جھلا گئی۔

"میں تو چارہ سازی کر رہا تھا۔ عاشقوں کے چارہ ساز بھی تو ہوتے ہیں۔ اردو شاعری میں اگر نہ ہوں تو عاشقوں کے سامنے گھاس کون ڈالے۔"

"میں گھر جاؤں گی۔"

"تنہائی سے ہمیشہ دور بھاگئے ورنہ آپ کو بھی اُس شیطان سے عشق ہو جائے گا۔"

"مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے اُس شیطان کو پکڑ لیا ہو۔" عورت نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور حمید نے محسوس کرلیا کہ اشارہ خود اُسی کی طرف ہے۔

"جب عاشقوں کی تعداد بڑھ جائے تو چالاک قسم کے عاشق اسکے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔"

"آپ بے شرم ہیں۔" عورت کی آواز غصہ سے کانپ رہی تھی۔

"باشرم عاشق تو کوئی مولوی ہی ہوسکتا ہے۔"

"میں آپ کے خلاف کیس دائر کروں گی۔ آپ اتنے دنوں تک مجھے خواہ مخواہ پریشان کرتے رہے۔"

"عاشقوں کو پھانسی نہیں ہوا کرتی۔"

"آپ بدتمیز ہیں۔ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔"

"آپ کچھ بھی کہیے۔ میرا سایہ آپ کی قبر تک جائے گا۔"

"میں چیخنا شروع کردوں گی۔"

"یہاں دور دور تک آدمیوں کا پتہ نہیں ہے۔ ویسے اگر آپ ان درختوں کو محظوظ چاہتی ہوں تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔"

"کار روک دو۔" عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے کار روک دی۔

"تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" عورت اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"میں کب کہتا ہوں کہ کر سکتا ہوں۔"

"پھر یہ سب کیا ہے۔"

"اس کا جواب وہی آدمی دے سکے گا جو اس وقت پاگل خانے میں ہے۔"

"ناصر......!"

"ہاں وہی......!"

"تمہیں پاگل خانے میں ہونا چاہئے تھا۔" عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مجھے کیوں ہونا چاہئے جبکہ میں ابھی تک نہ تو گستاخ ہوا ہوں اور نہ بیباک۔"

"تم اتنے دنوں تک مجھے خواہ مخواہ ڈراتے اور ستاتے رہے۔ تمہارے لکھے ہوئے خط میں پولیس کے حوالے کردوں گی۔"

"ہوش میں آئیے محترمہ۔ آپ ایک سرکاری آفیسر سے گفتگو کررہی ہیں۔"

عورت کی آنکھوں میں پھر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"تو وہ آدمی آپ نہیں ہیں جو مجھے پریشان کرتا رہا ہے۔"

"پتہ نہیں کس آدمی کی طرف اشارہ ہے آپ کا۔ ویسے پچھلی رات سے شائد میں بھی آپ کو پریشان کررہا ہوں۔"

جہاں کار رکی تھی اُس کے دونوں طرف نشیب تھا اور پھر دور تک جوار کے گھنے کھیتوں کے سلسلے شروع ہوگئے تھے۔

اچانک دونوں اطراف کی ڈھلانوں سے کچھ آدمیوں نے سر ابھارا۔ ساتھ ہی اُن کے ہاتھ بھی اٹھے جن میں ریوالور تھے اور ان کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

حمید اپنا سر سہلانے لگا کیونکہ وہ بالکل نہتا تھا۔

وہ لوگ سڑک پر پہنچ کر کار کو نرغے میں لے چکے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی عورت کا شانہ جھنجھوڑ کر غصیلے لہجے میں بولا۔ "سلیمہ تم نہیں باز آؤ گی۔"

"مم......میں......نن......!" سلیمہ ہکلا کر رہ گئی۔

"ہاں تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں۔ لیکن کیا تم اس تنبیہہ کو مذاق سمجھی تھیں۔"

سلیمہ خاموش رہی۔ اُس آدمی نے پھر کہا۔ "میں تمہیں کسی دوسرے کیساتھ نہیں دیکھ سکتا۔"

"پروفیسر کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید بول پڑا۔

"تم خاموش بیٹھے رہو۔" وہ آدمی گرج کر بولا۔ "میں بہت زیادہ خون بہانے کا عادی نہیں ہوں ورنہ یہاں تمہاری لاش تڑپتی نظر آتی...... سلیمہ میں تم سے گفتگو کررہا ہوں۔"

"میں نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں۔" سلیمہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"میں کوئی بھی ہوں لیکن تمہیں اپنا پابند دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مگ......مگ......مگر......!"

"کسی سرکاری سراغ رساں سے تمہارا گٹھ جوڑ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اگر تم اسے کسی

قابل سمجھتی ہو تو میں تمہیں اس کی موجودگی میں کھینچ لے جاؤں گا۔"

"اچھا اب تم اپنی زبان بند کرو۔" حمید کو غصہ آ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ا
ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے آ لگی۔

"اتار لو اس عورت کو۔" اُس آدمی نے گرج کر کہا اور سلیمہ بڑی بے بسی سے "نہیں نہ
کرنے لگی لیکن اُن لوگوں نے اُسے کھینچ کر اتار ہی لیا۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی اور اس
آنکھیں حمید سے التجا کر رہی تھیں...... اور حمید جو فریدی کا شاگرد تھا سوچ رہا تھا کہ ایسے مو
پر جب اپنے پاس بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہ ہو دلیری دکھانا حماقت ہی ہے۔ ہاں اگر حکمت
کوئی نئی راہ دکھادے تو دوسری بات ہے۔ وہ نہتا تھا اور ان کی تعداد آٹھ تھی اور آٹھ
ریوالوروں کی نالیں اُس کے لئے اپنے فن کا مظاہرہ کر سکتی تھیں لیکن خود حمید اپنا جسم چھلنی کرا
کا دلدادہ نہیں تھا اس لئے وہ نہایت خاموشی سے بیٹھا رہا۔

اگر وہ کار کے باہر ہوتا تو شاید خاموشی اُسے گراں گزرنے لگتی اور وہ کچھ نہ کچھ ض
کر گزرتا مگر اس صورت میں تو کار سے اترتے اترتے وہ دوسری دنیا کا سفر کر سکتا تھا۔

سلیمہ کو زمین پر گرا کر اُس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے۔ منہ میں کپڑا ٹھونسا گیا اور وہ
ایسے خوفزدہ پرندے کی طرح بے بس ہانپتی رہی جو باز کے چنگل میں جا پھنسا ہو۔

حمید کی کنپٹی سے ابھی تک ریوالور کی نال لگی ہوئی تھی۔ دو آدمیوں نے سلیمہ کو اٹھایا
بائیں جانب والے نشیب میں اتر گئے۔

ان کے بعد ہی دوسروں نے بھی اُدھر ہی چھلانگیں لگائیں لیکن وہ آدمی بدستور وہیں ک
رہا جس نے حمید کی کنپٹی سے ریوالور کی نال لگا رکھی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں بس اتنی دیر اور کہ وہ لوگ ایک خاص مقام تک پہنچ جائیں۔"

"یہ عورت واقعی بہت حسین ہے۔" حمید نے کہا۔

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا رہا۔ "اگر تم لوگوں نے اُسے کوئی تکلیف پہنچائی تو خدا تمہیں

غارت کرے گا۔"

وہ آدمی ہنس پڑا اور پھر بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم لوگ ہم لوگوں کو غارت کر دینے
کا ارادہ ظاہر کرو گے۔"

"خدا غارت کرے گا۔"

"اب پولیس والے کو سنے لگے ہیں۔" اُس آدمی نے قہقہہ لگایا۔ ٹھیک اُسی وقت حمید
نے سر پیچھے ہٹا کر اُس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ پھر دو تین جھٹکوں کے بعد حمید نے اُس کا
ریوالور چھین لیا اور وہ آدمی اس سے ہاتھ چھیڑا کر بھاگا جتنی دیر میں وہ کار سے اترتا وہ آدمی
نشیب میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

حمید بھی اُدھر ہی لپکا لیکن پھر وہ جوار کے کھیتوں کو بُرا بھلا کہنے لگا جن میں کھڑی ہوئی
قدِ آدم فصل اُس آدمی کو نگل گئی تھی۔

حمید کافی دیر تک کھیتوں میں بھٹکتا رہا پھر تھک ہار کر واپس آ گیا۔ وہ اب بھی غصیلی
نظروں سے کھیتوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کار اسٹارٹ کی لیکن اب وہ شدید ترین الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا اگر
شوخ کی کوٹھی کے کسی آدمی نے سلیمہ کو اس کی کار میں بیٹھے دیکھ لیا ہوگا تو اُس کے لئے ایک نئی
مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

حالات اُس کی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ شروع سے اب تک کے واقعات کا جائزہ لینے لگا۔
اگر سلیمہ کے بیان کے مطابق اس پراسرار آدمی کو کوئی مافوق الفطرت ہستی سمجھ لیا جائے تو اس
وقت کا واقعہ بے معنی ہو کر رہ جائے گا اور اگر یہ سمجھا جائے کہ سلیمہ کے اس تجربے کے بعد اُس
نے بھی اپنا رویہ بدل دیا تب بھی اس کے مافوق الفطرت ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ
ایسی صورت میں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اسے اس تجربہ کا علم کیسے ہوا؟ اور اس سوال کا
جواب یہی ہونا چاہئے کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے ورنہ اُسے اس تجربے کا علم نہ ہو سکتا
کیونکہ حمید کے خیال کے مطابق کسی نے ان کا تعاقب بھی نہیں کیا تھا۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں گھر تک پہنچ گیا جیسے ہی کمپاؤنڈ میں کار پہنچی اُسے چکر سے آنے ل
کیونکہ برآمدے میں اُسے فریدی دکھائی دیا جو ایک نوکر سے کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ تین دن بعد گھر واپس آیا تھا۔ حمید کار گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ واپسی پر بھی ا
نے فریدی کو برآمدے ہی میں موجود پایا۔

"کیوں؟ کیا قصہ ہے؟" فریدی اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔ "تمہار
چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔"

"کچھ نہیں......!" حمید زبردستی ہنسا۔ "آپ کہاں تھے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اندر جانے کے لئے مڑ گیا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ فریدی کو ا
واقعہ کی اطلاع دے یا نہ دے۔ کافی سوچ بچار کے بعد اُس نے طے کیا کہ اُسے خاموش
رہنا چاہئے۔ ممکن ہے سلیمہ اب تک گھر بھی پہنچ چکی ہو۔ اگر مقصد اس کا اغواء ہوتا تو آج ہی
ضروری تھا۔ یہ کام اس سے پہلے ہی ہو چکا ہوتا۔ ممکن ہے مجرموں نے اُسے وقتی طور
چڑھانے اور اشتعال دلانے کے لئے ایسا کیا ہو۔

وہ اندر آیا۔ یہاں نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی اوپر لیبارٹری میں ہے۔

حمید اوپر چلا گیا۔ تین دن بعد فریدی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے اُسے ما
اسکوپ پر جھکے ہوئے دیکھا۔ حمید کی آہٹ پر وہ چونک پڑا۔ پھر اُس نے حمید کو اشارے
اپنے قریب بلایا۔

"دیکھو......!" اُس نے مائیکرو اسکوپ کے لینس کی طرف اشارہ کیا۔ حمید نے شیشے
آنکھ لگا دی۔ سلائیڈ پر بے شمار چمکدار ذرات نظر آرہے تھے۔

"کیا دیکھا......!"

"پریاں ناچ رہی ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ڈالڈا کے ڈبے ہیں۔ اُررر...... نہیں
میرے خدا...... ان ذرات سے تو شعاعیں سی پھوٹ رہی ہیں۔ نیلی اور بنفشی۔ یہ کیا بلا؟"
حمید نے شیشے سے آنکھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے لئے ایک مصیبت ثابت ہونے والی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"یعنی......!"

"ایک شاندار کیس......!" فریدی کا جواب تھا۔

کھیتوں میں

کیس کا نام سن کر حمید کی جان نکل گئی اور وہ کراہ کر فرش پر بیٹھ گیا۔

"یہ ذرات......!" فریدی کہتا رہا۔ "تار جام کی لوہے کی ایک کان سے برآمد ہوئے ہیں جو لوہے کے ذرات ہرگز نہیں ہو سکتے۔"

"ارے تو یہ کیس ہو گیا۔" حمید نے روتی آواز میں کہا۔

"کیونکہ کان کن کمپنی اسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے حالانکہ اس کی اطلاع حکومت کو ہونی چاہئے...... اور یہ کان کن کمپنی غیر ملکی ہے۔"

"یہ ذرات آپ کو کب اور کہاں ملے؟"

"یہ میرے پاس تقریباً پندرہ دن سے ہیں اور آج میں ان سے دو طرح کی شعاعیں خارج کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"آپ......!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں! کیوں؟ یہ اتنی بڑی تجربہ گاہ آخر کس لئے ہے۔"

"ان ذرات میں پہلے کیا خصوصیت تھی جس نے آپ کو دلچسپی لینے پر مجبور کیا۔"

"ہر ذرے کے گرد فاسفی رنگ کے دائرے سے معلوم ہوتے تھے۔"

"کاش وہ دائرے میرے لئے پھانسی کا پھندا بن جاتے مگر یہ آپ کے ہاتھ کیسے لگے۔"

"کمپنی کے ایک محب وطن دیسی ڈائریکٹر نے مجھے اطلاع دی تھی۔ پھر میں نے اپنے طور

پر یہ ذرات حاصل کرنے چونکہ اس ڈائریکٹر کو علم الارض سے دلچسپی ہے۔ اس لئے اس کی
اس طرف مبذول ہوگئی۔ دوسرے دیسی ڈائریکٹروں کو اس کا علم نہیں ہے۔"

"خدا اس دیسی ڈائریکٹر کی دس شادیاں کرادے تاکہ اُسے علم البقر کے علاوہ کسی اور
سے دلچسپی نہ رہ جائے۔"

فریدی ہنسنے لگا اور حمید بولا۔ "تو یہ ذرات مصیبت کیوں بنیں گے۔ کان کنی رکوائی بھی
جاسکتی ہے۔"

"آسانی سے نہیں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "پہلے تحقیقات ہوگی اگر یہ ثابت ہوگیا تو
کارروائی کی جاسکے گی ورنہ نہیں۔ لیکن اتنی دیر میں وہ لوگ حاصل کئے ہوئے ذخیرے کو باہر
بھیجنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

"تو ذخیرے ہی پر کیوں نہ قبضہ کرلیا جائے۔"

"یہ تو مصیبت ہے کہ وہ جگہ ابھی تاریکی میں ہے جہاں اُن لوگوں نے اسکا ذخیرہ کیا ہے۔"

"کیا پتہ ذخیرہ یہاں سے منتقل بھی کیا جاچکا ہو۔"

"نہیں...... ابھی کوئی تدبیر ان کی سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"ذخیرے کا علم آپ کو کیسے ہوا۔"

"یہ بھی اُسی دیسی ڈائریکٹر کی اطلاع ہے۔ اُس نے غیر ملکی ڈائریکٹروں کو اس مسئلے
گفتگو کرتے سنا تھا۔"

"غالباً چھپ کر سنا ہوگا۔"

"یقیناً......!"

"دوسروں کی باتیں چھپ کر سننا اور پھر اُسے ادھر اُدھر کہتے پھرنا بہت بڑا گناہ ہے
کبھی معاف نہیں ہوتا۔"

"اور ہم پرانے گناہ گار ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"میں تائب ہوجانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی پھر ذرات کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔

"آپ نارجام ہی میں تھے۔"

"ہاں...... اور کل پھر جاؤں گا۔ مگر تنہا نہیں تم بھی میرے ساتھ ہوگے۔"

"نارجام بڑی خشک جگہ ہے۔"

"نہیں اب وہاں کے ہوٹلوں میں بھی لڑکیاں نظر آنے لگی ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے
میں کہا۔

"شکر ہے کہ ان پر آپ کی نظر تو پڑی۔"

"بس اب دفع ہوجاؤ۔ ورنہ یہ لیبارٹری اندر سبھا بن کر رہ جائے گی۔"

"آپ کا مقدر ہی بنجر ہے۔ کوئی کیا کرے؟" حمید نے کہا اور لیبارٹری سے چلا آیا۔

پھر بقیہ وقت سکون سے گذرا۔ نہ فریدی نے اُسے طلب کیا اور نہ حمید کو یہی معلوم ہوسکا
کہ وہ گھر کے کس حصے میں کیا کررہا ہے۔

رات بھی چین سے گزری۔ یعنی طلب کر کے کسی مسئلے پر بحث نہیں کی گئی۔ ہر ایسے موقع
پر جب فریدی کے ہاتھ میں کوئی کیس ہوتا تھا حمید خود ہی اس سے کترانے لگتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ
آج کل وہ ذہنی جمناسٹک سے ذرا دور بھاگنے لگا تھا۔ البتہ ان کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتا
تھا جن میں صرف جسمانی انرجی صرف ہوتی ہو۔

دوسری صبح وہ دیر سے اٹھا تھا۔ فریدی ناشتہ کرچکا تھا۔ حمید ناشتہ کرہی رہا تھا کہ ایک نوکر
نے آکر اطلاع دی کہ فریدی نے اُسے ڈرائینگ روم میں طلب کیا ہے۔ اس نے جلدی جلدی
ناشتہ ختم کیا۔

لیکن ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی اس کا دم نکل گیا کیونکہ سامنے ہی پروفیسر شوخ
براجمان تھا اور بہت غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

"جی ہاں...... یہی حضرت ہیں۔" وہ حمید کو دیکھتے ہی اچھل کر دہاڑا۔ پھر حمید کو للکارا۔

"سلیمہ کہاں ہے؟"

"میں کیا جانوں۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔" حمید نے خود پر قابو پانے کی کوشش کر
ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"آپ اُسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعد سے وہ گھر واپس نہیں آئی۔"

"میں نہیں لے گیا تھا بلکہ وہ خود گئی تھیں۔"

"وہ کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے جیمس اسٹریٹ میں اتار دینا۔"

"پھر......؟"

"پھر کیا...... میں نے انہیں جیمس اسٹریٹ میں اتار دیا۔"

"آپ میرے یہاں آئے ہی کیوں تھے۔" پروفیسر چنگھاڑا۔

"انہوں نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں اُن کا کھویا ہوا پرس تلاش کرنے میں مدد دو

"یہ قطعی بکواس ہے۔ سلیمہ نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا جب کہ میں اُسے خاموش رہنے کا
دے چکا تھا۔"

"لیکن وہ خاموش نہیں رہیں۔" حمید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ اگر وہ شام تک واپس نہ آئی تو میں آپ کے خلاف
کارروائی کردوں گا۔"

"آپ میرے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتے۔" حمید کو بھی غصہ آگیا۔

"آپ ایک آوارہ آدمی ہیں۔ میں آپ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"اب آپ اپنی زبان بند رکھیں گے۔"

"دھاندلی نہیں چلے گی۔" پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "قانون سب کے لئے یکساں
خواہ وہ کوئی پولیس آفیسر ہو، خواہ کوئی عام شہری۔"

"ٹھیک ہے پروفیسر۔" یک بیک فریدی نے کہا۔ "لیکن کیا وہ اکثر راتوں کو آپ
علم میں لائے بغیر گھر سے باہر رہتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

"ابھی تو میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ کہنے نہ کہنے کا دارومدار میرے اس سوال پر ہے۔"

"ہاں...... اکثر وہ رات کو باہر ہی رہ جاتی ہے۔"

"آپ کو اطلاع دیئے بغیر ہی۔"

"نہیں...... وہ مجھے فون پر اطلاع دیا کرتی ہے یا کہہ کر جاتی ہے۔"

"کل دونوں ہی باتیں نہیں ہوئیں۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں کل نہ تو وہ مجھے بتا کر گئی اور نہ ہی فون پر اطلاع دی۔"

"پھر بھی آپ نے رات کسی تشویش کے بغیر گذاری۔"

"میں رات بھر سو نہیں سکا۔ جہاں جہاں اس کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ فون
کیے لیکن کہیں سے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔"

"لیکن آپ نے کیپٹن حمید کو فون نہیں کیا۔"

"یہ تو مجھے آج صبح معلوم ہوا کہ وہ ان حضرت کے ساتھ گئی تھی۔ ایک ایسے نوکر نے
انہیں جاتے دیکھا تھا جو صرف دن کے لئے ہے۔ رات اپنے گھر پر بسر کرتا ہے۔"

"آپ اُس وقت کہاں تھے جب یہ دونوں گئے تھے۔"

"میں اندر تھا۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "اچھی بات ہے پروفیسر اگر مزید دو گھنٹے
تک مزید ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے تو مجھے فون کیجئے گا۔"

"ضرور کروں گا۔" پروفیسر حمید کو گھورتا ہوا تلخ لہجے میں بولا۔ "اب میں سب سے پہلے
اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کراؤں گا۔"

"میں ابھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" فریدی بولا۔

"کیا میں آپ کے مشورے کا پابند ہوں۔" پروفیسر نے جھلا کر کہا۔

"جاؤ درج کرادو رپورٹ۔" حمید ہاتھ ہلا کر غرایا۔ "بس اب چلے ہی جاؤ ورنہ اٹھا کر

کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔"

"دھمکی...... اچھا اچھا دیکھ لوں گا۔" پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی نے حمید کو ڈانٹا اور پروفیسر سے کہا۔ "پروفیسر! مجھے افسوس ہے کہ آپ اس سل‍ میں میرے اسسٹنٹ کا نام لے رہے ہیں۔ لہٰذا میں کوشش کروں گا۔"

"وہ تو کرنی ہی پڑے گی۔" پروفیسر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید اُسے پھاٹک سے گذرتے دیکھتا رہا۔

پھر وہ فریدی کی طرف مڑا جو اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"یہ بھی ایک کیس ہی ہے کرنل صاحب۔" حمید دل کڑا کر کے بولا۔ "میں نے ا جیمس اسٹریٹ میں نہیں اتارا تھا بلکہ جھریالی کے میدان میں لے گیا تھا اور پھر جوار کے کھ اُسے نگل گئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کو متواتر گھورے جا رہا تھا۔ لہٰذا حمید نے اسی میں عافیت کہ جلد از جلد اُسے حالات سے آگاہ کر دے۔

فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا اور اب اُس کے چہرے پر غصے کے آثا نہیں تھے۔

"تم نے مجھے کل ہی کیوں نہیں بتایا تھا" اس نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا تھا کہ وہ گھر پہنچ گئی ہوگی۔ اُن لوگوں نے مجھے تاؤ دلانے کیلئے ایسا کیا ہے۔"

"بڑی دلچسپ کہانی ہے بشرطیکہ تم نے غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو۔"

"اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔" حمید بولا۔ "کیا پہلے کبھی میں نے آپ جھوٹ بولنے کی کوشش کی ہے۔ تفریحی معاملات کی بات الگ ہے۔"

"اچھا تو اٹھو۔ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ واقعہ پیش آیا تھا۔"

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ حمید نے کہا۔ "یہ پروفیسر ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔"

"شوہروں سے زیادہ بیویوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔" فریدی بولا۔

"تب تو پھر یہ معاملہ آپ سے نہیں سنبھلے گا۔"

"کیوں؟"

"ممکن ہے آپ شوہروں کے متعلق کچھ جانتے ہوں...... لیکن بیویوں!"

"میں دونوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"حالانکہ یہ صرف شوہر اور بیوی کا کیس معلوم ہوتا ہے۔"

"ممکن ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

کار شہری آبادی کو پیچھے چھوڑنے لگی۔ وہ جھریالی کی طرف جا رہے تھے اور حمید کا ذہن سلیمہ میں الجھا ہوا تھا۔ وہ پُراسرار عورت...... شیطان کی محبوبہ...... اس کے مقابلے میں وہ آدمی اُسے بے وقعت معلوم ہو رہے تھے جو اُسے اٹھا کر لے گئے تھے۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ "وہ رپورٹ درج کرا دینے کی دھمکی دے کر گیا ہے۔"

"دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ میرا بیان پہلے ہی سے تیار ہے۔ میں نے اُسے جیمس اسٹریٹ میں اسی کے کہنے پر اتار دیا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ اچانک خود ہی ظاہر ہو کر کوئی نئی کہانی سنائے تو تم کہاں پائے جاؤ گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ کہے کہ اس اغواء میں تمہارا ہی ہاتھ تھا۔"

"اگر وہ یہ کہہ دے تو مجھے دنیا کی ساری حسین عورتوں کو گولی مار دینی پڑے گی۔ نہیں وہ ایک مظلوم عورت ہے۔ ایک بوڑھے کی نوجوان بیوی اور بیرونی عشاق کی زبردستیوں کا شکار۔"

"تم اس پیشے سے علیحدگی اختیار کر کے کوئی اور دھندہ دیکھو تو بہتر ہے۔"

"کیوں...... بس نہیں...... یہیں روک دیجئے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ہم کچھ آگے بڑھ آئے ہیں۔"

"یادداشت دھوکا تو نہیں دے رہی ہے۔"

"نہیں......ہم تقریباً دوسو گز آگے آگئے ہیں۔"

کار رک چکی تھی۔ وہ دونوں اُتر گئے۔

"ہاں یہ جگہ ایسے کاموں کے لئے بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔" فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ اس جگہ آئے جہاں حمید کو تلخ تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ حمید نے وہ سمت بتائی جدھر وہ لوگ سلیمہ کو لے کر گئے تھے۔

فریدی نشیب میں اُتر گیا لیکن حمید اوپر سڑک ہی پر کھڑا رہا۔ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ کھیتوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہوا تیز تھی اور جوار کے کھیتوں کی کھڑکھڑاہٹ سے فضا گونجی، حمید نے فریدی کو زمین سے کوئی چیز اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔ شاید وہ کپڑے کا ٹکڑا تھا فریدی نے جوار کے پودوں کے درمیان سے کھینچ کر نکالا تھا۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ فریدی نے بھی اُسے اپنے پاس نہیں بلایا۔ اچانک حمید کو بائیں جانب والے نشیب میں کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ اُدھر جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اگر وہ خود کو سڑک پر گرا نہ دیتا تو کھوپڑی صاف ہوگئی تھی۔ دوسری طرف کے نشیب میں آدمی تھے اور اُن میں سے ایک نے فائر کر دیا تھا۔ حمید نے بھی ریوالور نکال کر ایک ہوائی فائر کیا کیونکہ وہ لوگ ابھی نشیب ہی میں تھے۔ فریدی شائد پہلے ہی فائر پر دوڑ پڑا تھا۔ وہ بھی حمید ہی کی طرح سڑک پر گر کر دوسرے کنارے کی طرف رینگنے لگا۔

"ہوشیاری سے۔" وہ بڑبڑایا۔ "وہ لوگ یقینی طور پر کھیتوں میں جا گھسے ہوں گے۔ درخت کے تنے کی آڑ لینے کی کوشش کرو۔ یہی مناسب ہے۔"

"اگر اِدھر سے بھی ہوا تو۔" حمید نے دوسری طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "تم اُدھر جاؤ...... میں اُدھر دیکھتا ہوں۔"

سڑک کے کناروں پر دورویہ بڑے بڑے تناور درخت تھے۔ دونوں درختوں کے تنوں کی اوٹ میں ہوگئے لیکن وہ اب بھی سینے کے بل زمین ہی پر پڑے ہوئے تھے اور یہاں سے وہ کھیتوں کو بخوبی نظر میں رکھ سکتے تھے۔ ساتھ ہی وہ سڑک کی بھی نگرانی کر رہے تھے۔

فریدی نے کھیتوں کی طرف دو فائر کئے۔ اُدھر سے بھی جواب میں فائر ہوئے جدھر حمید تھا اُدھر سکون ہی رہا۔

تقریباً پندرہ منٹ تک دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

"ارے یہ دعوت ختم ہوئی یا نہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ "سڑک چھاتی سے چمٹی جا رہی ہے۔"

"گاڑی کی طرف جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"اسی طرح لیٹے لیٹے۔"

"ہاں......!"

"ارے باپ رے۔"

حمید کسی نہ کسی طرح گاڑی تک پہنچا اور اُسے اسٹارٹ کر کے وہاں لے آیا جہاں فریدی درخت کے تنے کی اوٹ میں پڑا ہوا تھا۔

وہ بھی کار میں آبیٹھا اور کار چل پڑی۔

"اب......!" حمید نے سوالیہ انداز میں کہا اور خاموش ہوگیا۔

"تو یہ عورت خطرناک آدمیوں کے ہاتھ میں پڑی ہے۔" فریدی بولا۔

"اور شاید وہ کھیتوں ہی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"عورت......!" فریدی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ہائیں...... ہائیں...... یہ کیا...... آپ کو نمونیہ ہوجائے گا۔"

"میں تمہیں سینکڑوں بار سمجھا چکا ہوں کہ عورت کا چکر بُرا ہے۔"

"واقعی بُرا ہے اگر اُسی عورت نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا تو جلتی ہوئی سڑکوں پر سینے کے بل نہ پڑا رہتا مگر آپ نے اس فائرنگ کے متعلق اظہار خیال نہیں کیا۔"

"وہ پاگل پن کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ اس عورت سے زیادہ تم دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"مجھ میں کیوں؟"

"پتہ نہیں...... ورنہ اس طرح فائرنگ کر کے بھاگ جانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔"

"مگران کے خلاف آپ کیا کریں گے۔"

"تم شاید یہ چاہتے تھے کہ میں کھیتوں میں جا گھستا۔"

"میرا دل تو یہی چاہتا تھا۔"

"ایسے افعال کا دوسرا نام خودکشی ہے۔"

پروفیسر کا شبہ

تین دن سے سلیمہ کی تلاش اعلیٰ پیمانے پر جاری تھی لیکن اس کا سراغ ابھی تک نہیں ملا تھا۔ پروفیسر نے باقاعدہ طور پر اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی تھی جس میں کیپٹن حمید کا نام واضح طور پر لیا گیا تھا۔ فریدی نے ان کھیتوں کو چھنوا ڈالا لیکن حملہ آوروں کا پتہ نہیں چل سکا۔ یہ حمید کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کھیتوں میں کسے تلاش کیا گیا تھا کیونکہ حمید اب تک اپنے پچھلے ہی بیان پر قائم تھا کہ اس نے سلیمہ کو جیمس اسٹریٹ میں اتار دیا تھا۔

فریدی کی دوڑ دونوں طرف جاری تھی اگر صبح تارجام میں ہوتی تو شام شہر میں۔ حمید بھی دن بھر سرگرداں رہتا کیونکہ اب پروفیسر شوخ نے اُس پر گرجنے برسنے کی بجائے رونا گڑگڑانا شروع کردیا تھا۔ حمید کی دانست میں وہ سلیمہ سے بے حد محبت کرتا تھا۔

"میں اُس کے بغیر مرجاؤں گا کیپٹن۔" وہ حمید سے کہہ رہا تھا۔

"تو آخر آپ کتنے دن زندہ رہو گے۔ یونہی عمر کافی ہوئی۔ ہوسکتا ہے سلیمہ کی گمشدگی

تمہاری موت کا بہانہ بن جائے۔"

"تم سنگدل ہو۔" بوڑھے پروفیسر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں اُس کا بھتیجا داؤد آ گیا جو پہیوں والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے ایک پیر پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ حمید نے اُسے آج پہلی ہی بار دیکھا تھا۔

داؤد اچھے ہاتھ پاؤں کا ایک لمبا تڑنگا جوان تھا۔ دل کا مضبوط بھی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اُسکے چہرے پر حمید کو اضمحلال نہیں نظر آیا تھا۔ حالانکہ اُسکی ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اُسے تو بستر سے ہلنا بھی نہ چاہئے تھا مگر وہ پہیوں والی کرسی پر بیٹھا عمارت میں گھومتا پھر رہا تھا۔

"آپ کی تعریف انکل۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر پروفیسر سے کہا۔

"محکمہ سراغ رسانی کے کیپٹن حمید۔"

"اوہ تو آپ ہی ہیں۔" داؤد حمید کو نیچے سے اوپر تک گھور رہا تھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ داؤد کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں جناب! آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔" اُس نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"جب تک خدا چاہے گا۔"

"یا آپ چاہیں گے۔"

"آپ مجھ پر اس قسم کا کوئی الزام نہیں رکھ سکتے مسٹر داؤد۔ کوئی بات زبان سے نکالنے سے پہلے اس پر غور کرلیا کیجئے۔"

"داؤد بیکار باتیں نہ کرو۔" پروفیسر اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"بس کیا بتاؤں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوں ورنہ ایک ایک سے سمجھ لیتا۔" داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا اشارہ میری طرف ہے۔" حمید کو بھی غصہ آ گیا۔ "اچھی بات ہے۔ میں آپ کے صحت یاب ہوجانے کا انتظار کروں گا۔"

"داؤد...... خدا کے لئے۔" پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جاؤ تم آرام کرو۔"

داؤد نے کرسی موڑی اور پہیوں کو پھراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

''تم کچھ خیال نہ کرنا کیپٹن۔'' پروفیسر نے حمید سے کہا۔ ''یہ لڑکا بہت اکھڑ ہے۔''

''میں اکھڑ ترین ہوں۔''

''کیپٹن پلیز......!''

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''آخر تم کسی کے خلاف شبہ کیوں ظاہر نہیں کرتے۔ اس کے بغیر سراغ ملنا مشکل ہے۔ مجھے دو چار ایسے نام لکھوا دو جن پر تمہیں شبہ ہو۔''

''میں شبہ کس پر ظاہر کروں جبکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ جیمس اسٹریٹ کیوں گئی تھی۔''

''کیا وہاں کوئی شناسا نہیں رہتا۔'' حمید نے کہا۔

''میرا کوئی شناسا نہیں رہتا۔'' پروفیسر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہوسکتا ہے اس کا ہو لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔''

اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا جیسے وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آؤ......آؤ......میرے ساتھ۔'' پروفیسر اس کا ہاتھ پکڑ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔ اُسے ایک طرف لے جا رہا تھا۔ پھر انہوں نے بالائی منزل کے لئے زینے طے کئے اور اوپر پروفیسر اسے ایک کمرے میں لے گیا۔ دروازہ بند کردینے کے بعد وہ حمید کی طرف مڑا۔

''شبہ ظاہر کردوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''یقیناً......اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔''

''مجھے داؤد پر شبہ ہے۔'' پروفیسر نے بہت آہستہ سے کہا۔

''کمال ہے۔ کل تک آپ کو مجھ پر بھی شبہ تھا۔''

''شبے کی وجہ ہے کیپٹن......داؤد بے ایمان اور غاصب ہے۔ میں نظریں پہچانتا ہوں۔ وہ سلیمہ کو ان نظروں سے نہیں دیکھتا تھا جن سے چچی کو دیکھنا چاہئے۔''

''ہوسکتا ہے......ممکن ہے......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن وہ تو چل پھر نہیں سکتا۔''

''مجھے اس پر بھی شبہ ہے۔''

''کیوں......؟''

''میں اُسے ڈریسنگ ہوجانے کے بعد ہی دیکھ سکا تھا اور پھر میری عدم موجودگی میں پلاسٹر بھی چڑھا دیا گیا۔''

''جب وہ گرا ہوگا تو کوئی نہ کوئی عمارت میں ضرور موجود رہا ہوگا۔''

''تین نوکر تھے لیکن کسی نے بھی اُسے گرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ صرف اس کی چیخیں سن کر دوڑے تھے۔ وہ زینوں کے نیچے پڑا تڑپ رہا تھا حالانکہ اُسے بیہوش ہوجانا چاہئے تھا۔ پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی تھی کیپٹن......مذاق نہیں ہے۔ میں نے بڑے بڑے پہلوانوں کو بیہوش ہوتے دیکھا ہے۔ داؤد کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے ابھی اُسے دیکھا تو تھا۔ کیا اُس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کے کسی حصے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔''

''یہ تو کوئی بات نہیں۔ ایسے بہتیرے آدمی میری نظر سے گذرے ہیں جو سینے پر گولی کھانے کے بعد بھی اُس وقت تک مسکراتے رہے ہیں جب تک کہ مر ہی نہیں گئے۔''

''آپ نے شبہ ظاہر کرنے کے لئے کہا تھا۔'' پروفیسر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں نے ظاہر کردیا۔ اب دیکھنا ہے کہ آپ کیا کرتے ہیں۔''

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پروفیسر نے اُسے ٹوکا۔

''کیوں آپ کیا سوچنے لگے۔''

''کچھ نہیں داؤد ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ آپ صرف نظریں ہی پہچانتے ہیں یا آپ کی نظروں سے آج سے کوئی قابل اعتراض بات بھی گذری ہے۔''

''بس حد ہوگئی۔ اب میں اور زیادہ ذلیل نہیں ہونا چاہتا۔'' پروفیسر دروازے کیطرف بڑھا۔

''ٹھہرو پروفیسر......!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کیا ہے۔'' پروفیسر اس کی طرف مڑے بغیر بولا۔

''مجھے اُس ڈاکٹر کا نام اور پتہ چاہئے جس نے داؤد کو دیکھا تھا۔''

''ڈاکٹر زیدی......پارک اسٹریٹ......وہ بھی کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔'' پروفیسر نے

حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ''صورت ہی سے اوباش معلوم ہوتا ہے۔''

''اچھا میں اسے چیک کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے چلا آیا۔ وہ پروفیسر کے شبے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے بھی داؤد کو دیکھا تھا اور اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی۔

اُس کی موٹر سائیکل پارک اسٹریٹ میں داخل ہوئی اور پھر ڈاکٹر زیدی کے مطب کے سامنے رک گئی۔ اندر ڈاکٹر کی میز پر جو شخص نظر آیا اُسے حمید شہر کی اچھی تفریح گاہوں میں بار دیکھ چکا تھا اور وہ اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کا نام اُسے آج ہی معلوم ہوا۔ پہلے وہ کرتا تھا کہ وہ شہر کا کوئی اوباش رئیس ہے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کس طرح چیک کرے کہ اچانک اس کی نظر دوسری طرف کے ریستوران کی کھڑکی کی جانب اٹھ گئی اور اُس نے وہاں جو کچھ بھی دیکھا اس کیلئے کافی سنسنی خیز وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی کی آنکھوں میں بھی حیرت ہی دیکھے۔ اُس نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی اور ریستوران میں گھستا چلا گیا۔ فریدی میز پر تنہا ہی تھا۔

''کیوں......؟'' فریدی نے سوال کیا۔ حمید بیٹھ چکا تھا۔

''آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا میں کوئی لڑکی ہوں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''اُس سے بھی بدتر۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

''میں ڈاکٹر زیدی کو ایک معاملے میں چیک کرنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کس معاملے میں۔'' فریدی آگے جھک آیا۔

''اُس نے داؤد کے ٹوٹے ہوئے پیر پر پلاسٹر چڑھایا تھا۔''

''پھر......!''

''مجھے شبہ ہے کہ داؤد کا پیر سرے سے ٹوٹا ہی نہیں تھا۔''

''آخر کس بناء پر۔''

''خود پروفیسر نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے۔''

''خوب......اس کی کہانی کیا ہے۔''

پروفیسر نے جو کچھ بھی کہا تھا حمید نے دہرا دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ''یہ چیز بھی دلچسپ ہے۔''

''آپ یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں۔''

''تمہارا منتظر تھا۔'' فریدی مسکرایا۔ ''مجھے فرشتوں سے اطلاع ملی تھی کہ تم اس وقت ادھر آؤ گے۔''

''سراغ رسانی سے عشق حقیقی تک۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''عشق مجازی اپنے حصے میں آیا ہے۔ بر میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا کہ آپ یہاں اپنی موجودگی کی وجہ بتائیے۔''

''لو بھئی میں جا رہا ہوں لیکن زیدی سے کسی قسم کی گفت وشنید مت کرنا۔ اس پر صرف نظر رکھو۔ سائے کی طرح اس کا تعاقب کرو۔ اس کے خلاف نہ ہو۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر ریستوران سے نکل گیا۔ حمید بیٹھا پلکیں جھپکاتا رہ گیا۔

اُسے وہاں تقریباً ڈھائی بجے تک بیٹھنا پڑا......اور جب ڈاکٹر زیدی اپنی کار میں بیٹھ چکا وہ بھی ریستوران سے نکلا۔

کچھ دیر بعد وہ اسکی کار کا تعاقب کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ بُرے پھنسے۔ سے صرف تعاقب کرتے رہنے سے اختلاج ہونے لگتا تھا اور اس وقت تو اختلاج کے علاوہ یدی کے رویہ سے پیدا ہو جانے والی الجھن بھی تھی۔ آخر وہ ڈاکٹر زیدی تک کیسے پہنچا جب لہ اس نے نہ تو داؤد کو دیکھا تھا اور نہ پروفیسر ہی سے ملا تھا۔ اسکی دانست میں وہ دونوں صرف ب ہی بار ملے تھے۔ اسی دن جب پروفیسر اس پر سلیمہ کے اغواء کا شبہ ظاہر کرنے کیلئے آیا تھا۔

کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور حمید جھک مارتا رہا۔ اُسے توقع تھی کہ ڈاکٹر زیدی طب سے اٹھ کر اپنی قیام گاہ پر جائے گا اور اسے اس تعاقب سے جلد ہی نجات مل جائے گی۔ ر ایسا نہ ہوا۔ وہ اس کے بجائے ہائی سرکل نائٹ کلب میں جا گھسا۔

ڈائننگ ہال میں برائے نام آدمی تھے۔ ڈاکٹر زیدی نے لنچ طلب کیا۔

اب تو حمید کو بیٹھنا ہی تھا لہٰذا اسے بھی لنچ ہی طلب کرنا پڑا۔ بلکہ وہ تو سوچ رہا تھا کہ
رات کا کھانا بھی یہیں نہ کھانا پڑے۔

ہال کا ماحول اس وقت انتہائی درجہ خشک تھا کیونکہ کہیں بھی کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا
جسے دیکھ کر حمید دن بھر کی ذہنی تھکن دور کر سکتا۔

وہ خاموشی سے نوالے حلق سے اتارتا رہا۔ ڈاکٹر زیدی بھی کچھ تھکا تھکا سا نظر آ رہا
تھا۔ ایک آدھ بار اس نے حمید کی طرف دیکھا بھی، مگر بالکل اسی انداز میں جیسے ہال کے
دوسرے لوگ ایک دوسرے کو بے تعلقی سے دیکھ لیتے تھے۔

لنچ ختم کر چکنے کے بعد ڈاکٹر زیدی لاؤنج میں چلا گیا۔ لیکن حمید نے اٹھنا مناسب نہ
سمجھا۔ وہ چونکہ اسے دیکھ چکا تھا اس لئے احتیاط لازمی تھی۔ اگر اس اغواء میں حقیقتاً اسی کا ہاتھ
تھا تو حمید کو سر پر مسلط دیکھ کر اسے شبہ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ اٹھ کر منیجر کے کمرے میں آیا لیکن وہ بھی موجود نہیں تھا۔ اس کمرے کی دوسری طرف
میں ایک دوسرا کمرہ تھا جہاں منیجر آرام کیا کرتا تھا۔ حمید نے اس کا پردہ سرکایا لیکن وہ بھی خالی
تھا۔ خالی مسہری دیکھ کر حمید انگڑائیاں لینے لگا۔ وہ بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر
جوتوں سمیت بھی اس مسہری پر سوتا ہوا پایا گیا تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

وہ اطمینان سے جا لیٹا۔ سونے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ تو صرف تھکن دور کرنا چاہتا تھا اور
بھی سوچ رہا تھا کہ اگر منیجر آ گیا تو کچھ دیر اسے بھی بور کرے گا۔

دفعتاً اُسے منیجر کے آفس میں قدموں کی چاپ سنائی دی لیکن وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ پھر
ایسی آواز آئی جیسے فون پر نمبر ڈائیل کئے جا رہے ہوں۔

پھر کوئی آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ''ہیلو...... کون...... اچھا...... ہاں دیکھو...... ابھی
حمید یہاں دکھائی دیا تھا...... میں ہائی سرکل سے بول رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ
تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا یا پہلے ہی سے موجود تھا۔ خیر دیکھو یہ بھی معلوم ہو جائے گا؟
میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

پھر ریسیور رکھنے کی آواز آئی اور فون کرنے والے کی واپسی سے حمید لاعلم نہیں رہا۔ وہ
جا چکا تھا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس نے ڈاکٹر زیدی کی آواز صاف پہچانی تھی۔ رہے
سہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو گئے۔ وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ ڈاکٹر زیدی ہوشیار ہو گیا تھا
لہٰذا اب اس اسٹیج پر اس سے دور ہی رہنا بہتر تھا۔

کچھ دیر بعد منیجر نے دروازے کا پردہ ہٹایا اور حمید کو وہاں دیکھ کر متحیر رہ گیا گو کہ حمید اس
سے انتہائی درجہ بے تکلف تھا لیکن اس طرح اس کے کمرے میں آنے کا پہلا اتفاق تھا۔

''اس وقت مجھے کامل رشید کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔'' حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ ''آؤ......
آؤ...... مری جان...... وہ شعر ہے کہ طبیعت پھڑک اٹھے گی۔''

مجھ کو سکتہ سا اُن کو حیرت سی
آئینہ بن گئی ہے یکجائی

منیجر سر پیٹنے لگا۔ ''واہ...... کیا شعر ہے...... ہے ہے...... آئینہ بن گئی ہے یکجائی۔ حمید
صاحب خدا آپ کا بھلا کرے...... ساری کوفت دور ہو گئی...... لیٹے رہیے...... لیٹے رہیے۔''

''کس کوفت میں مبتلا تھے۔''

''کیا عرض کروں جناب۔ شریف آدمیوں کو زندہ ہی نہ رہنا چاہئے۔''

''کیا ہوا مجھے بتاؤ۔ کسی لڑکی نے پریشان کیا ہے!''

''لڑکی......!'' منیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''نہیں جناب! میں کلب کے بعض
مستقل ممبروں سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''ان میں یہ خاکسار تو نہیں ہے۔''

''نہیں جناب۔ آپ پر تو پیار بھی آتا ہے۔'' منیجر مسکرایا۔ ''لیکن اُن لوگوں پر صرف غصہ
آتا ہے۔''

''آخر بات کیا ہے۔ کیا انہوں نے تمہاری محبوباؤں کو چھیڑنا شروع کر دیا ہے۔''

''نہیں بلکہ وہ کلب کا ریپوٹیشن برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب مثال کے طور پر

ڈاکٹر زیدی ہی کو لے لیجئے۔"

"اوہ......!" حمید سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن منیجر نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ دیوار
لگے ہوئے ایک تصویری فریم کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "وہ حضرت
آدمیوں کو اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کی صحبت کوئی شریف آدمی پسند نہیں کر سکتا۔"

"وہ کیسے آدمی ہوتے ہیں۔"

"چھٹے ہوئے بدمعاش لفنگے...... جنہیں آپ منہ لگانا بھی پسند نہیں کر سکتے۔"

"کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔"

"کیوں نہیں...... ان میں سے ایک سمگلر ہے کئی بار بحری پولیس کی گولیوں سے زخمی ہو
چکا ہے۔ مگر چونکہ بڑے آدمیوں کی سرپرستی اُسے حاصل ہے۔ اسلئے ہمیشہ آزاد ہو جاتا ہے۔"

"کون ہے...... نام بتاؤ۔"

"پہلے لوگ اُسے راجو راجو پکارتے تھے مگر اب چند برسوں سے الفریڈ راج کہلانے لگا ہے۔"

"اوہ...... اچھا...... وہ جو برٹرام روڈ پر رہتا ہے۔"

"جی ہاں...... وہی...... وہی......!"

"تمہیں حق حاصل ہے کہ تم ڈاکٹر زیدی کو کلب کی رکنیت سے خارج کر دو۔"

"مگر ٹھکانہ کہاں ہوگا میرا۔ میں غنڈوں سے بہت ڈرتا ہوں...... غنڈوں سے نہیں!
بے عزتی سے۔"

"کس کی مجال ہے کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔" حمید بولا۔

"آپ کی ذات سے یہی توقع ہے آپ سے زیادہ میرا کون ہمدرد ہوگا۔"

"مگر ٹھہرو...... چند دن اور ٹھہر جاؤ۔ اپنی زبان بالکل بند رکھو۔ میں ایک ضروری کام
سے فرصت پا کر اُن لوگوں سے نپٹ لوں گا جب تک میں مشغول ہوں طرح دیتے رہو۔"

"بہت بہتر جناب...... آپ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے اگر انہیں
معلوم ہو جائے کہ مجھے کن بڑے آدمیوں کی حمایت حاصل ہے تو وہ ادھر کا رخ ہی نہیں کریں گے۔

"کیا ڈاکٹر زیدی اس وقت بھی موجود ہے۔"

"کچھ دیر پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔" منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اکثر اُس کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی ہوں گی۔"

"ہوتی ہیں۔ وہ بھی اس معاملے میں آپ ہی کی طرح خوش قسمت ہے کپتان صاحب۔
ایک بار میں نے اس کے ساتھ ایک اتنی حسین عورت دیکھی تھی کہ اُف شاید میں اُسے مرتے دم
تک نہ بھلا سکوں۔ اس کے اوپری ہونٹ کے گوشے پر وہ تل قیامت تھا...... بقول شاعر......!"

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ منیجر نے کون سا شعر پڑھا تھا کیونکہ اس نے اس حسین
عورت کا جو حلیہ بتایا تھا وہ بیگم شوخ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت
میں وہ شعر کی طرف کیا دھیان دیتا۔

سرخ رومال

حمید نے فون پر فریدی کو ان حالات کی اطلاع دینی چاہی لیکن وہ گھر پر نہیں ملا۔ بڑی
مشکلوں سے اس کا سراغ مل سکا۔ وہ اس وقت برٹرام روڈ کی پولیس چوکی پر موجود تھا۔

سارے حالات سننے کے بعد بولا۔ شکریہ حمید۔ تم نے بڑا کام کیا۔ یہ راجو نیا آدمی لسٹ
پر آرہا ہے۔ تم آج کل بہت شاندار جا رہے ہو۔ عورتوں کے لئے تم نے ہمیشہ شاندار کارنامے
انجام دیئے ہیں۔ اچھا اب تم گھر واپس جاؤ۔ شام تک وہیں ملاقات ہوگی۔

مگر شام تک فریدی گھر نہیں آیا۔ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ باہر جائے
یا فریدی کا انتظار ہی کرتا رہے۔ اس نے اسی انداز میں اُسے گھر جانے کی ہدایات کی تھی جیسے اپنی
آمد پر اُسکی موجودگی ضرور سمجھتا ہو۔ حمید بیٹھا جھک مارتا رہا۔ اسی دوران میں قاسم کی کال آئی۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بات نہیں بات کا باپ ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم سالے اس کے
بنے ہو۔ وہ مجھ پر غراتی ہے۔"

"چپلیں لگائے گی تمہارے...... ابھی کیا ہے۔"

"ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔"

"اور میں تمہیں جیل میں سڑا دوں گا۔"

"اے جاجا...... ڈیل میں ٹھٹرا دیں گے۔" غالباً دوسری طرف سے قاسم اُسے منہ
رہا تھا۔

"تم چاہتے کیا ہو۔"

"تمہاری موت!"

"یہ ناممکن ہے۔ میں تم سے پہلے نہیں مروں گا ورنہ تمہاری لاش کون گھسیٹے گا۔"

"گھسیٹ کر دیکھو...... کیا تماشا دکھاتا ہوں۔"

"تم آج رات کو مر جاؤ گے۔"

"اے ہٹ......!" قاسم نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مسز شوخ کی پیشین گوئی ہے۔"

"ارے باپ رے...... نہیں الاقسم......!"

"جب دم نکلنے لگے تو مجھے فون کرا دینا۔ کیا تمہیں اپنے سر کا پچھلا حصہ کچھ بھاری
سا لگ رہا ہے۔"

دوسری طرف خاموشی رہی پھر یک بیک قاسم کی آواز آئی۔ "غاں...... بھاری لگ رہا

"خدا تم پر رحم کرے۔" حمید نے دردناک آواز میں کہا۔

"قیوں...... قیوں......!"

"اس نے یہی علامت بتائی تھی۔"

"اے حمید...... سالے......!" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "اگر میں مر گیا تو تمہیں

مار دوں گا۔"

"مجھے اس پر بھی خوشی ہوگی کیونکہ تمہارے مرنے سے میری بہن بیوہ ہو جائے گی اور پھر
کسی اچھے آدمی سے اس کی شادی بھی ہو سکے گی۔"

"چپ رہو۔" قاسم کی دہاڑ نے آخرکار فون کی لائن خراب کر دی۔

مگر غنیمت یہی تھا کہ فریدی کی کوٹھی میں تین فون تھے اور ہر ایک کی لائن الگ تھی۔ نمبر بھی
مختلف تھے۔ تھوڑی دیر بعد لیبارٹری والے فون کی گھنٹی کی آواز آئی اور حمید دوڑتا ہوا اوپر آیا۔
کال فریدی کی تھی۔

"کیا ہے...... خواب گاہ والے فون کی لائن خراب ہے کیا۔" اُس نے پوچھا۔

"شاید لائن ہی خراب ہے۔"

"ایک ملاح کے میک اپ میں تمہیں سونا گھاٹ پہنچنا ہے۔"

"لیکن پھر آپ میری ملاحیوں پر اعتراض نہ کیجئے گا۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔" فریدی نے درشت لہجے میں کہا۔

"کر لی...... لیکن مقصد کیا ہے۔"

"مقصد وہیں بتاؤں گا۔"

"مگر سونا گھاٹ پر کس جگہ۔"

"جہاں ماہی گیروں کی کشتیاں رہتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے...... میں سمجھ گیا۔"

"کیا سمجھ گئے!"

"الفریڈ راج یا راجو کا چکر ہے۔"

"ہوسکتا ہے...... ایسا ہی ہو۔ تمہیں ٹھیک آٹھ بجے وہاں پہنچ جانا چاہئے۔ تمہارے سر پر
سرخ رنگ کا رومال ہوگا۔"

"پہنچ جاؤں گا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ مسز شوخ کا اغوا اسکی سمجھ سے باہر ہوتا جا رہا
اس وقت چھ بجے تھے۔ اس نے میک اپ کیا اور اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کر
اُس نے ایک ریوالور اور ساٹھ راؤنڈ اپنے ساتھ رکھنے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔

سونا گھاٹ پر زیادہ تر ماہی گیر آباد تھے۔ یہاں کچھ بڑی عمارتیں بھی تھیں جن م
ماہی گیر کمپنیوں کے دفاتر اور کولڈ اسٹوریج تھے۔ دو ایک گھٹیا قسم کے ہوٹل اور بار بھی تھ
کے اکثر سرمایہ داروں نے اپنے لئے سمر ہاؤز بھی بنوار کھے تھے۔

حمید ٹھیک اسی حصے میں رک گیا جہاں کچھ دور پانی میں بیشمار بادبانی کشتیاں تیر رہی تھ
کچھ دیر بعد ایک آدمی اس کے قریب سے کہتا ہوا گزر گیا۔ "ڈریک بار پلیز......!

وہ فریدی ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر فریدی ہوتا تو چال اور آواز بدلنے کی کیا ضرورت
اس نے کشتیوں کے مستولوں سے لٹکنے والی لال ٹینوں کی دھندلی روشنی میں اُس کی ہل
جھلک دیکھی تھی۔ وہ کچھ دیر تک نظر آتا رہا پھر چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی اُسے نگل گئی۔

حمید بھی بستی کی طرف چل پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈریک بار کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔
گھٹیا قسم کے نشہ باز جہاز راں ہوا کرتے تھے اور صرف نام کی بار تھی، ورنہ حقیقتاً وہاں شراب
بجائے کشیدنی قسم کے نشوں کا غیر قانونی بیوپار ہوتا تھا۔

چرس اور افیون کے شائق غیر ملکی جہاز رانوں کے لئے یہ بہترین جگہ تھی۔ بیئر کے
سامنے رکھ کر وہ چرس اور کشیدنی افیون کے سگریٹ پیا کرتے تھے۔ اس طرح پولیس کی مداخ
کا خدشہ بھی باقی نہیں رہتا تھا۔

حمید بار میں داخل ہو کر ایک خالی میز پر جم گیا۔ پھر ایک منٹ بھی نہیں گذرا تھا کہ
آدمی اسکے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "اب رومال کھول کر جیب میں رکھ لو

حمید بیساختہ چونک پڑا لیکن اس نے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔
آدمی نے گھاٹ کے قریب اُسے ڈریک بار میں پہنچنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ تھا کون؟ الفریڈ
یا راجو...... وہی جس کا نام سنتے ہی فریدی نے بڑے پر جوش انداز میں اسے شاباش دی تھی

حمید کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے دوست۔" راجو نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"تمہیں میرے نام سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"گڈ......!" راجو نے اسے پسندیدگی سے دیکھتے ہوئے سر ہلایا پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔
"تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

"میں یہاں فضول بکواس سننے کے لئے نہیں آیا۔" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔
"میں نے تو تم سے نہیں پوچھا کہ تم کون ہو یا تمہارا نام کیا ہے۔"

"وری گڈ......!" راجو مسکرا کر بولا۔ "کچھ پیو گے۔"

"نہیں......!" حمید غرایا۔ "میں صرف اسی صورت میں پیتا ہوں جب گھر پر پڑے رہنا ہو۔"

"بہت عمدہ۔ میں ایسا ہی آدمی چاہتا ہوں۔" راجو بولا۔ "تھوڑی دیر اور ٹھہرو پھر ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُن میں تیسرے آدمی کا اضافہ ہو گیا۔ یہ بھی راجو ہی کی طرح جہاز رانوں کے سے لباس میں تھا لیکن اس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔ اُسکے آتے ہی راجو اٹھ گیا۔ حمید بھی اٹھا اور یہ لوگ گھاٹ کی طرف چل پڑے۔ نیا آنے والا ابھی تک ایک بار بھی نہیں بولا تھا۔

حمید کو کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہو۔ وہ بھی خاموشی سے چلتا رہا۔ گھاٹ پر پہنچ کر وہ ایک کشتی میں بیٹھ گئے۔ ہوا اس وقت زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لئے بادبان کھول دیا گیا اور راجو نے چپو سنبھال لئے۔ سمندر کی سطح پر سکون تھی۔

"اب کیا دیر ہے۔" نئے آنے والے نے پوچھا اور حمید یک بیک چونک پڑا۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو وہ دونوں ہی اس کے چہرے پر استعجاب کے آثار دیکھ لیتے کیونکہ یہ آواز پروفیسر شوخ کے بھتیجے داؤد کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ داؤد جسے آج ہی حمید نے اپاہج آدمیوں کی پہیوں دار کرسی پر دیکھا تھا۔

یہ کیا قصہ تھا؟ حمید کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔ اس ایک عورت کے اغوا کے لئے اتنی سری۔ پورا ایک گروہ جس کے لئے سرگرم عمل تھا اور پھر اب وہ لوگ کیا چاہتے تھے۔

داؤد نے کتنا خطرہ مول لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت وہ پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر گھر سے باہر ہوگا۔

حمید سوچنے لگا کہ پروفیسر بھی نرا گاؤدی نہیں ہے۔ داؤد کے متعلق اس نے پہلے ہی شبہ ظاہر کردیا تھا۔ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس وقت دھوکا ہی کھا گیا ہوگا۔ پھر؟ کیا داؤد سے ڈرتا ہے۔

کشتی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رات کے سرمئی غبار میں راجو کی متحرک پرچھائیں صا نظر آرہی تھیں جو کشتی کھے رہا تھا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" داؤد نے پھر کہا۔

"دیکھئے...... یہ ایسا آسان کام تو ہے نہیں۔" حمید نے راجو کی آواز سنی۔ "بہرحال انتہائی جدوجہد کررہے ہیں۔"

"اس اسکیم کا کیا رہا۔"

"اس اسکیم کے لئے یہ صاحب آئے ہیں۔" غالباً حمید کی طرف اشارہ تھا۔

"یہ کون ہیں۔"

"میں خود بھی نہیں جانتا لیکن کام کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا بات ہوئی۔" داؤد غرایا۔

"زیدی صاحب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا جو آدمی وہ بھیجیں گے ہر لحاظ سے کارآمد ہوگا۔"

اب معاملہ حمید کی سمجھ میں آگیا۔ وہ سوچنے لگا شاید ان کی کسی اسکیم کا علم فریدی کو ہے۔ اسی لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ یہ کتنا خطرناک تھا۔ اگر حمید سے نادانستگی میں ذرا بھی لغزش ہوجاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ اُسے چاہئے تھا کہ صورتحال سے پہلے ہی آگاہ کردیتا

اب حمید اس فکر میں پڑ گیا کہ کھیل کسی طرح بگڑنے نہ پائے۔ اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

"زیدی سے تم نے وضاحت نہیں طلب کی۔" داؤد نے پوچھا۔

"نہیں...... انہوں نے مزید کچھ بتانے سے انکار کردیا تھا۔"

"میں اسے درست نہیں سمجھتا۔" داؤد نے کہا۔ پھر حمید کو مخاطب کرکے بولا۔

"کیوں جناب کیا آپ اپنے متعلق کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"نہیں!" حمید کا لہجہ درشت تھا۔

"پھر کیسے کام چلے گا۔"

"میں کام کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ سوچنے کے لئے نہیں آیا کہ کام کیسے چلے گا۔"

"تم کیسے آدمی ہو۔" داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اگر زیدی صاحب کا معاملہ نہ ہوتا تو اس لہجے کا مزہ چکھا دیتا۔" حمید غرایا۔

"آپ بات نہ بڑھایئے جناب۔" راجو نے داؤد سے کہا۔ "ہر آدمی کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ مجھے یہ طریقہ بے حد پسند ہے۔ آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ ہمیں صرف کام سے غرض ہونی چاہئے۔"

داؤد خاموش ہوگیا اور حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ کشتی سمندر کا پرسکون سینہ چیرتی رہی، چپوؤں کی "شپاشپ" سے فضا مرتعش ہو رہی تھی۔

راجو کے بازو ابھی تک شل نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک مشاق قسم کا کشتی بان معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد کشتی فن آئی لینڈ کے ایک ویران ساحل سے جالگی۔ راجو نے پتوار رکھ دیئے اور خشکی پر کود گیا۔ پھر وہ دونوں بھی اترے۔

اب جزیرے کے جس حصے میں وہ چل رہے تھے بالکل ویران اور تاریک تھا۔ حمید کا ذہن مختلف قسم کے خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

دفعتاً وہ چلتے چلتے رک گیا۔ داؤد بھی رکا۔

"تو تم اپنے متعلق نہیں بتاؤ گے۔" راجو نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں......!" حمید کا لہجہ پرسکون اور سرد تھا۔

"اگر ہم تمہیں یہاں مار ڈالیں تو......!" راجو کا لہجہ اب بھی درشت تھا۔

"کوشش کر کے دیکھو۔"

راجو حمید کی طرف بڑھا لیکن حمید نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کے چہرا
اور وہ داہنے بازو کے بل زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے حلق سے کراہ نکلی۔

"میرے ہاتھ میں بغیر آواز کا ریوالور ہے۔ تم لوگ اپنی جگہوں سے ہلنا بھی مت
حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔" راجو نے زمین پر پڑے ہوئے کہا۔

"شاید میرا ساتھ غلط آدمیوں سے پڑ گیا ہے۔" حمید نے اپنے لہجے میں سفا
کرتے ہوئے کہا۔ "مگر میں اس کی پرواہ کم کرتا ہوں۔ بتاؤ تم لوگ کون ہو۔ ورنہ صبح یہاں
لاشیں ملیں گی۔"

"ہم تمہارا امتحان کر رہے تھے دوست۔" راجو نے آہستہ سے کہا۔ "ریوالور جیب میں رکھ

"بکواس ہے۔" حمید غرایا۔ "تم اب مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

"پھر تمہاری دانست میں ہم کون ہیں۔" راجو نے پوچھا۔

"پولیس......!"

اس پر نہ صرف راجو نے بلکہ داؤد نے بھی قہقہہ لگایا۔

"بس بس...... بالکل ٹھیک ہے۔ تم ایسے ہی آدمی معلوم ہوتے ہو کہ ہر قسم کا کام ا
دے سکو گے۔" راجو نے کہا اور اٹھ بیٹھا۔ پھر بولا۔ "یہ ریوالور رکھ لو دوست...... میں تم
بالکل مطمئن ہوں۔"

"لیکن مجھ سے معاوضے کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔" حمید بڑبڑایا۔

"پہلے تم کام سن لو...... اس کے بعد جو معاوضہ بھی مانگو گے دیا جائے گا۔"

"اٹھو......!" حمید ریوالور جیب میں رکھتا ہوا غرایا۔

راجو زمین سے اٹھ گیا۔

"کام کیا ہے۔" حمید نے درشت لہجے میں پوچھا "میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہتا۔"

"چلو کچھ دور اور چلنا پڑے گا۔ پھر ہم بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کریں گے۔" راجو نے کہا۔

"کیا پھر کوئی امتحان۔"

"نہیں دوست!" راجو اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔ "اتنا کافی ہے۔ ہم تم پر ہر طرح اعتماد کر سکتے ہیں۔"

حمید پھر اُن کے ساتھ چلنے لگا۔ ان دونوں کو سبق دینے کے بعد اس کی ذہنی اور جسمانی توانائی بڑھ گئی تھی اور وہ اتنی لاپروائی سے ان کے ساتھ چل رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل ان سے چند ہی باتیں ہوئی ہوں۔ آبادی میں پہنچ کر راجو نے ایک چھوٹے سے مکان کا قفل کھولا اور وہ اندر داخل ہوئے۔

جس کمرے میں راجو نے ٹھہرنے کے لئے کہا وہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس کے گرد کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

جب وہ بیٹھ گئے تو راجو نے کہا۔ "یہ ایک آدمی کے اغواء کا مسئلہ ہے۔"

"اسے مسئلہ مت بناؤ۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "اغواء بھی کوئی مسئلہ ہے۔"

"ہاں! ہمارا یہ کام اب ایک دقت طلب مسئلہ ہی بن گیا ہے۔" راجو بولا۔

"تفصیل......!" حمید نے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ آدمی آج کل پولیس کی حفاظت میں ہے۔"

"یعنی جیل یا حوالات میں۔" حمید نے فرش سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"نہیں اپنے گھر پر ہے لیکن اس کے گھر کے گرد پولیس کا پہرہ ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ راجو کہتا رہا۔ "یہ سادہ لباس والے ہیں اس لئے ان کو پہچاننا دشوار ہوگا۔ کیوں کیا تم یہ کام کر سکو گے۔"

"واقعی مسئلہ ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ "نام
بتاؤ۔ ممکن ہے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"تم ہمت ہار رہے ہو شاید۔" راجو مسکرایا۔

"میری توہین نہ کرو۔" حمید غرایا۔ "مجھے نام اور پتہ بتاؤ۔ تم لوگ مجھ سے واقف نہ
ورنہ اس توہین کا......!"

"سنو تو......تم بہت جلد غصے میں آجاتے ہو۔" راجو نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "نام
تصویر اس لفافے میں ہے۔ کیا تم پڑھ سکتے ہو۔"

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور حمید نے کہا۔ "تحریر کس زبان میں ہے۔"

"اردو میں۔"

"پڑھ لوں گا......کیا اسے کھول ڈالوں۔"

"ظاہر ہے کہ یہ اسی لئے دیا گیا ہے۔"

حمید نے لفافہ کھول ڈالا۔ یہ ایک معمر آدمی کی تصویر تھی۔ نام کے ایل بھٹی تھا
۵۳/ا لنکس لین۔ حمید نے سوچا یقیناً کوئی بڑا آدمی ہوگا کیونکہ لنکس لین میں معمولی
کے لوگ نہیں رہتے تھے۔

حمید نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ وہ دونوں اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے
نے میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے کہا۔ "معاوضہ کتنا ہوگا۔"

"اگر تم کل رات کو اسی وقت اُسے یہاں لے آؤ تو دس ہزار لیکن اگر تم اپ
سرکاری سراغ رسانوں کو لگا لائے تو انجام کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"اور اسکی کیا گارنٹی ہے کہ کام بخوبی انجام پا جانے کے بعد مجھے دس ہزار مل ہی جائیں

"تم کوئی فرشتے تو ہو نہیں کہ صبر کر لو گے۔" راجو مسکرایا۔

"صبر بھی کر لوں گا مگر اس صورت میں آس پاس کی زمین سرخ نظر آئے گی۔"
لاپروائی سے کہا۔

"کچھ کر کے دکھاؤ......تم باتیں بہت لمبی چوڑی کر لیتے ہو۔" دفعتاً داؤد نے ناخوشگوار
لہجے میں کہا۔

"کیا دیکھنا چاہتے ہو۔" حمید ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "کیا تمہاری
داڑھی پر ہاتھ پھیر کر دکھاؤں۔ مگر شاید تم اسے پسند نہ کرو۔"

"میں بدتمیزوں کی زبان کھینچ لیا کرتا ہوں۔" داؤد غرایا اور حمید اپنی زبان نکال کر بیٹھ گیا۔
داؤد اسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا۔

حمید زبان اندر کر کے بولا۔ "میں ہر وقت ہر ایک کا چیلنج قبول کرنے کو تیار رہتا ہوں۔"

"یار تمہیں مذاق بھی گراں گزرتا ہے۔" راجو نے ہنس کر کہا۔

"نہیں تو......میں بھی مذاق ہی کے موڈ میں ہوں۔" حمید نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

داؤد خاموش بیٹھا رہا لیکن اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا
تھا جیسے موقع ملتے ہی وہ حمید کو کچا چبا جائے گا۔

"کیا تم میں سے کوئی وہاں موجود ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہم میں سے کسی کی موجودگی وہاں ضروری نہیں ہے۔" راجو بولا۔

"اچھی بات ہے تو اب میں چلوں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" راجو نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ تم
یہ کام بہ آسانی کر لو گے۔"

"تمہیں سادہ لباس والوں کی وجہ سے تشویش ہے۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"یقیناً......اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر وہ تمہارا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک
پہنچ گئے تو کھیل ختم ہو جائے گا۔"

"اس کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ کسی ایسی عمارت کا انتخاب کرو جس کے متعلق کوئی
بتا نہ سکے کہ وہ کس کے قبضے میں ہے، میں اُسے وہیں لاؤں۔ تم لوگ قطعی الگ رہو۔ جب
تمہیں اچھی طرح اطمینان ہو جائے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے تب اُس عمارت میں قدم رکھو۔"

"تجویز معقول ہے۔" راجو نے داؤد کی طرف دیکھ کر کہا۔

داؤد نے صرف سر ہلا دیا۔

پھر کچھ دیر بعد راجو نے کہا۔ "یہی عمارت مناسب رہے گی۔"

"تم جانو......!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے جتنا بھی کرنا ہے کر ڈالوں گا۔"

حمید اٹھنے لگا اور راجو نے کہا۔ "یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تم کچھ پیتے نہیں ہو۔"

"جو کچھ میں پیتا ہوں تم پلا نہیں سکو گے۔"

"کیا پیتے ہو۔"

"خون......!" حمید اپنی آنکھوں میں سفاکانہ چمک سی پیدا کر کے بولا۔

"یار......تم بڑے تیس مار خاں معلوم ہوتے ہو۔" راجو مسکرایا۔ "مجھے حیرت ہے ک ہی شہر میں رہنے کے باوجود بھی ہم پہلی بار ملے ہیں۔"

"تمہیں حیرت نہ ہونی چاہئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو فخریہ اور اعلا پر اپنے لفنگے پن سے لوگوں کو مرعوب کرنے کے شائق ہوتے ہیں۔"

"گہرے معلوم ہوتے ہو۔"

"اچھا! اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" حمید نے کہا اور اُن کے جواب کا کئے بغیر مکان سے نکل آیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی فکر بھی تھی کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔

ساحل پر بھیڑ زیادہ تھی۔ لوگ لانچوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ آج نہ کیوں لانچیں بھی کم تھیں۔ دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کے جیب میں ہاتھ دیا ہو۔ اس نے مڑ کر دیکھا مگر پیچھے ایک بھی ایسا آدمی نہیں نظر آیا جس پر وہ شبہ کر سکتا اس کا ہاتھ اسی جیب میں رینگ گیا اور انگلیاں ایک مڑے تڑے کاغذ سے ٹکرائیں وہ اُ رہا لیکن جیب سے باہر نہیں نکالا۔

اُس کا اضطراب بڑھتا رہا اور آخر کار اُس نے فیصلہ کیا کہ اسے قریبی ریستوران

جا کر اس کاغذ کو دیکھنا چاہئے۔

ساحل پر ہی کئی ریستوران تھے۔ حمید نے ایک کی راہ لی۔ اتفاق سے اُسے ایک خالی میز بھی ایک گوشے میں مل گئی۔ یہ تفریح کرنے والوں کی واپسی کا وقت تھا۔ لہٰذا ریستوران خالی ہوتے جا رہے تھے۔ حمید نے کافی کا آرڈر دے کر جیب سے کاغذ نکالا جس پر تحریر تھا۔

"حمید......بہت اچھے جا رہے ہو لیکن اب تم گھر واپس نہیں جاؤ گے۔ ارجن پورے کی داس بلڈنگ کے پندرھویں فلیٹ میں تمہارا قیام ہوگا۔ یہ دوسری منزل پر ہے۔ داس بلڈنگ پانچویں گلی میں ہے۔ اُسے تلاش کرنے میں تمہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔ جس فلیٹ میں تمہیں قیام کرنا ہے وہاں ایک آدمی ہوگا تم اُسے صرف میرے نام سے آگاہ کر دینا اور وہ تمہارے لئے ساری سہولتیں بہم پہنچا دے گا۔"

لکھنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن یہ تحریر فریدی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

حمید کاغذ کو جیب میں ٹھونس کر کافی پینے لگا۔

اجنبی لوگ

حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس ایک عورت کے لئے کیا کیا ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بٹی بھی اُس کے عاشقوں میں سے ہو۔ کوئی ایسا عاشق ہو جو اغواء کنندگان کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہو۔

وہ ارجن پور کی پانچویں گلی میں داخل ہوا۔ داس بلڈنگ کا پتہ لگانے میں دیر نہیں لگی۔ حمید نے دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا۔

"فریدی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ وہ آدمی احتراماً خفیف سا جھکا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

حمید اندر آیا۔ وہ اس آدمی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس نچلے طبقے کے

آدمیوں کا سا تھا لیکن وہ خود نچلے طبقے کا آدمی ہرگز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کا رنگ بہت صاف
تھا۔ آنکھیں ہلکے سبز رنگ کی تھیں۔ بال گھنگھریالے جن کی رنگت گہری کتھئی تھی اور پیشانی
فراخ۔ اس کے ہاتھ بھی محنت کشوں کے سے سخت اور کھردرے نہیں تھے۔

"آپ آرام سے رہئے۔" اس نے یہ جملہ اردو ہی میں کہا لیکن لہجے کی اجنبیت پکار پکار
کر کہہ رہی تھی کہ وہ کوئی غیر ملکی ہے۔

"شکریہ۔" حمید ایک خالی پلنگ پر دراز ہوتا ہوا بولا۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔

"کیا آپ کچھ کھائیں گے۔"

"نہیں شکریہ! حاجت نہیں ہے۔" حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر بولا۔ "اردو بولنے میں آپ کو زحمت محسوس ہوتی ہے۔ آپ اپنی ہی زبان میں گفتگو
کریں تو بہتر ہے۔"

حمید نے سوچا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کوئی انگریزی، جرمن یا فرانسیسی ہوگا۔

اس کے جواب میں اس آدمی نے کچھ کہا لیکن حمید احمقوں کی طرح منہ پھاڑ کر رہ گیا
کیونکہ اس نے جو زبان استعمال کی تھی وہ اس کے لئے بالکل نئی تھی۔

وہ آدمی مسکرایا۔ لیکن انداز مضحکہ اڑانے کا سا نہیں تھا۔

"آپ اردو ہی بولیں۔" حمید نے سر کھجا کر کہا۔

"اگر آپ سونا چاہیں تو بستر......!"

"نہیں شکریہ۔" حمید نے کہا۔ "میں ابھی سونا نہیں چاہتا۔"

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے پوچھے کہ تمہارا فریدی سے کیا تعلق ہے۔ لیکن پھر
خیال کے تحت اس نے ایسا نہیں کیا۔

کچھ دیر بعد پھر دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس آدمی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا
اندر آنے والے نے اپنی کلائی کھول کر اُسے کچھ دکھایا اور وہ آدمی اتنا جھکا کہ اس پر رکوع کا
گمان ہونے لگا۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر ایک طرف ہٹ گیا۔ نووارد ایک معمر آدمی تھا اور اس کا

لباس بھی نچلے ہی طبقے والوں کا سا تھا۔

حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

آنے والے نے کہا۔ "کیا بہت تھک گئے ہو۔"

اب حمید نے آواز سے اسے پہچانا۔ وہ فریدی تھا۔

"نہیں کچھ ایسی تھکن تو نہیں ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور فریدی ہنسنے لگا پھر
بولا۔ "اس عمارت میں جو کچھ بھی گفتگو ہوئی تھی اس سے میں واقف ہوں۔ لہٰذا اس سے پہلے کی
باتیں بتاؤ۔"

"عمارت کی گفتگو کا علم آپ کو کیسے ہوا۔"

"وہاں کئی ڈکٹافون موجود ہیں۔ لہٰذا وہاں ہونے والی ہر گفتگو مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ تم
اس کی فکر نہ کرو۔"

حمید نے سوناگھاٹ سے فن آئی لینڈ تک کے واقعات دہرائے اور پھر بولا۔ "اگر مجھ
سے کوئی لغزش ہو جاتی تو......آپ کو صورت حال سے پہلے ہی آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔"

"میں تم میں خود اعتمادی پیدا کرنا چاہتا ہوں اگر انگلی پکڑ کر چلاتا رہا تو تمہاری صلاحیتیں زنگ
آلود ہو جائیں گی۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب تمہیں اسی طرح خطرات میں دھکیلتا رہوں گا۔"

"کیا اس میں بھی کوئی خطرہ تھا۔"

"کیوں نہیں! کیا تمہاری ذرا سی لغزش تمہیں موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتی تھی۔"

"مجھے لڑکیوں کے جھرمٹ میں دھکا دے دیجئے۔ تب البتہ پھر آپ کو وہاں سے میری
لاش ہی اٹھانی پڑے گی۔ ویسے میں کافی سخت جان ہوں اور اسے لکھ لیجئے کہ میری موت میں
کسی مرد کا ہاتھ ہرگز نہیں ہوگا۔"

"یہ بکواس کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھو۔ وہ لفافہ نکالو۔"

حمید نے لفافہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

فریدی اسے دیکھتا رہا پھر حمید کو واپس کرتا ہوا بولا۔ "کل رات تم اسے وہاں سے لے جاؤ

گے۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ وہاں سادہ لباس والوں کا پہرہ ہے۔"

"ہاں...... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ
وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ جائے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "وہ آدمی جسے سونا گھاٹ پہنچنا تھا اس کا کیا بنا۔"

"وہ حراست میں ہے۔"

"لیکن...... اگر...... شاید ڈاکٹر زیدی نے اُسے وہاں بھیجا تھا۔ اگر اُس کی وجہ سے
بھانڈا پھوٹ گیا تو۔"

"وہ......!" فریدی مسکرایا۔ "وہ بیچارہ بھی میرے ڈر سے روپوش ہو گیا ہے۔ لیکن اکثر
داؤد سے فون پر گفتگو کر لیتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ بھی میری قید میں ہے لیکن داؤد سے فون پر گفتگو کرتا رہتا ہے اور اس وقت اس کی
کھوپڑی پر پستول کی نال ہوتی ہے، جو کچھ اس سے کہا جاتا ہے وہی اسے کہنا پڑتا ہے۔"

"اوہ......!" حمید اپنا سر کھجاتا ہوا بولا۔ "وہ سچ مچ شیطان ہی کی محبوبہ معلوم ہوتی ہے
کیونکہ یہ معاملہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا اور ناقابل فہم ہوتا جارہا ہے۔"

"شیطان کی محبوبہ۔" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "کیا وہ تمہیں بہت
پسند ہے۔"

"بے حد...... کیوں میں شیطان کا رقیب بننے میں کافی فخر محسوس کروں گا۔"

فریدی نے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ ویسے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

حمید نے صاحب خانہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس گفتگو کے دوران وہیں موجود رہا تھا
لیکن اُس کے چہرے سے بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی۔

حمید نے اشارے سے پوچھا کہ وہ کون ہے لیکن فریدی نے اپنی بائیں آنکھ دبادی۔ جس
یہ گیا کہ وہ اسکے سامنے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑنا چاہتا مگر حمید کو اس پر حیرت ضرور ہوئی کہ وہ
گفتگو کے دوران وہیں موجود رہا تھا بہرحال اس نے اسکے معاملے میں خاموشی اختیار کر لی۔

"لیکن......!" اس نے کچھ دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ "آپ کو اس کا علم کیسے ہوا تھا کہ زیدی
نے ان کے لئے کوئی مددگار تیار کیا ہے۔"

"فن آئی لینڈ والا وہ مکان حقیقتاً اُن کی مشورہ گاہ ہے۔ وہ وہیں اکٹھے ہو کر اپنے مسائل
پر غور کرتے ہیں۔"

"میرے خدا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہ شیطان کی محبوبہ مسائل بھی رکھتی ہے۔"

"لاتعداد۔" فریدی مسکرایا۔ پھر بولا۔ "ڈاکٹر زیدی پر عرصہ سے میری نظر تھی۔ داؤد اور
اس کا جو تمہاری دریافت ہیں۔ اب دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ داؤد ہی اُن کا سرغنہ ہے۔ لیکن
میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر زیدی کے علاوہ اور کوئی اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہے کیونکہ وہ ان
لوگوں کے سامنے میک اپ میں آتا ہے۔"

"ایک عورت کے لئے۔" حمید پھر آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میرا سر چکرا رہا ہے۔"

فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "ان لوگوں نے اسی وقت سے تمہاری
نگرانی شروع کر دی ہے۔"

"نہیں......!"

"ہاں...... اور غالباً تمہاری لاف وگزاف نے انہیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے۔"

"میں جس وقت یہاں پہنچا ہوں ایک آدمی عمارت کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ انہیں میں
سے ایک ہے۔ میں اُسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد ہی میں عمارت میں
داخل ہوا تھا۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ یہ نگرانی مسٹر بھٹی کے اغواء کے بعد تک جاری رہے
گی۔ اس لئے تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"یہ بات آپ نے پہلے سے کیوں بتادی۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیونکہ اس اسٹیج پر بگڑا ہوا کام کسی طرح نہیں سنبھلے گا۔ اگر آج رات والا کھیل بگڑ بھی

جاتا تو اُسے سنبھالا جا سکتا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس شخص مسٹر بھٹی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

آخر وہ اس کے بارے میں فریدی سے پوچھ ہی بیٹھا۔ اس پر فریدی نے ایک قہقہہ لگایا پھر بولا۔ ''کیا تم اس پر یقین کرلو گے کہ اصلی مسز شوخ وہی ہے۔''

''ہائیں......!'' حمید منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

''ہاں اس ناول کا نام بہرام کی خالہ عرف اداس چبوترہ ہے۔''

''عرفیت تو بڑی ترقی پسند قسم کی ہے۔''

فریدی سگار سلگانے لگا۔

''آپ بتانا نہیں چاہتے۔'' حمید نے کہا۔

''بتا تو دیا۔''

حمید نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ بھی جیب میں تمباکو کا پاؤچ تلاش کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کیونکہ اندر سے ایک لڑکی کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھی اور قبول صورت۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''ارے اس کی ضرورت نہیں تھی بے بی۔'' فریدی نے انگریزی میں کہا۔

''آپ لوگ بہت تھک گئے ہوں گے جناب۔'' اس نے بڑے ادب سے جواب ٹرے میز پر رکھ کر پیالیاں سیدھی کرنے لگی۔ اب وہ تیسرا آدمی بھی ان کے قریب آ گیا وہ کافی پینے لگے۔ لڑکی بھی اُنہیں شامل تھی۔ کسی خوبصورت لڑکی کی موجودگی میں حمید کو کھلنے لگتی تھی اس نے لڑکی سے کہا۔ ''آپ لوگوں کو اس گندی بستی میں بڑی تکلیف ہوتی

''نہیں کیپٹن! ایسا تو نہیں ہے۔'' لڑکی مسکرائی اور حمید متحیر رہ گیا۔ تو وہ اسے جانتی

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کافی کے دو تین گھونٹ لینے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹک سگار کے کش لے رہا تھا اور اس کی آنکھیں چھت کی طرف تھیں۔

''کیا آپ لوگ ہمیشہ یہیں رہتے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''ایسا بھی نہیں ہے۔'' لڑکی پھر مسکرائی۔ ''کیا آپ ہم لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور لڑکی سے بولا۔ ''ضروری نہیں ہے کہ کیپٹن حمید میرے ہر راز میں شریک ہو۔ اس پر ہی کیا منحصر ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی میرے متعلق سب کچھ نہیں جانتا۔''

لڑکی اور اس کے ساتھی کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے لیکن حمید کو فریدی کے اس جملے میں اپنی توہین نظر آئی۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اگر وہ دونوں موجود نہ ہوتے تو وہ بلاشبہ فریدی سے الجھ پڑا ہوتا۔

کچھ دیر بعد فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''اچھا تو اب میں جا رہا ہوں۔ کیپٹن حمید یہیں رہیں گے اور تم۔'' اُس نے مرد کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ دونوں فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

لڑکی برتن سمیٹنے لگی اور حمید اٹھ کر اس کی مدد کرنے لگا۔

''اوہ...... آپ رہنے دیجئے کیپٹن۔'' اس نے کہا۔

''مجھے گھریلو کاموں سے بہت دلچسپی ہے۔ میں اکثر اپنی پڑوس کی عورتوں کے ہاتھ بٹایا کرتا ہوں۔''

''نہیں......!'' لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں...... اُن کے بچوں کیلئے کپڑے دھوتا ہوں۔ انہیں کھانا پکانے میں مدد دیتا ہوں۔ پڑوس کی جس عورت کا بچہ بیمار ہوتا ہے وہ مجھے فون کر دیتی ہے پھر اُسے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔''

''آپ دونوں کے شوق عجیب ہیں۔ آخر آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔''

''دراصل مجھے خدمت خلق کا شوق ہے۔ لیکن اپنی بیوی کی خدمت...... خدمت نہیں بلکہ زن مریدی کہلاتی ہے یہاں میرے ملک میں...... میں تمہارے ملک کے متعلق نہیں جانتا۔''

''بہر حال مجھے ماؤں کا ہاتھ بٹانے سے بڑا سکون ملتا ہے۔''

''لیکن میں ماں تو نہیں ہوں۔'' لڑکی ہنسنے لگی۔

"پھر آپ اُن صاحب کی کون ہیں، جو کچھ دیر پہلے یہاں تھے۔"

"ہشت......!" لڑکی شرمیلے انداز میں مسکرائی۔ "وہ میرا ساتھی ہے۔"

"شوہر......!"

"نہیں ساتھی......آپ نے بے تکی باتیں کیوں شروع کردیں۔"

"مجھے افسوس ہے اگر یہ باتیں آپ کو بے تکی معلوم ہوتی ہیں۔" حمید نے کہا اور پھر پنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے......کیا کوئی تکلیف ہے۔"

"ہاں سینے میں بہت درد ہے۔" حمید کراہتا ہوا لیٹ گیا۔ "ابھی ابھی اچانک اٹھا ہے۔… افی برازیل کی تھی۔"

"تھی تو برازیل ہی کی۔"

"اوہ......اسی لئے......میں جب بھی برازیل کی کافی پیتا ہوں یہی کیفیت ہوتی ہے۔"

"اچھا......دیکھئے میں ابھی آئی۔" اُس نے کہا اور برتن سمیٹ کر اندر چلی گئی۔

حمید مسکراتا ہوا اپنے سینے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئی۔ اس کے ہاتھ ں ایک شیشی تھی۔

"یہ دیکھئے......اسے آہستہ آہستہ سینے پر مل لیجئے۔" اُس نے حمید کی طرف شیشی ھاتے ہوئے کہا۔

"مگر میں کیسے ملوں گا......مجھ سے نہیں بنے گا۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔

"بنے گا......آپ کوشش تو کیجئے۔"

"نہیں بنے گا......میں جانتا ہوں۔ ایسے کام خود اپنے ہاتھوں سے نہیں ہو پاتے۔"

"کوشش ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتی ہے۔ نپولین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیجئے۔ ا ب بخیر۔" لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ حمید اُلو کا سامنہ لے کر رہ گیا۔

ا سامنہ رہ جانا محاورہ ہے لیکن محاورے حمید کو عموماً غلط معلوم ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا اس محاورے

اُلو والی تصحیح خود اسی نے کی تھی۔ اسے توقع تھی کہ وہ اس لڑکی سے اپنے سینے پر مالش کرانے ں کامیاب ہوجائے گا۔ لیکن ع درد منتِ کش دوا نہ ہوا......اور دوسرے مصرعے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ بیمار ہی کب تھا۔

دوسرا اغوا

بھٹی کے اغواء کا مسئلہ ابھی تک حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن بہرحال اسے وہ کام جام دینا تھا۔ فریدی نے دوسرے دن اُسے طریق کار سمجھا دیا۔

سات بجے شام تک حمید اور وہ غیر ملکی جس کے فلیٹ میں اس کا قیام تھا کنکس لین پہنچ ئے۔ وہ دونوں ایک بڑی شاندار کار میں آئے تھے۔ حمید پچھلے ہی دن کے میک اپ میں تھا۔ لن آج اس کے جسم پر میلے کچیلے لباس کی بجائے بہترین قسم کا سوٹ تھا اور اس کا سفید فام اتھی کوئی ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا اُس کے ہاتھ میں ایک اسٹتھوسکوپ تھا۔

کار پھاٹک کے اندر چلی گئی۔ حمید کو باہر کئی جانے پہچانے چہرے نظر آئے تھے۔ یہ اسی لے کے لوگ تھے۔ حمید نے اس کا اندازہ بھی کرلیا تھا کہ ان لوگوں نے انہیں شبہے کی نظر سے دیکھا تھا۔

کار سیدھی پورچ میں چلی گئی اور پھر حمید نے اُسے اس طرح موڑ کر اس کا پچھلا حصہ آمدے کی سیڑھیوں سے لگا دیا جیسے ڈکے سے کچھ سامان نکال کر برآمدے میں رکھنا ہو۔

وہ دونوں اُتر گئے۔ حمید کے ہاتھوں میں دواؤں کا بیگ تھا۔

پھر وہ نہایت اطمینان سے اندر گھستے چلے گئے۔

چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ لیکن سارے کمرے روشن تھے۔ فریدی کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق حمید کو خواب گاہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

لیکن اس کی توقعات کے خلاف وہاں بھی قبرستان کا سا ماحول نظر آیا۔ مسہری
چاپ پڑے ہوئے آدمی کو اس نے فوراً ہی پہچان لیا کیونکہ بھٹی کی تصویر اس وقت بھی
جیب میں پڑی ہوئی تھی اور اُس نے آج دن میں کئی بار اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

مگر......! وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے د

''یہاں کوئی نوکر بھی نہیں نظر آتا۔'' حمید نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''مجھے خود بھی حیرت ہے ویسے کرنل نے تو یہی کہا تھا کہ تم لوگ اُسے بہت آسا
نکال لے جاؤ گے۔ ہوسکتا ہے ان کا اشارہ انہیں آسانیوں کی طرف رہا ہو۔''

حمید نے آگے بڑھ کر بھٹی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا لیکن نہ تو وہ چونکا اور نہ
آنکھیں ہی کھلیں۔

''یہ بیہوش ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔'' سفید فام ساتھی بولا۔ ''کرنل کے کام ایسے ہی ہوتے ہی

حمید نے دواؤں کا بکس کھول کر اُس میں سے ایک تھیلا نکالا۔

اور پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر مسہری خالی ہوگئی۔

''راہداری اور برآمدے کی روشنیاں گل کر آؤ۔'' حمید نے سفید فام ساتھی سے کہا
چلا گیا...... حمید کھڑا اس تھیلے کو دیکھتا رہا جو اب خالی نہیں تھا۔

سفید فام ساتھی کی واپسی پر تھیلا اٹھایا گیا اور پھر وہ اندھیرے ہی میں برآمد
آئے۔ سفید فام ساتھی نے ڈکے اٹھائی اور حمید نے تھیلا بڑی پھرتی سے اس میں ٹھونس د
کار کو دھکیل کر اس کا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے انہوں نے دروازے کھولے اور اندر بیٹھ

ٹھیک اُسی وقت برآمدہ پھر روشن ہوگیا اور ان کی کار پھاٹک سے نکلی چلی گئی۔ بڑ
پہنچ کر حمید نے اُسے بائیں جانب موڑ دیا۔

''تعاقب کا خیال رکھنا۔'' اس نے مڑ کر سفید فام ساتھی سے کہا جو پچھلی نشست
دراز تھا۔ لیکن حمید نے خود ہی سادہ لباس والوں کو حرکت میں آتے دیکھ لیا۔ تین آدمیو

موٹر سائیکلیں سنبھال لی تھیں۔ حمید نے سوچا کافی منظم طور پر سارے کام ہو رہے ہیں۔

تین موٹر سائیکلیں کار کا تعاقب کرتی رہیں۔

''تعاقب شروع ہوگیا۔'' سفید فام ساتھی بڑبڑایا۔

''تین موٹر سائیکلیں۔ میں عقب نما آئینے میں دیکھ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا ان
کے پیچھے بھی کوئی ہے۔''

''ہاں......ایک چھوٹی سی کار۔'' ساتھی نے جواب دیا۔

''اچھا جیسے ہی ہم ویرانے میں داخل ہوں......تم......!''

''مجھے یاد ہے......تم مطمئن رہو۔'' ساتھی بولا۔

موٹر سائیکلیں کار کا تعاقب کرتی رہیں۔ انکے پیچھے وہ چھوٹی کار بھی برابر نظر آتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید کی کار شہری آبادی سے نکل کر ویرانے میں داخل ہوئی۔

دفعتاً سفید فام ساتھی نے باہر ہاتھ نکال کر کوئی چیز سڑک پر پھینکی اور ایک زوردار دھماکہ
ہوا اور دھوئیں کے گہرے بادل چاروں طرف پھیل گئے۔ حمید نے رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز
کردی۔ سفید فام ساتھی نے دھوئیں کا بم پھینکا تھا اور جس کا دھواں خواب آور تھا۔

موٹر سائیکلیں رک گئیں کیونکہ دھوئیں کی دوسری طرف کچھ بجھائی نہیں دے رہا تھا۔
انہوں نے موٹر سائیکلیں ضرور روک دی تھیں لیکن انجن نہیں بند کئے تھے۔ اُن کے پیچھے والی کار
نے راستہ کاٹ دیا اب وہ کچی سڑک پر اتر گئی تھی، جو کھیتوں کے درمیان سے گذرتی تھی۔ موٹر
سائیکلیں بھی مڑ کر مخالف سمت میں دوڑنے لگیں۔ حمید کی کار فراٹے بھرتی رہی۔ اب اس کے
پیچھے میدان صاف تھا۔

سونا گھاٹ پہنچ کر وہ کار کو اسی طرف لیتے چلے گئے جہاں ان کے لئے ایک لانچ پہلے ہی
سے موجود تھی۔

تھیلا ڈکے سے نکال کر لانچ میں رکھا گیا اور سفید فام ساتھی کار لے کر پھر شہر کی طرف
روانہ ہوگیا۔

دوسری طرف حمید خود ہی لانچ کو اسٹیئر کرتا ہوا فن آئی لینڈ کی جانب لے جا رہا تھا۔

رات تاریک تھی لیکن تاروں کے غبار نے رات کا سرمئی رنگ اکھاڑ دیا تھا۔

لانچ فن آئی لینڈ کی طرف بڑھتی رہی۔ اب حمید سوچ رہا تھا کہ وہاں پہنچ کر وہ اس کو عمارت تک کیسے لے جائے گا۔

ابھی اس نے آدھا راستہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ پیچھے سے ایک لانچ آ کر اس کے برابر ہی چلنے لگی۔

''واہ دوست......تم نے سچ مچ کمال ہی کر دیا۔'' اس پر سے آواز آئی۔

''مگر کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''محنت کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ تم خوش کر دیئے جاؤ گے۔ مگر کیا وہ بیہوش ہے؟''

''جس وقت میں نے اُس کار کے ڈکے میں ٹھونسا تھا اس وقت تو بیہوش ہی تھا۔ اب نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔''

''ایسا نہ کہو پیارے......اس کی موت سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''

''لیکن اگر مر ہی گیا تو۔''

''تب پھر ہمیں گھنٹوں اس مسئلہ پر غور کرنا پڑے گا۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ دونوں لانچیں جزیرے کی طرف بڑھتی رہیں۔

پھر جیسے ہی وہ ساحل سے لگیں دوسری لانچ سے تین آدمیوں نے اُتر کر حمید کو گھیر لیا۔ راجو نے کہا۔ ''تم لوگ تھیلے کو اٹھاؤ۔''

''ہرگز نہیں......!'' حمید غرایا۔ ''پہلے دس ہزار میرے ہاتھ پر رکھ دو۔''

''اُف فوہ! اتنی بے صبری۔'' راجو ہنسنے لگا۔

''اپنا وعدہ یاد کرو۔''

''میں نے یہ کب کہا تھا کہ ساحل ہی پر معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔ تم شاید بھول رہے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ جس وقت تم اس عمارت میں اسے لاؤ گے دس ہزار ادا کر دیئے جائیں گے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا تم خود ہی اسے عمارت تک نہیں لے جا سکتے؟''

''دیکھو دوست......!'' راجو اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ہم اپنا اطمینان کئے بغیر اتنی بڑی رقم کیسے دے سکتے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب صاف ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہاں چل کر ہم دیکھیں گے کہ تم نے ہمیں دھوکہ تو نہیں دیا۔''

''اوہ......اچھا چلو۔ تم سمجھتے ہو شاید میں بھٹی کے علاوہ اور کسی کو اٹھا لایا ہوں۔''

''میری جگہ تم ہوتے تو کیا سوچتے۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں بھی اطمینان کئے بغیر اتنی بڑی رقم کبھی نہ دیتا۔''

''گڈ......اچھا تو اب چلو۔''

لانچوں کو وہیں چھوڑ کر وہ چاروں بستی کی طرف چل پڑے۔ تھیلے کو دو آدمیوں نے اٹھا رکھا تھا۔

عمارت میں داخل ہو کر راجو نے صدر دروازہ بند کر دیا اور پھر حمید سے بولا۔ ''یار تم بہت کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں مستقل طور پر تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

''اس سے کیا ہوگا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''ہم دونوں ہی بہت زیادہ فائدے میں رہیں گے۔''

وہ ایک کمرے میں آئے اور راجو خاموش ہو گیا۔ یہاں پہلے ہی سے تین آدمی موجود تھے۔ ایک تو داؤد تھا اور اس وقت بھی وہ ڈاڑھی ہی والے میک اپ میں نظر آ رہا تھا۔ دو سفید فام غیر ملکی تھے۔ ان کے داخل ہوتے ہی تینوں کے چہرے چمک اٹھے۔

''کیا رہا۔'' داؤد نے بے صبری سے پوچھا۔

''فتح۔'' راجو نے فخریہ انداز میں کہا۔ تھیلا اتار کر میز پر رکھ دیا گیا اور حمید آگے بڑھ کر اُسے کھولنے لگا۔ تھیلے کا منہ کھلتے ہی راجو نے بیساختہ کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''

تھوڑی ہی دیر بعد بھٹی میز پر چت پڑا ہوا تھا اور اس طرح گہرے گہرے سانس لے رہا
تھا جیسے اُسے بہت بڑی گھٹن سے نجات ملی ہو لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"یہ ہوش میں کیسے آئے گا۔" راجو نے حمید سے پوچھا۔

"خود بخود۔" حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ایک گھنٹہ گذر چکا ہے
اب اسے ہوش میں آجانا چاہئے۔ تم ذرہ وہ کھڑکی کھول دو۔"

"کھڑکی نہیں کھولی جاسکے گی۔" داؤد بولا۔

"ہوا کے بغیر اس کی بیہوشی طویل بھی ہوسکتی ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"کس چیز سے بیہوش کیا تھا۔"

"اب کیا میں دس ہزار میں اپنے راز بھی بتادوں گا۔"

داؤد اُسے گھورتا ہوا خاموش ہوگیا۔ وہ اس وقت بھی اسے پسندیدہ نظروں سے نہیں
رہا تھا۔

حمید جھک کر بھٹی کے چہرے پر رومال جھلنے لگا۔ شائد وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں
بڑبڑائے بھی جارہا تھا۔

کچھ دیر بعد بھٹی کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی اور وہ منہ چلانے لگا پھر کراہ کر کروٹ
وہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔

پانچ منٹ کے اندر ہی اندر بھٹی کو ہوش آ گیا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ
چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم لوگ اپنے مقصد میں ہرگز
نہیں ہوسکو گے۔"

"ہم کامیاب ہوگئے۔" داؤد نے قہقہہ لگایا اور بھٹی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"دیکھو......!" داؤد نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کتنی آسانی سے
بلوالیا گیا حالانکہ تمہاری کوٹھی کے گرد سادہ لباس والوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اس طرح ہم
چاہیں تمہیں قتل کرسکتے ہیں۔"

"نہیں......!" بھٹی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم لوگ مجھ پر ظلم نہیں کرسکتے۔"

"تمہیں یہاں اس لئے نہیں لایا گیا ہے کہ تمہاری پوجا کی جائے گی۔" داؤد ایک زہریلی
سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھانک رہی تھی۔

"اب میرا حساب صاف کردو۔" دفعتاً حمید نے کہا۔

"نہیں ابھی ٹھہرو۔" داؤد نے کہا۔ "ہوسکتا ہے اس آدمی کو قتل ہی کرادینے کی نوبت آجائے۔"

"نہیں نہیں......!" بھٹی بے بسی سی کراہا۔

"قتل کے بیس ہزار۔" حمید کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔ "قتل کے لئے ہمیشہ اغواء کی
رقم کا دوگنا وصول کرتا ہوں۔"

"بیس کیا اس آدمی کے قتل کیلئے چالیس ہزار بھی صرف کئے جاسکتے ہیں۔" داؤد بولا۔

"تب پھر میں ضرور رکوں گا۔" حمید نے کہا اور کرسی کھینچ کر برابر ہی بیٹھ گیا۔

"میں...... میں نہیں...... یہ نہیں...... تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" بھٹی کانپتا ہوا ہکلایا۔

"ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم سے جو کچھ کہا جائے کرو اور اس کے بعد اپنی زبان بند رکھو
ورنہ اس کے خلاف کرنے کا انجام قتل ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا ہم اس پر بھی خاک ڈالنے کو
تیار ہیں، جو تم ابھی تک کرتے رہے ہو۔"

"مم...... میں...... مجبور تھا...... اس نے زبردستی کی تھی...... مجھے بتانا پڑا۔"

"خیر تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم اس سے سمجھ لیں گے...... مگر تم......" داؤد جیب میں ہاتھ
ڈال کر کچھ کاغذات نکالتا ہوا بولا۔ "ان پر اپنے دستخط کردو۔ تم خوب سمجھتے ہو کہ اس کا کیا
مطلب ہے۔ لہٰذا فضول قسم کی گفتگو کر کے وقت برباد نہ کرنا۔"

"مم...... میں سمجھتا ہوں۔"

"پھر شاباش جلدی سے دستخط کردو۔"

"لیکن اگر...... اگر...... اس کے بعد...... تم نے مجھے قتل کردیا۔"

"ہم اتنے احمق نہیں ہیں۔ تمہاری زندگی ہمارے لئے زیادہ مفید ہوگی مگر اُسی صورت

میں جب تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"دستخط کر دینے کے بعد...... کیا میں اپنی زبان سے کچھ نکال سکوں گا۔"

"ٹھیک...... تم بہت سمجھدار ہو۔" داؤد مسکرا کر بولا۔ "دستخط کر دو۔"

بھٹی نے کاغذات میز پر پھیلا دیئے۔ داؤد نے قلم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے

"یہ دستخط تمہارے لئے ایک شاندار مستقبل کا پیام لائیں گے۔"

بھٹی کاغذات پر دستخط کرنے لگا۔ حمید بُری طرح بیتاب تھا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کاغذات کیسے ہیں۔

دو منٹ بعد بھٹی نے کاغذات اور قلم رکھ دیئے اور کرسی کی پشت سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ داؤد نے کاغذات دونوں غیر ملکیوں کی طرف بڑھا دیئے۔ انہوں نے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر ان میں سے ایک دہاڑا۔ "یہ تمہارے دستخط ہیں۔"

"ہاں......!" بھٹی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔" غیر ملکی نے داؤد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ اس کے کاروباری دستخط نہیں ہیں۔"

داؤد کی خونخوار آنکھیں بھٹی کی طرف اٹھیں، جواب بھی کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا ہانپ رہا تھا

ہتھکڑیاں

بھٹی اسی طرح پڑا ہانپتا رہا۔

"کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔" داؤد غرایا۔

بھٹی سیدھا ہو کر بولا۔ "میں کیا کروں۔"

"اتنا کچھ سمجھانے کے باوجود بھی تم ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"لاؤ......!" وہ کاغذات کیلئے ہاتھ پھیلا کر کراہا۔ کاغذات اسے پھر واپس کر دیئے گئے۔

لیکن خلاف توقع بھٹی نے انہیں تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"کیا مطلب......!" داؤد دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"کچھ نہیں بیٹھ جاؤ۔ کھیل ختم ہو گیا۔" بھٹی نے کہا اور اب اس کی آواز سن کر حمید بے ساختہ اچھل پڑا کیونکہ یہ فریدی کی آواز تھی...... سرد اور سفاکی کی جھلکیاں رکھنے والی آواز۔

جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر حمید کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

وہ دونوں غیر ملکی بھی کھڑے ہو گئے اور راجو اپنے ساتھیوں سمیت فریدی کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو۔" بھٹی کے روپ میں فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ راجو اور اس کے ساتھی رک گئے۔ دفعتاً حمید نے دیکھا کہ ایک غیر ملکی جیب سے ریوالور نکال رہا ہے۔

"خبردار۔" حمید نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

"کیا......!" راجو اس کی طرف پلٹ کر بولا۔

لیکن حمید کی نظر اس غیر ملکی ہی کی طرف تھی جس نے ریوالور نکالنے کی کوشش کی تھی۔ پس اب اس کے دونوں ہاتھ میز پر رکھے ہوئے تھے اور وہ حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں نے کہا ہے کہ تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو...... یہ ریوالور بے آواز ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" راجو اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

"میں وہی چاہتا ہوں جو مسٹر بھٹی چاہتے ہیں۔"

"اوہ......!" داؤد پیر پٹخ کر دہاڑا۔ "زیدی نے دھوکا دیا۔"

"نہیں ننھے بچے وہ خود دھوکا کھا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"تم خود کو محفوظ نہ سمجھو۔" داؤد آنکھیں نکال کر بولا۔ "ہم چھ ہیں اور تم صرف دو۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی مسکرایا۔ "شاید تم نے ابھی تک مجھے پہچانا نہیں کسی ایسے آدمی کا ناممکن ہے جو کرنل فریدی کی حفاظت میں ہو۔"

"تم...... تم......!" راجو ہکلایا۔

''تعجب ہے کہ تم مجھے نہیں پہچانتے حالانکہ عام حالات میں میرے سامنے بھاگنے کی کوشش کرتے ہو۔''

''کک...... کرنل!'' راجو ہکلایا۔

''کیا......؟'' داؤد حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

پھر راجو حمید کی طرف مڑا اور حمید مسکرا کر بولا۔ ''اگر تم انہیں کرنل فریدی سمجھتے ہو تو مجھے کیپٹن حمید سمجھنا پڑے گا۔''

''مر گئے۔'' راجو کراہ کر دیوار سے جا لگا۔

''تم فریدی ہو۔'' داؤد نے کہا۔

''اس میں تمہیں شبہ نہ ہونا چاہئے۔'' فریدی مسکرایا۔

داؤد نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔

فریدی کا نام سنتے ہی دونوں غیرملکیوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''کیا تم یہاں سے زندہ نکل سکو گے۔'' داؤد نے فریدی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک بڑی بھیانک لگ رہی تھی۔

''ہاں! اے دودھ پیتے بچے۔ نہ صرف میں زندہ نکلوں گا بلکہ اپنے ساتھ تمہیں ... جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ سامنے والے سوئچ بورڈ پر ڈائنا میٹ کا سوئچ بھی ہے۔ تمہاری ... کی ایک خفیف سی حرکت اس پوری عمارت کے چیتھڑے اڑا دے گی اور میں اس ڈائنامائٹ کے مقصد سے بھی واقف ہوں۔''

''کیا مقصد ہے۔'' داؤد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہی کہ ضرورت پڑنے پر ان ذرات کا ذخیرہ برباد کر دیا جائے۔''

''اوہ...... ہاہاہا۔'' داؤد نے پھر قہقہہ لگایا۔ ''تم...... تم...... بہت ذہین ہو۔ تم ... لوہے کا برادہ دیکھ پایا ہے جسے ہم یہاں اسٹاک کر رہے ہیں۔''

''چلو...... وہ لوہے کا برادہ ہی سہی۔'' فریدی مسکرایا۔ ''لیکن لوہے کے وہ ...

... پورٹ کرنے کے لئے گودی والے گودام میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ ان ... وکھلے گارڈروں میں لوہے کا برادہ کیوں بھرا ہوا ہے۔''

قبل اس کے کہ فریدی کچھ کہتا داؤد اچھل کر سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ گیا۔

''فائر مت کرنا۔'' فریدی نے حمید سے کہا ورنہ اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے ہی والی تھی۔

داؤد نے سوئچ دبا دیا اور دونوں غیرملکی حلق پھاڑ کر چیخے۔ ''نہیں نہیں۔''

''ڈرو نہیں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میرے علم میں آ جانے کے بعد وہ قابل استعمال رہ سکتا تھا۔ تم سب زندہ رہو گے اور ہتھکڑیاں پہنو گے۔''

دفعتاً داؤد نے غصہ سے پاگل ہو کر فریدی پر چھلانگ لگائی۔ حمید پھر ٹریگر دباتے ... لیا۔ اُس نے سوچا کہیں ہاتھ بہک نہ جائے۔

فریدی کرسی سے نہیں اٹھا تھا اس نے بڑی پھرتی سے داؤد کو ہاتھوں پر روک کر دوسری ... ف پھینک دیا۔ ایسا کرتے وقت بڑی میز الٹ گئی اور دونوں غیرملکی بھی چیختے ہوئے دوسری طرف لڑھک گئے۔ میز ان پر ہی گری تھی۔ وہ اس کے نیچے دبے ہوئے چیختے رہے۔ داؤد پھر ... بورڈ کی طرف جھپٹا لیکن راجو اور اس کے دونوں ساتھی دیوار سے لگے بے حس و حرکت پڑے رہے۔

''تم بیکار اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔'' فریدی نے داؤد کے جبڑے پر گھونسہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ وہ پھر دوسری طرف کی دیوار سے جا لگا۔

''ہتھکڑیاں......!'' دفعتاً فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ بائیں جانب والا دروازہ کھلا اور ... آدمی اندر گھس آئے۔ داؤد پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر فریدی پر ... کیا لیکن اب وہ کئی آدمیوں کی گرفت میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں چھ ایسے آدمی نظر آ رہے تھے جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ... حمید نے آگے بڑھ کر داؤد کے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی اور بولا۔ ''میں نے ... ہی وعدہ کیا تھا کہ تمہاری ڈاڑھی پر ہاتھ ضرور پھیروں گا۔ کاش اس وقت تمہاری چچی اماں

بھی موجود ہوتیں۔"

"شٹ اپ......!" داؤد حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ان کی چچی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیوں داؤد! کیا تم مجھے اتنا ہی احمق سمجھ
میں سلیمہ کے اغواء والے معاملے میں الجھ کر تم لوگوں کا پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"کیا مطلب......!" حمید فریدی کی طرف مڑا۔

"یہ ایک شاندار ڈھونگ تھا۔ جن دنوں میں اُن ذرات کے متعلق چھان بین کر
لوگوں کو اس کا علم ہوگیا اور انہوں نے ہماری توجہ دوسری طرف ہٹا دینے کی کوشش کی
لئے شیطان کی محبوبہ تخلیق کی گئی اور سب سے پہلے تمہیں اس معاملے میں الجھایا گیا
خیر...... پھر اس کا اغواء اسی لئے عمل میں لایا گیا کہ پروفیسر شوخ تمہارے خلاف رپو
کرادے...... اور میں تمہیں بچانے کے لئے اس کیس میں الجھ جاؤں۔ یہ صرف اتنا
چاہتے تھے کہ ان ذرات کو باہر بھیجنے میں کامیاب ہوجائیں۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ پھر داؤد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ کاغذ جو اس وقت ہم
میں موجود ہیں انہیں اپنے تابوت میں آخری کیل سمجھو۔"

"تم ہمارے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کرسکو گے۔" داؤد غرایا۔ "زیادہ سے زیا
فریب دہی کا کیس چل جائے گا کیونکہ ہم کھوکھلے گارڈروں میں لوہے کا برادہ بھر دیتے

کیا تم میرے ملک کی ایک بہت بڑی دولت غیر قانونی طور پر ایک دوسرے ملک کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیا وہ ذرات...... اگر انہیں لاسٹیک ایسڈ میں ڈال دیا جائے تو "اِری ڈیم" کے شفاف ذرے نکل آئیں گے یا نہیں؟"

"یہ...... یہ...... غغ...... غلط ہے۔" ایک غیر ملکی ہکلایا لیکن فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ "تم ان ذرات کو باہر بھیجنا چاہتے تھے۔ ایک غیر ملکی فرم سے اس کے لئے معاہدہ بھی ہوگیا تھا مگر معاہدہ تھا لوہے کے گارڈرز کے ایکسپورٹ کا۔ البتہ معاہدہ اُس وقت تک نامکمل سمجھا جاتا جب تک کہ تمہاری فرم کے ایک ڈائریکٹر مسٹر بھٹی کے دستخط اس پر نہ ہوجاتے۔ بھٹی کو تمہاری اسکیموں کا علم ہوگیا تھا لیکن وہ بیچارہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اُن ذرات کی نوعیت کیا ہے۔ اور نہ اُسے یہی معلوم تھا کہ ذخیرے کہاں ہیں۔ اگر بھٹی سچ مچ اس وقت تمہارے ہاتھ پڑ گیا ہوتا تو تم اس وقت تک اسے اپنی حراست میں رکھتے جب تک کہ سارا مال یہاں سے نکل نہ جاتا۔ بھٹی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ذرات یہاں سے بھیجے کس طرح جائیں گے لیکن اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اب کسی نئے معاہدے پر دستخط نہیں کرے گا اور اسے یہ مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ اس لئے تمہیں اس کے اغواء کی بھی ضرورت پیش آئی...... اور تم داؤد...... تمہارے جرائم تو بہت ہی سنگین ہیں۔ اس دوران میں تمہاری اصلیت بھی ظاہر ہوگئی ہے۔ تم کافی عرصے سے ایک غیر ملک کے ایجنٹ کی حیثیت سے یہاں کام کرتے رہے ہو اور دوسرا جرم تو اتنا گھناؤنا ہے کہ تمہیں گولی مار دینے کو دل چاہتا ہے۔ تم اپنے چچا کی بیوی پر متصرف رہے ہو۔ وہ بوڑھا بھی اسے اچھی طرح سمجھتا تھا...... لیکن بدنامی کے ڈر سے اس کی زبان بند تھی۔"

داؤد نے ہنس کر جواب دیا۔ "میں ایک بے حیا اور بے جگر آدمی ہوں۔ میری نظروں میں نہ تو رشتوں کا کوئی احترام ہے اور نہ پھانسی کے پھندے ہی سے ڈرتا ہوں۔ لہٰذا تم خواہ مخواہ اپنی زبان تھکا رہے ہو...... بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں ہار گیا۔"

"مگر وہ شیطان کی محبوبہ ہے کہاں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"باٹم روڈ کے ایک چھوٹے سے بنگلے میں...... بنگلہ نمبر تیرہ۔" فریدی نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد قیدیوں کا جلوس اس عمارت سے نکلا۔ فریدی اور حمید پیچھے تھے۔

"خدارا اب ایک بات اور بتا دیجئے۔" حمید نے کہا۔ "وہ ارجن پور کے فلیٹ والی لڑ
کی کون تھی اور وہ آدمی کون تھا۔"

"بلیک فورس کے دو رکن۔"

"اوہ...... تو کیا اُس بلیک فورس میں غیر ملکی بھی ہیں۔"

"یقیناً ہیں...... لیکن ان کا تعلق ان دوست ممالک سے ہے جس کے اور ہمارے
مفادات مختلف نہیں ہیں۔"

"یہ اریڈیم اپنے یہاں کیسے آ ٹپکا۔"

"ہماری زمین کے سینے میں کیا نہیں ہے مگر ہم مفلس ہیں...... کاہل ہیں...... ہمیں با
بنانی آتی ہیں۔ ہم تقریریں کر سکتے ہیں ایک دوسرے پر اپنی ذہنی برتری کا رعب ڈال
ہیں۔ ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کے لئے اپنی بہترین ذہنی صلاحتیں ضائع کر سکتے ہیں۔
لیکن ہم سے تعمیری کام نہیں ہو سکتے۔"

شیطان اور محبوبہ

سلیمہ بے خبر سو رہی تھی۔ کمرے میں مدھم روشنی والا نیلا بلب روشن تھا۔ دفعتاً ایک کھ
کھلی اور اس میں کسی بہت بڑے بندر کا چہرہ دکھائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ چھوٹ کا
کمرے میں تھا لیکن اس کے جسم پر ایک نہایت نفیس قسم کا سیاہ سوٹ تھا اور پیچھے لمبی سی دم
رہی تھی جس کے سرے پر ایک ننھا سا بلب روشن تھا۔ اس کا چہرہ بندروں کا سا تھا۔ مگر جسم
ہاتھ پیر آدمیوں کے سے تھے۔ اس نے ہولے ہولے سلیمہ کا گال تھپتھپایا۔ وہ جاگ پڑی۔

در نے اسے چیخنے نہیں دیا کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کے منہ پر تھا۔

"ہائیں۔" اس نے کہا۔ "تم شور مچانے جا رہی ہو میری جان۔ اپنے شیطان کو نہیں
پہچانتیں۔"

بندر کی آواز کچھ بھرائی ہوئی سی تھی۔

"ہٹو......!" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھلائی۔ "تم نے مجھے ڈرا دیا داؤد۔"

"کون داؤد! کیا بکتی ہی عورت تو عزرائیل کے سامنے کسی پیغمبر کا نام نہیں لے سکتی۔ مل
ہار تجھے کھا جاؤں گا۔ دیکھو میری دم پر ستارہ چمک رہا ہے۔"

شیطان نے اپنی دم اٹھا کر اُسے وہ بلب دکھایا جو اس کے سرے پر روشن تھا...... سلیمہ
ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"تم بہت شریر ہو گئے ہو۔" وہ اس کی کمر پر دھپ رسید کرتی ہوئی بولی مگر پھر سنجیدگی سے
کہا۔ "کیا تم کچھ بیمار ہو۔ تمہاری آواز اتنی بھرائی ہوئی ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔"

"میں آج کل شوپنہار پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ اسی لئے روتے روتے گلا پڑ گیا ہے۔ تم
اس کی فکر نہ کرو۔ میں اس وقت اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں جہنم کی سیر کرادوں۔ کیا تم نے برنارڈ
شاہ کا ڈرامہ مین اینڈ سپر مین پڑھا ہے۔"

"یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو ڈیئر...... یہ نفرت انگیز خول اپنے چہرے سے
اتار دو...... آدمی بنو۔"

"آدمی شیطان بن سکتا ہے لیکن شیطان کبھی آدمی نہیں بن سکتا۔"

"داؤد......!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح ٹھنکی۔

"پھر وہی نام...... میں صرف شیطان ہوں...... جوانی چچی......!"

"شٹ اپ...... تم گدھے پن کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔

"گدھوں میں آدمیت نہیں ہوتی اسی لئے مجھے گدھے پسند ہیں۔"

"کیا تم نشے میں ہو داؤد۔"

"نہیں شائد تم نشے میں ہو۔" شیطان نے اپنے چہرے سے بندر کا خول اتار
ہوئے کہا۔

سلیمہ کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور وہ مسہری پر گر کر ہانپنے لگی۔ کیپٹن حمید
کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا اس نے بلٹ سے دم الگ کی اور اسے ایک طرف
ہوا بولا۔ "تم جیسی عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ مگر کھیل ختم ہو چکا ہے
وغیرہ اس وقت حوالات میں ہیں اور اری ڈیم کا ذخیرہ ہمارے قبضے میں ہے۔"

وہ اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی۔ مسہری پر لیٹے ہی لیٹے اس نے انگڑائی لی اور
بولی۔ "کیپٹن! تم اتنے بدھو کیوں ہو۔ کیا تم اتنے ذہین نہیں ہو کہ موقع سے فائدہ اٹھا سکو"

"نہیں! میں بالکل بدھو نہیں ہوں۔" حمید نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ "میں موقع سے
فائدہ ہی اٹھانے کے لئے آیا ہوں۔"

"پھر...... وہ الماری کھول کر اسکاچ کی بوتل نکالو۔" اس نے پھر انگڑائی لی۔ "بابر بعیش
کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔"

"پہلے میرا ایک حقیر تحفہ قبول کر لو ڈارلنگ۔" حمید نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالتے
ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لئے جڑاؤ کنگن لایا ہوں۔"

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکل پڑا۔

"تم مذاق کر رہے ہو...... ڈیئر۔" وہ اٹھلائی۔

"خاموشی سے اسے پہن لو۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اپنے ہاتھ آگے بڑھاؤ"

"نہیں......!" وہ پھر خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"یقیناً میں تمہارے ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے پیدل کوتوالی تک لے جاؤں گا۔
صرف گیارہ بجے ہیں۔ سڑکیں جگمگا رہی ہیں اور......!"

"نہیں...... خدا کے لئے نہیں۔"

"شیطان کی محبوبہ کو خدا سے کیا سروکار۔ شاید تم نشے میں ہو۔"

"کیپٹن!" وہ اسکا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "اس طرح بے عزت نہ کرو۔"

"اوہ...... تم تو ایک دلیر عورت ہو۔ تم جو اپنی پنڈلی میں اپنے ہی ہاتھوں سے پوری سوئی
پیوست کر لیتی ہو۔ ہو سکتا ہے عدالت تمہیں بری بھی کر دے مگر میں تو اس وقت تمہیں ایک آوارہ
کتیا کی طرح کھینچتا ہوا لے جاؤں گا۔"

"کیپٹن......!" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔

"شریف عورتوں کے آنسوؤں پر میں اپنا گلا بھی گھونٹ سکتا ہوں۔ تم شاید مجھے کوئی
عیاش آدمی سمجھتی تھیں اسی لئے مجھے متوجہ کرنے کے لئے وہ ڈرامہ اسٹیج کیا تھا...... لیکن ......
چلو...... ہتھکڑیاں پہن لو...... مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو...... میں صرف عورتوں سے دوستی کا شائق
ہوں...... عیاش نہیں۔"

حمید نے اس کے ہتھکڑیاں لگا دیں...... اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 65

انوکھے رقاص

(مکمل ناول)

حرفِ اوّل

ایک بڑا آرٹسٹ ایک عظیم فنکار یا مفکر اپنے دور کا نمائندہ بھی ہوتا ہے، ترجمان بھی ہوتا ہے اور خالق بھی۔ ابن صفی نے اپنے مخصوص انداز تحریر سے اردو میں ایک نئے دور کی تخلیق کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن کی ہمیشہ سے یہ بھی خصوصیت رہی ہے کہ موجودہ مسائل کی بنیاد پر انہوں نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ کسی خشک ریاضی داں کی طرح مسئلے گنوا کر یا کسی نقارچی کی طرح چیخ چیخ کر انہوں نے کسی مسئلہ کو نہیں چھوا بلکہ ایک سچے حسن کار کی طرح انہیں خوبصورت اور ڈھنگ سے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا سلیقہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے جہاں نفسیاتی نکتے سامنے رکھے، تجزیئے کئے اور تحلیل نفسی کے گر بتائے وہاں انہوں نے امن پر مغربی ممالک کی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور تباہ کن ایجادات پر بھی اپنے خیالات پیش کر کے رہنمائی کا حق ادا کیا!

موجودہ دور کا سب سے زیادہ بھیانک مسئلہ وہ تجربے ہیں

جنہوں نے انسانی زندگی میں زہر بھر دیا ہے۔ مشرق کے ہر گوشے سے نت نئی بیماریوں کی خبریں بیماروں کی تعداد مرنے والوں کی تفصیل ان ایٹمی اور ہائیڈروجنی تجربوں کا نتیجہ ہے۔ آج ساری انسانیت کراہ اٹھی ہے۔ شرافت، امن اور زندگی و اخلاق کے علمبردار ممالک ان تجربوں کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ ابن صفی کو بھی ایک فن کار کی حیثیت سے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان تجربوں کے خلاف آواز بلند کریں۔ یہ آواز ''انوکھے رقاص'' کے ابتدائی صفحات میں اُبھری ہے۔ اس میں اتنی گہرائی اتنی شدت اور اتنا نوکیلا پن ہے کہ آپ اسے بھول نہیں سکتے۔ اُن کا یہ پیمبرانہ جملہ:

> ''جب ایک آدمی پاگل ہوجاتا ہے تو اُسے پاگل خانے میں کیوں بند کردیتے ہیں اور جب پوری قوم پاگل ہوجاتی ہے تو طاقتور کیوں کہلانے لگتی ہے۔''

فاشتی تکنیک اور مغرب کے استبدادی نظام پر اس سے بہتر طنز ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کے جملے ''انوکھے رقاص'' میں بہت جگہوں پر آپکو ملیں گے۔ ان میں ''روح عصر'' (Zeitgeist) کی جلوہ گری ہے اور اسے دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ابن صفی صرف ناول نگار ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مفکر بھی ہیں۔

کہانی کے اعتبار سے اس ناول کو حمید کا ہی کارنامہ کہنا مناسب ہوگا۔ اس کی دلچسپی، اس کے قہقہے اور آخر میں اس کا چونکا دینے والا اختتام اسی انوکھے انداز کا ہے جس کیلئے ابن صفی مشہور ہیں۔

پبلشر

لڑکی کا حمایتی

سورج دور کی پہاڑیوں میں جھک رہا تھا اور نارنجی رنگ کی دھوپ میں خنکی سی پیدا ہوگئی
-ادھر کچھ دنوں سے بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ موسم صرف دن ڈھلے ہی اس قابل ہوتا تھا
وگ باہر نکل سکیں۔ شامیں اچھی گذرتیں اور راتیں حسب معمول ویسی ہی ہوتیں جن کے
رام گڈھ خاص طور سے مشہور تھا، لیکن دن میں اتنی گرمی رام گڈھ کے لئے بالکل نئی چیز
-وہاں کے باشندوں کا کہنا تھا کہ ان کے ہوش میں اتنی سخت گرمی نہیں پڑی۔

بہرحال میدانوں سے آئے ہوئے لوگ سوچ رہے تھے کہ اگر پورا سیزن اسی طرح گذرا
اچھے خاصے احمق کہلائیں گے۔ کیونکہ گرمی ہی سے بھاگ کر انہوں نے رام گڈھ کی
ب پہاڑیوں میں پناہ لی تھی۔

وہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کا تجربہ کرنے والوں کو گالیاں دیتے، جن کی وجہ۔ سے ساری
ملک غیر متوقع موسمی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں، زہریلی ہوائیں چلنے لگی تھیں اور ایسی
ل ہونے لگی تھیں جن کے پانی سے جسم پر آبلے پڑجاتے تھے۔ طرح طرح کی وبائی

بیماریاں پھیلتی تھیں۔ وہ بڑی طاقتوں کے نام کو روتے جو محض ایٹمی تجربات سے ایک
مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن بھگتنا انہیں بھی پڑ رہا تھا جو ''طاقت'' یا ''نا
سے بھی سروکار نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

رام گڈھ کا نچلا طبقہ تو گویا بے موت مر رہا تھا۔ اُس کی روزی کا ذریعہ دراصل
ہوتے تھے جو سیزن میں باہر سے آتے تھے لیکن ایسے موسم میں تفریح کی کسے سوجھتی
تفریح بند اور رام گڈھ کے قلیوں کی آمدنی بند۔ سیزن ہی میں جو کچھ کماتے وہی
ایام میں بھی ان کے کام آتا۔ لیکن اب وہ سوچ رہے تھے کہ اگر سارا سیزن ایسا ہی
سردیاں نہ دیکھ سکیں گے۔ وہ اسے خدا کا غضب اور اپنے گناہوں کا ثمرہ تصور کرتے
اور ہائیڈروجن بموں کے تجربات ان کی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ
آدمی پاگل ہو جاتا ہے تو اسے پاگل خانے میں کیوں بند کر دیا جاتا ہے اور جب کوئی
ہو جاتی ہے تو ''طاقتور'' کیوں کہلانے لگتی ہے۔

رام گڈھ کے قلی یہ نہیں سوچ سکتے تھے لیکن کیپٹن حمید یہی سوچ رہا تھا۔ کیونکہ
بہانہ کر کے وہ فریدی کو یہاں تک دھکیل لایا تھا اور اب فریدی اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

''جو کچھ تمہارے مقدر میں ہے۔'' وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ ''کہیں بھی جاؤ پورا
گا۔ تم نے خواہ مخواہ میری چھٹیاں برباد کرائیں۔ میں نے چھٹی صرف اسی لئے لی تھی
کروں گا۔ بہت دنوں سے مطالعہ کے لئے وقت نہیں نکال سکا تھا۔''

''اچھا آپ مطالعہ کیجئے، میں منہ کالا کرتا ہوں۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''یہ بھی
ہے کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہو۔''

''زندگی دراصل یہی ہے حمید صاحب۔'' فریدی نے کہا اور ہاتھ میں دبی ہوئی
کے اوراق الٹنے لگا۔ لیکن وہ کتاب کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر کھڑکی سے
دور ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔

''میں کب کہتا ہوں کہ آپ زندہ نہ رہئے۔ مگر کم از کم مجھے تو مرنے دیجئے۔''

لا کر کہا۔

''میں نے یہی پروگرام بنایا ہے کہ ہم دونوں ساتھ ہی مریں گے۔''

''لیکن اس طرح میں مر بھی نہیں سکوں گا۔ اگر آپ نے ملک الموت کو زندگی پر لیکچر پلانا
شروع کر دیا تو میں بور ہو کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں گا۔''

''تم کھسکو یہاں سے۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں نے تمہیں روکا نہیں ہے۔ مگر تم
اس لڑکی سے نہیں ملو گے، جو اپنے جوڑے میں گلاب لگاتی ہے۔''

''اگر وہ جوڑے میں گلاب لگانا چھوڑ دے تو۔''

''بکواس مت کرو۔ گلاب کی بات نہیں ہے۔ کل ایک آدمی تمہیں کینہ توز نظروں سے
دیکھ رہا تھا جب وہ تمہاری میز پر آئی تھی۔''

''اوہ...... تو میں ایک آدمی کے ڈر سے اس لڑکی سے ملنا چھوڑ دوں گا۔''

''نہیں......!'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تم عورتوں کے
لئے لفنگوں کی طرح جھگڑا کرتے پھرو۔''

''ارے بس رہنے دیجئے۔'' حمید نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

سورج اب غروب ہو چکا تھا اور افق میں کئی رنگوں کے لہریئے نظر آنے لگے تھے۔ ان
دونوں کا قیام یہاں کے سب سے بڑے ہوٹل پیراڈائز میں تھا۔

حمید کمرے سے نکل کر سیدھا اس باغ کی طرف ہو لیا تھا جہاں شام کی تفریحات کے
لئے میزیں لگائی جاتی تھیں۔

اس کا موڈ فریدی کے الجھنے کے باوجود بھی خراب نہیں ہوا تھا اور پھر یہ کوئی نئی بات بھی
نہیں تھی۔ فریدی ہر وقت ہی لڑکیوں کے متعلق اُسے بور کرتا رہتا تھا اور اب تو یہ حال ہو گیا تھا
کہ اگر کوئی دن خالی جانے والا نظر آتا تو حمید خود ہی ایسے تذکرے چھیڑ دیتا کہ لڑکیوں کی بات
نکل آتی۔

باغ کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے دو چار گہری سانسیں لیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

رقص کے میدان کے چاروں طرف لاتعداد میزیں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں عموماً کھلے ہا
ہوا کرتے تھے۔ رقص گاہ کا فرش پختہ اور بہت چکنا تھا۔ اس کے چاروں طرف بڑی خو
سے باغات ترتیب دیئے گئے تھے جن کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہیں باغا
دوسری تفریح گاہیں بھی تھیں۔ نہانے کے لئے پختہ تالاب، ٹینس کورٹس اور ان کے علاو
بیرون خانہ تفریحات کی جگہیں۔

رقص گاہ میں حمید کی میز مستقل طور پر "مخصوص" تھی۔ لیکن وہ سیدھا اپنی میز کی ط
گیا۔ اُسے حقیقتاً اس لڑکی کی تلاش تھی جس کے متعلق ابھی ابھی فریدی سے جھڑپ ہو چ
اس ہوٹل میں قیام کرتے ہی اُس لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی بالکل ا
پر۔ ایک رات حمید اس سے رقص کے لئے درخواست کر بیٹھا تھا اور پھر ان میں جان پ
تھی۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں وہ حمید کو غیر معمولی طور پر دلچسپ اور دلکش معلوم ہوتی
کا نام زوبیا تھا۔ دیسی ہی تھی۔ مگر حمید نے اس کی قومیت کے بارے میں استفسار نہیں
اس کا خیال تھا کہ عورت بجائے خود ایک قوم ہے، مردوں کی طرح اُسے رنگ و نسل
سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس کا نظریہ تھا۔ لیکن وہ نظریئے پر بحث کرنے سے ہمیشہ ک
تھا۔ بہرحال اس نے زوبیا سے اس کے مذہب یا قومیت کے بارے میں کچھ نہیں پوچھ
وہ یہاں تنہا ہی مقیم تھی اور اس نے حمید کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا تھا کہ ا
زوبیا ہے اور وہ سیزن گزارنے کے لئے یہاں آئی ہے اور نہ اس نے بتایا کہ وہ کہاں
تھی اور نہ یہی بتایا کہ وہ خود مختار تھی یا والدین کی پابند۔ عمر بمشکل بیس سال ہوگی اور حمید
تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے۔

اس سے حماقتیں بھی سرزد ہوتی تھیں...... دلچسپ حماقتیں اور اُن میں اتنی بڑ
تھی کہ حمید انہیں تصنع سمجھنے پر تیار نہیں تھا۔ ویسے عام طور پر اس کی حرکات و سکنات سے
ظاہر ہوتا۔ صورت و شکل غیر معمولی نہیں تھی۔ بس وہ جوان تھی...... اور لڑکی...... ایسے
کر گھنٹوں گفتگو کرنے پر بھی حمید اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ یہی سب سے بڑی خوبی تھی

وہ اُسے رقص گاہ میں تلاش کرتا رہا۔ لیکن وہ نظر نہیں آئی۔ آخر تھک ہار کر اپنی میز پر
آ بیٹھا۔ درختوں کی شاخوں سے الجھے ہوئے رنگارنگ برقی قمقمے روشن ہو چکے تھے اور لاؤڈ سپیکر
پر مقامی دستکار اداروں کے اشتہارات نشر کئے جا رہے تھے۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھری اور اُسے سلگانے ہی جا رہا تھا کہ لاؤڈ سپیکر پر نشر کئے
جانے والے ایک اعلان نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

"رقاصوں کی پارٹی" معلن کہہ رہا تھا۔ "یہ ساری دنیا میں اپنے طرز کے انوکھے رقاص
ں۔ حیرت انگیز اور ہوش اڑا دینے والے۔ کل سے آپ ان کے پروگرام پیراڈائیز میں
یکھیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسے حیرت انگیز کمالات آپ نے آج تک نہ دیکھے ہوں گے۔
فصیلات کا انتظار کیجئے۔"

حمید نے پائپ سلگایا اور فضا میں دھوئیں کے لہریئے بکھیرتا ہوا کرسی کی پشت سے ٹک
گیا۔ اس وقت موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ دن کی تپش سے بچنے کے لئے کمروں میں بند ہو کر
ھنے والوں کے نزدیک اس وقت تاروں بھرا آسمان بڑی کشش رکھتا تھا اور وہ خود کو جنت ہی
ں محسوس کر رہے تھے۔

حمید نے کچھ دیر بعد پائپ کی راکھ جھاڑ کر آئس کریم کا آرڈر دیا۔ اسی وقت مائیکروفون
ضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگا۔ معلن کہہ رہا تھا "مردہ رقاصوں کی ٹیم آپ کو حیرت زدہ
کردے گی۔ اتنا تیز ایکشن آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا...... یاد رکھئے..... مردہ رقاص...... جو
قص سے پہلے اپنی جگہوں سے ہل بھی نہیں سکتے۔ رقص کی حالت میں آندھیوں اور طوفانوں
کے منہ پھیر دینے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ایک بار پھر سنئے...... مردہ رقاص......!"

حمید نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ مائیکروفون خاموش ہو چکا تھا اور اب پھر سریلے قہقہوں
کے ساتھ پہاڑی جھینگروں کی "ریں ریں، ٹیں ٹیں" شروع ہو گئی تھی۔

اُسے گھٹیا قسم کی اشتہار بازی سے بڑی نفرت تھی اور وہ اسے کم از کم پیراڈائز کے شایان
شان نہیں سمجھتا تھا۔

کچھ دیر بعد آئس کریم آ گئی اور ٹھیک اسی وقت اس کی نظر زوبیا پر پڑی۔ وہ ا
کے قریب ہی سے گذر کر گئی تھی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے اس نے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔
وہ بیٹھا آئس کریم کھاتا رہا۔

زوبیا نارنجی ساری میں بہت بچ رہی تھی۔ حمید نے اسے یوں ہی بے مقصد ادھر ادھر
چکراتے دیکھا۔ شاید اسے کسی کی تلاش بھی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس نے حمید کو یہی بتایا تھا
اس کے علاوہ یہاں اور کسی سے اس کی جان پہچان نہیں ہے۔

حمید نے سوچا کہ وہ آئس کریم ختم کر کے ہی اٹھے گا۔ ایک بار اس نے یہ بھی محسوس کیا
کہ زوبیا اسے دیکھ چکی ہے۔ پھر کیا وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی؟ یہ بھی اس کی دانست میں
ناممکن ہی تھا۔ وہ تو ہمیشہ خود ہی لپک کر اس کی طرف آتی تھی۔

حمید نے آئس کریم ختم کی اور اٹھ گیا۔ زوبیا اب بھی بیٹھی نہیں تھی بلکہ ایک گوشے میں
ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی، جو کاغذ کے بڑے غبارے کو اڑانے کیلئے اسمیں آگ لگا رہے تھے
حمید اس کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن زوبیا اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوئی۔
حمید سمجھا شاید یہ بھی کسی قسم کا غمزہ ہو گا۔ لیکن جب وہ بالکل ہی بے تعلقی ظاہر کرتی رہی تو
حمید نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"جی......!" وہ اس طرح چونکی جیسے اُسے وہاں اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"جی......!" اب اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ وہ چند لمحے حمید کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے
دیکھتی رہی اور پھر بولی۔ "معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

حمید کو ہنسی آ گئی اور اس نے کہا۔ "بڑی اچھی ایکٹنگ کر لیتی ہیں آپ......!"

"آپ ضرورت سے زیادہ بدتمیز معلوم ہوتے ہیں۔" زوبیا نے آنکھیں نکال کر
کہا۔ "ہماری کب کی جان پہچان ہے۔"

اس لہجے پر حمید سچ مچ شرمندہ ہو گیا۔

"معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے کہا اور ایڑیوں پر گھوم گیا۔
غصہ کے مارے اس کا حال بُرا ہو رہا تھا۔ وہ پھر اپنی میز پر آ بیٹھا اور کچھ ایسے انداز میں
پائپ بھرنے لگا جیسے ریوالور میں کارتوس چڑھا رہا ہو۔ زوبیا اب بھی وہیں کھڑی تھی لیکن اب
کبھی کبھی اس کی نظر حمید کی طرف بھی اٹھ جاتی تھی لیکن اسی طرح جیسے اُسے بھی اس پر غصہ
آ گیا ہو۔

اچانک ایک لحیم شحیم آدمی آ کر حمید کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

حمید نے سر اٹھا کر اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"کیا وہ کوئی لاوارث لڑکی ہے۔" آنے والے نے کہا اور اس کی سرگوشی کسی سانپ کی
پھنکار سے کم نہیں تھی۔

"کیا مطلب......!" حمید بھی کسی غصیلے بھیڑیئے کی طرح غرایا۔

"اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ میں کئی دن سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"جاؤ اپنی راہ لو...... میرا دماغ نہ خراب کرو۔"

"اگر تم نے اسے چھیڑا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

حمید نے پھر اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ ایک کافی مضبوط آدمی معلوم ہوتا تھا۔ قد حمید کے قد
سے بھی کچھ نکلتا ہوا تھا اور کلائیوں کی ہڈیاں بہت چوڑی تھیں۔ پیشانی پر کئی جگہ چوٹ کے
نشان تھے۔

"تم کیوں بکواس کر رہے ہو۔" حمید پائپ پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ...... تم کیچوے میرا مقابلہ کرو گے۔" اُس نے تمسخر آمیز انداز میں کہا ہی تھا کہ حمید
کا الٹا ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن اس کا جوابی حملہ بڑا شدید تھا یہ اور بات ہے کہ اُسے میز پر ڈھیر ہو جانا پڑا۔ کیونکہ
اس کے آگے بڑھتے ہی حمید نے میز میں ٹھوکر ماردی تھی۔ دوسری بار حمید نے اُسے بالوں سے

پکڑ کر سیدھا کیا اور اس کے ہاتھ اٹھنے سے پہلے ہی ٹھوڑی پر ایک مکا جڑ دیا۔ وہ اُسے
موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ حمید نے سوچا کہ اب بات بڑھ جائے گی لہٰذا
کم فریدی کے عتاب سے بچنے کا انتظام تو کر ہی لینا چاہئے۔ لوگوں کے قریب پہنچنے سے
ایک بار پھر وہ اس سے لپٹ پڑا۔ اور پھر انہیں دوسروں ہی نے الگ کیا۔

"یہ گرہ کٹ ہے۔" حمید نے دوبارہ اس پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جھوٹے...... دغا باز...... خاموش رہو۔"

"اس نے میری جیب سے پرس نکالا ہے۔" حمید نے للکار کر کہا۔ "وہ اس کے پاس
موجود ہے۔"

لوگوں نے دراز قد آدمی کے گرد گھیرا ڈال دیا اور دونوں میں تکرار ہوتی رہی۔ پھر حمید
دوسروں کو مخاطب کر کے کہا۔ "آپ لوگ اس کی تلاشی کیوں نہیں لیتے۔ میرے پرس میں
تصویر اور تین سو پچھتر روپے تھے۔"

دراز قد آدمی نے جھلا کر جامہ تلاشی کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور
آدمی اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ پھر بھلا یہ کہاں ممکن تھا کہ اس کی جیب سے حمید کا پرس
ہوجاتا۔ فریدی کے عتاب سے بچنے کا صرف یہی ایک طریقہ اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

پرس سے سچ مچ تین سو پچھتر ہی نکلے اور اس میں حمید کا ایک فوٹو بھی موجود تھا۔

"پولیس کے حوالے کرو...... پولیس کے حوالے کرو۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

"نہیں بس اتنا ہی کافی ہے۔" حمید بولا۔ "میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے
عدالتوں میں حاضری دیتا پھروں۔ آپ لوگ براہِ کرم اسے جانے دیجئے۔"

دراز قد آدمی خاموش کھڑا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم
تھا جیسے وہ پاگل کر دینے والی الجھنوں میں گرفتار ہوگیا ہو۔

حمید اپنا پرس سنبھال کر پیچھے ہٹ آیا۔ دراز قد آدمی کے چہرے پر کئی خراشیں آئی

کہنی سے خون رس رہا تھا۔

"ہم تو پولیس کو ضرور اطلاع دیں گے۔" ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"لیکن میں اسے تسلیم نہیں کروں گا کہ پرس میری جیب سے نکالا گیا تھا۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"ہاں میں عجیب آدمی ہوں۔ براہِ کرم مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔"

اب ان لوگوں نے حمید کو گھیر لیا اور دراز قد آدمی کی طرف ان کی توجہ ہٹ گئی۔ حمید نے
سوچا یہ نئی مصیبت آئی۔ لیکن اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے وہ ترکی بہ ترکی انہیں جواب دیتا
رہا۔ اور پھر جب ان لوگوں کو گرہ کٹ کا دھیان آیا تو اُس کی طرف مڑے۔

مگر...... اب وہ کہاں تھا؟ اس موقع کو مناسب سمجھ کر وہ پہلے ہی کھسک گیا تھا۔ لوگ اس
پر اور زیادہ بگڑے اور سارا نزلہ حمید پر گرنے لگا۔

پھر وہ حمید کی تاویلات سے مطمئن ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں لیکن انہیں اسکے پاس سے
ہٹ ہی جانا پڑا۔ وہ حمید کو اسکی قانون شکنی پر بُرا بھلا کہتے ہوئے اپنی اپنی میزوں پر چلے گئے۔

زوبیا قریب ہی کھڑی حمید کو گھور رہی تھی لیکن اس سے نظر ملتے ہی حمید نے دوسری طرف
منہ پھیر لیا۔ اس کے سکڑے ہوئے ہونٹ چیخ چیخ کر اعلان کر رہے تھے کہ وہ زوبیا کی شکل بھی
نہیں دیکھنا چاہتا۔

کچھ دیر بعد وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ مگر حمید فریدی کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ ذرا کچھ ہٹ کر
اس کے پیچھے موجود تھا۔ جب حمید کے پاس سے بھیڑ ہٹ گئی تو اس نے آہستہ سے اُسے آواز
دی۔ حمید چونک کر مڑا لیکن فریدی وہیں کھڑا رہا۔

حمید اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

"کیا قصہ تھا......؟" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... نہ جانے کون لفنگا تھا اور اس نے چاہا تھا کہ میری جیب پر ہاتھ صاف
کر دے۔"

''ہاں......آں...... میں نے بھی تمہارا پرس اس کی جیب سے برآمد ہوتے دیکھا'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید کو گھورتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''تم مجھے کہیں اور کہ میں بھی چین نہیں لینے دیتے۔''

''ارے واہ......!'' حمید تنک کر بولا۔ ''کیا میں اپنی جیب صاف کرالیتا۔ ایسی شرا لعنت بھیجتا ہوں۔''

''تمہاری شرافت میں نے بغور دیکھی تھی۔''

''اوہ......!'' حمید بغلیں جھانکنے لگا۔

''تم اب حد سے زیادہ لفنگے پن پر اتر آئے ہو۔ میں اسے برداشت نہیں کر عورتوں کے لئے غنڈوں کی طرح لڑتے پھرو۔''

''پھر میں کیا کرتا......وہ کم بخت تو جان کو آ گیا تھا۔''

''میں نے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔''

''اوہ......تو یہ وہی آدمی تھا جس کا تذکرہ آپ نے کیا تھا......؟''

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑ گیا۔

حمید آہستہ آہستہ اپنا سر سہلاتا رہا اور زوبیا اب اُسے دوسری جگہ سے گھور رہی تھی۔

خونخوار بطخ

حمید رات گئے تک جاگتا رہا اور کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کی زندگی میں زوبیا پہلی جس نے خود ہی اس سے کنارہ کیا تھا۔ وہ بھی ایسے انداز میں جو حمید کے لئے قطعی تھا......کل تک یہی لڑکی ہوٹل کی تفریح گاہوں میں خود اُسے تلاش کیا کرتی تھی...... مگر نے اُسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔

کبھی کبھی اُس کے ذہن میں اس آدمی کی نفرت انگیز تصویر بھی ابھرتی جس سے زوبیا سلے پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ مگر ان دنوں وہ اس سے کیوں نہیں الجھا تھا جب وہ اور زوبیا گھنٹوں ی تفریح گاہوں میں نظر آیا کرتے تھے۔ وہ صرف انہیں کینہ توز نظروں سے دیکھنے ہی پر ں اکتفا کرتا تھا اور آج جب زوبیا نے اُسے پہچاننے ہی سے انکار کر دیا تو وہ اس طرح رایا۔ کیا وہ دونوں ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعلق رکھتے تھے؟

کسی نہ کسی طرح اُسے نیند آ گئی اور رات بھر گرہ کٹ اس کی جیبیں صاف کرتے رہے۔ وہ رات بھر اسی واقعہ کے متعلق خواب دیکھتا رہا۔ پتہ نہیں لاشعور کی کون سی گرہ اس واقعے ے متاثر ہوئی تھی۔

دوسری صبح تالاب میں نہاتے وقت وہ آدمی پھر نظر آیا لیکن حمید کو اسے پہچاننے میں بڑی واری پیش آئی۔ اُس نے اپنی گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں صاف کر دی تھیں۔ حمید نے سوچا لن ہے ان لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے اس نے ایسا کیا ہو جنہوں نے پچھلی رات سے ایک گرہ کٹ کے روپ میں دیکھا تھا۔

حمید بظاہر اُسے نظر انداز کر کے تالاب میں تیرتا رہا۔ لیکن حقیقتاً اس کی طرف سے غافل یں تھا۔ وہ آدمی بھی غسل کر رہا تھا کئی بار وہ تیرتا ہوا حمید کے قریب سے بھی گذرا لیکن وہ خود ی حمید سے بے تعلق سا نظر آ رہا تھا۔

کچھ لڑکیاں تالاب میں ڈائیو کر رہی تھیں چونکہ حمید کو اب کسی نئی دوست کی تلاش تھی اس لئے اس نے سوچا کہ اُسے بھی ڈائیونگ میں حصہ لینا چاہئے۔ لڑکیوں کے علاوہ کچھ مرد بھی ڈائیو کر رہے تھے۔

حمید نے دیکھا کہ ڈائیو کرنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو چھلانگ لگا کر فضا میں قلابازیاں کھاتا ہوا غوطے لگا سکے۔

وہ سیڑھیوں کے قریب آیا کچھ دیر تک گھاس پر بیٹھا رہا۔ پھر اوپر چڑھنے لگا۔ لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں کیونکہ ڈائیو کرنے والوں میں ایک نئے آدمی کا اضافہ ہو رہا تھا۔ حمید

نے چھلانگ لگا کر ایک قلابازی کھائی اور تماشائی تالیاں بجانے لگے۔ حمید کسی مچھلی کی طر[…]
کی سطح پر ابھرا اور تالاب کا چکر لگاتا ہوا پھر سیڑھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن اس بار ایک[…]
نے بھی چھلانگ لگا کر فضا میں ایک قلابازی کھائی۔ پھر اُس لڑکی نے باقاعدہ طور پر اس[…]
مقابلہ شروع کر دیا لیکن وہ تین قلابازیوں سے آگے نہ بڑھ سکی اور حمید نے پانچ قلابازیو[…]
بعد اعلان کر دیا کہ ''اتنی اونچائی سے پانچ قلابازیوں سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔''

وہ تالاب سے نکل کر اپنی چھتری کے نیچے آلیٹا۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی اس کی طر[…]
دکھائی دی جس نے اُس سے ڈائیونگ میں مقابلہ کیا تھا۔ حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آپ بڑے شاندار رہے۔'' اُس نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک […]
لڑکی تھی۔ متناسب الاعضاء اور بہت دلکش۔ اس کے بال سرخی مائل بھورے تھے اور آ[…]
گہری نیلی تھیں۔

''مجھے زیادہ مشق نہیں ہے۔'' حمید نے خاکساری ظاہر کی۔

''میرے خدا......!'' لڑکی تحیر آمیز تمسخر کے ساتھ بولی۔ ''زیادہ مشق کی صورت
آپ اڑتے پھریں گے۔''

حمید نے شرمانے کی ایکٹنگ شروع کر دی۔

''آپ کہاں سے آئے ہیں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''گھر سے...... اُرررر...... میرا مطلب ہے نصیر آباد سے۔''

''مجھے ڈالی پرکنس کہتے ہیں......!'' لڑکی مسکرا کر بولی۔

''مم...... میں...... پرویز ہوں۔'' حمید ہکلایا۔

انہوں نے معمول کے مطابق ہوٹل کے رجسٹر میں فرضی نام درج کرائے تھے۔

''کیا کرتے ہیں؟''

''مم...... میں...... شکاری ہوں۔''

''شکاری......!''

''ہاں...... بڑے بالوں والی لومڑیاں اور سمور کا شکار میرا ذریعہ معاش ہے۔''

''اوہ...... آپ ہر اعتبار سے دلچسپ آدمی ہیں۔''

حمید نے ایک ویٹر کو روک کر کافی کیلئے کہا جو پلیٹ فارم پر ناشتے کی ٹرالی لئے پھر رہا تھا۔

''آپ کہاں سے آئی ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں نارجام سے آئی ہوں۔''

''آپ کیا کرتی ہیں؟''

''میں کچھ بھی نہیں کرتی۔ میرے پاپا نیشنل آئرن فیکٹری میں انجینئر ہیں۔''

''میرے پاپا بھی زندہ ہوتے تو مجھے بھی کچھ نہ کرنا پڑتا۔''

''اوہ...... یہ بات نہیں ہے۔ میں ابھی زیرِ تعلیم ہوں۔''

ویٹر نے کافی کی ٹرے ان کے سامنے رکھ دی اور حمید پیالیاں بھرنے لگا۔ دفعتاً اس کی
بائیں جانب اٹھ گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر زوبیا ایک چھتری کے نیچے بیٹھی انہیں گھور رہی
[…]ا۔ حمید پھر ٹرالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''بس تھوڑی ہی دیر میں دھوپ تیز ہو جائے گی۔'' ڈالی کہہ رہی تھی۔ ''اور ہمیں کمروں
[…]ا بند ہونا پڑے گا۔''

''اگر آپ موسم کے متعلق گفتگو نہ کریں تو میں بے حد مشکور ہوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں......؟''

''بس یونہی...... مجھے الجھن ہوتی ہے۔''

''واقعی موسم کے متعلق کسی قسم کی بھی گفتگو بور معلوم ہوتی ہے۔'' ڈالی ہنسنے لگی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر زوبیا کس قسم کی لڑکی ہے۔

ڈالی کافی پیتی رہی اور حمید کی کافی ٹھنڈی بھی ہو گئی۔

''کیا آپ کولڈ کافی کے عادی ہیں۔'' ڈالی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''اوہ......!'' حمید چونک کر کافی کی پیالی کی طرف دیکھنے لگا پھر ہنس کر بولا۔ ''برازیل کی

کافی مجھے ہمیشہ خوابوں کے جزیرے میں پہنچا دیتی ہے۔"

"شکاری بھی خواب دیکھتے ہیں۔" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں......ارے شکاری۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "شکاریوں کے تو......!"

غیر ارادی طور پر حمید کی نظر زوبیا کی چھتری کی طرف اٹھ گئی اور وہ جملہ پورا کیونکہ اس کی چھتری کے قریب وہی آدمی موجود تھا جس سے پچھلی رات حمید کا جھگڑا لیکن وہ زوبیا کی طرف متوجہ نہیں تھا اور نہ ہی حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا وہ دونوں ہی اس کے لئے اجنبی ہوں۔ مگر زوبیا کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔

"آپ......!" ڈالی نے اُسے مخاطب کیا۔ "بات کرتے کرتے کچھ اور سوچنے لگتے

"ہاں......آں......مجھے شکارگاہیں یاد آتی ہیں جہاں حد نظر تک برف ہی بر ہے اور ہم اسکائیز پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی سفید بھیڑیوں سے مقابلہ ہوتا ہے قطبین کے سفید ریچھوں سے اوہ......وہ کتنا حسین ماحول ہوتا ہے۔"

"قطبین......!" ڈالی نے حیرت سے دہرایا۔ "آپ قطبین میں شکار کھیلتے ہیں۔"

"میں نے شاید جغرافیہ میں پڑھا تھا کہ قطبین کے ریچھ بڑے خطرناک ہوتے ہیں!"

"ارے کچھ بھی نہیں۔" حمید نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "میں نے ایک بار زندہ کھال کھینچ لی تھی۔"

ڈالی ہنسنے لگی اور حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ شاید اسے بکواس سمجھتی ہیں۔"

"نہیں......نہیں......!" ڈالی سنجیدگی اختیار کرتی ہوئی بولی۔ "مجھے وہ واقعہ ضرور سنا

"کون سا واقعہ؟"

"وہی کہ آپ نے زندہ ریچھ کی کھال کیسے کھینچی تھی۔"

"ہاں......آں......وہ واقعہ یوں ہے کہ ایک بار میں نے ساتھی شکاریوں سے بڑے دعوے سے کہہ دیا کہ میں زندہ ریچھ کی کھال کھینچ سکتا ہوں۔ وہ لوگ اسے مذاق

بڑھ گئی۔ ایک لمبی شرط کے بعد میں نے انہیں یہ تماشہ دکھانے کا انتظام شروع کر دیا۔ ایک ں قسم کے کارتوس بنائے جن میں گولی کی بجائے لمبی لمبی میخیں فٹ تھیں۔ میرا وہ دعویٰ سچ ذاق ہی میں ٹل گیا تھا۔ اُن میں سے کوئی بھی باور کرنے پر تیار نہ تھا کہ میں کسی زندہ ریچھ کی ال کھینچ لوں گا۔ اتفاق سے ایک دن ایک ریچھ مل ہی گیا جو برف کے ایک تودے پر بیٹھا ر بجا رہا تھا۔"

"ستار بجا رہا تھا......ریچھ۔" ڈالی ہنس پڑی۔

"اوہ......ٹھہریئے......شاید میں بھول رہا ہوں۔ ہاں دیکھئے ستار نہیں وہ تودے پر بیٹھا پی رہا تھا۔ میں نے اس کی دم کا نشانہ لے کر فائر کر دیا اور رائفل سے گولی کی بجائے میخ ل کر اُس کی دم چھیدتی ہوئی برف میں اتر گئی۔ ریچھ نے حقہ پھینک کر اچھلنا شروع کر دیا۔ ر اب وہ کہاں جا سکتا تھا۔ میں کوڑا نکال کر اس پر برسانے لگا۔ وہ خاموشی سے پٹتا رہا لیکن ب پٹتے پٹتے گھبرا گیا تو اسے کھال چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔"

ڈالی ہنسنے لگی اور کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "مگر ریچھوں کی دم کہاں ہوتی ہے۔"

"نہ ہوتی ہوگی۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "لیکن میں ہمیشہ دم دار ریچھوں کا شکار کرتا دل۔ بغیر دم کے ریچھ میرے ساتھی مارتے ہیں۔"

"کتنی بڑی ہوتی ہے ریچھ کی دم" ڈالی نے پوچھا۔

"کافی بڑی ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ خاندانی قسم کے ریچھوں کی دُمیں کافی سے زیادہ بڑی ہوتی ہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا اور ڈالی کافی دیر تک ہنستی رہی۔

"آپ بڑے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر مجھے اس پر بھی شبہ ہے کہ آپ کوئی پیشہ ور شکاری ہیں۔"

"کیا آپ کے اس شبے کی بناء پر مجھے شکار ملنا بند ہو جائے گا۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ارے آپ تو ناراض ہو گئے۔" ڈالی جلدی سے بولی۔ "میں نے تو یونہی مذاقاً کہہ دیا تھا۔"

"خیر ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور کافی کی پیالی ایک طرف ہٹا کر پائ
تمباکو بھرنے لگا۔

زوبیا اب بھی وہیں تھی، لیکن وہ آدمی جاچکا تھا۔ اب حمید نے اس کے چہرے پر
کے آثار دیکھے۔

"کیا آپ اس لڑکی کو جانتے ہیں۔" دفعتاً ڈالی نے پوچھا۔

"کیوں؟" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ آپ کو بار بار اس انداز میں گھورتی ہے جیسے آپ نے اس کے ساتھ کوئی ز
ہو۔" ڈالی نے ہنس کر کہا۔

"ہوسکتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"یہ اپنے وینٹی بیگ میں ایک چھوٹا سا پستول رکھتی ہے۔"

"نہیں......!" حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔

"ہاں...... ہاں...... میں نے خود دیکھا تھا۔ تین چار دن پہلے کی بات ہے۔
کے قریب جہاں بھورے رنگ کی بطخ تیرتی رہتی ہے اس کے ہاتھ سے وینٹی بیگ گرا
شائد اسے کھول کر کوئی چیز نکال رہی تھی۔ وہ گرا اور اس کی چیزیں گھاس پر بکھر گئیں
ایک چھوٹا سا پستول بھی تھا۔"

"ممکن ہے وہ سگریٹ لائٹر رہا ہو۔ آج کل پستول کی ساخت کے سگریٹ لائٹر

"ہوسکتا ہے مگر یہ لڑکی ویسے بھی بے حد پُراسرار معلوم ہوتی ہے۔"

"پُراسرار...... پُراسرار۔" حمید اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں آج تک یہ نہ
یہ پُراسرار کیا بلا ہے۔"

"اگر کوئی ریچھ کسی برف کے تودے پر بیٹھا ستار بجاتا یا حقہ پیتا ہوا پایا جائے
پُراسرار ریچھ کہیں گے۔" ڈالی نے کہا اور بیساختہ ہنس پڑی۔

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہی ہیں۔"

"اوہ...... آپ پھر بگڑ گئے۔ میں دراصل آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ پُراسرار کسے کہتے ہیں۔"

"دیکھئے! میں ایک سیدھا سادھا شکاری ہوں۔ مجھے الفاظ کی الٹ پھیر نہیں آتی۔"

"اسی لئے تو وہ ریچھ ستار بجا رہا تھا۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کہئے تو کسی آدمی کی کھال کھینچ کر
دوں۔ ریچھ تو یہاں نہیں ملے گا۔"

"مگر آدمی کی دم کہاں ہوتی ہے۔"

"کیا آپ نے فلسفہ لے رکھا ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"فلسفے کو دم کی تلاش نہیں رہتی۔" ڈالی سنجیدگی سے بولی۔

"حالانکہ فلسفی عموماً دم دار ہی ہوتے ہیں۔"

"بس تو پھر کسی فلسفی کی کھال کھینچ کر دکھا دیجئے۔"

"نہیں، یہ ناممکن ہے کیونکہ مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔" حمید نے کہا اور ڈالی جھینپی ہوئی
ساتھ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

زوبیا وہاں سے جاچکی تھی۔ حمید ایک بے نام سی الجھن میں مبتلا ہوگیا۔

ڈالی حمید کو چھیڑتی رہی۔ لیکن حمید کچھ خاموش سا ہوگیا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ پہلی ہی
ت میں زوبیا خود اُسے بھی پُراسرار معلوم ہوئی تھی۔

اب وہ بھی اٹھنا چاہتا تھا لیکن ڈالی جم سی گئی تھی۔

"مجھے بھی شکار کا بے حد شوق ہے۔" اس نے کہا۔

"ہر شریف عورت کو ہونا چاہئے۔"

"کیوں......؟"

"شریف عورتیں شوہر کو گولی نہیں مار سکتیں لیکن اکثر مار دینے کو دل چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر
ہروں کے بجائے ریچھوں پر ہاتھ صاف کیا جائے تو قانون کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"تو کیا آپ بھی......!" وہ بیساختہ ہنس پڑی اور بمشکل تمام کہہ سکی "شوہر سے مایوس

ہو کر ریچھوں کا شکار کرتے ہیں۔"

"نہیں! اب میں ریچھوں سے مایوس ہو کر بیوی کے باپ کی تلاش میں ہوں۔"

"کیا...... آپ کی بیوی ساتھ نہیں ہیں۔" ڈالی نے پوچھا۔

"آپ بہت موٹی عقل رکھتی ہیں۔ بغیر باپ کے بیوی کہاں سے پیدا کی جا سکتی
آپ کے والد صاحب نیشنل فیکٹری کے منیجر ہیں نا......!"

"آپ گدھے ہیں۔" ڈالی نے چڑ کر کہا۔

"اگر گدھے ہیں تو میں اسے اپنی خوش قسمتی تصور کروں گا۔"

"شٹ اپ......!" اُس نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا اور تالاب میں چھلانگ لگا

حمید اُسے تیرتا دیکھتا رہا۔ پھر وہ بھی اٹھا...... کپڑے پہنے اور وہاں سے چل پڑا۔
وہ حوض پڑتا تھا جہاں بھورے رنگ کی بطخ ہر وقت تیرتی ہوئی پائی جاتی تھی۔ حمید اس
کہانی کئی بار سن چکا تھا اور اس کی ہنسی بھی اڑا چکا تھا۔ ویسے لڑکیاں اس میں عام طور پر
دلچسپی لیتی تھیں۔ کہانی ہی ایسی تھی کہ وہ بطخ بطخوں کی نسل کی لیلیٰ کہی جا سکتی تھی، ہیر کہ
تھی اور شاید سوہنی بھی۔ کبھی اس حوض میں بطخوں کا جوڑا تیرا کرتا تھا مگر ایک دن بطخ ک
نے ڈس لیا۔ پھر اس دن سے مادہ بطخ حوض سے باہر نکلتے نہیں دیکھی گئی۔ اگر کوئی ا
نکالنے کی کوشش کرتا تو وہ چونچ پھیلا کر کاٹنے کو دوڑتی اور اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگ
حوض کے قریب حمید کو زوبیا پھر نظر آئی۔ لیکن حمید کو دیکھتے ہی وہ آگے بڑھ گئی۔ ح
بے تحاشہ غصہ آیا لیکن وہ غصہ رفتار پر اترا۔ یعنی وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب سے
آگے نکل گیا۔

اسی دن تین بجے شام کی بات ہے۔ اچانک پیراڈائز میں سنسنی پھیل گئی اور اس
ذمہ دار بطخوں کی "سوہنی" تھی۔ حمید تک یہ واقعہ فریدی ہی کی زبانی پہنچا۔ کیونکہ صبح کے
بعد سے اس کی طبیعت کچھ بھاری سی ہو گئی تھی اور وہ تالاب سے واپسی پر اب تک اپ
ہی میں رہا تھا۔ ممکن ہے اُسے خبر ہی نہ ہوتی لیکن چونکہ اس واقعہ کا تھوڑا بہت تعلق خو

سے بھی تھا اس لئے فریدی آندھی اور طوفان کی طرح اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"وہ مر گیا۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کون......؟"

"جس سے پہلی رات تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔"

"میرا دل دکھانے والے اسی طرح مرجاتے ہیں۔" حمید بیوہ عورتوں کے سے انداز میں بولا۔

"بکواس مت کرو۔ تم نے خواہ مخواہ ایک الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"میں نے کیوں؟ اگر وہ مر گیا ہے تو یہ صرف میری بددعاؤں کا اثر ہو سکتا ہے۔ اور
عاؤں سے قانون کو کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر آپ پوری بات بھی تو بتایئے۔"

"اسے بھوری بطخ نے زخمی کر دیا تھا۔"

"ارے تو کیا وہ بھوری بطخ میری خالہ ہے۔" حمید جھنجھلا گیا۔ پھر یک بیک چونک پڑا۔
ذ پھر......!"

"وہ اپنے کمرے تک پہنچتے پہنچتے گر کر مر گیا۔"

"کیا بطخ نے اُس کی گردن پکڑ لی تھی۔"

"نہیں پنڈلی میں کاٹا تھا۔"

"آپ شاید ابھی سو کر اٹھے ہیں۔"

"اُس نے شاید پچھلی رات والے جھگڑے کی بناء پر اپنی مونچھیں صاف کر دی تھیں۔"

"جھگڑا مونچھوں پر نہیں ہوا تھا۔"

"تم نہیں سمجھ سکتے کہ تم سے کون سی حماقت سرزد ہوئی ہے۔" فریدی نے غصیلے لہجے میں
کہا۔ "وہ بطخ کے کاٹنے سے نہیں مرا۔ کوئی نہیں مر سکتا۔"

"پھر یہ سب کچھ افواہ ہوگی...... جایئے آرام کیجئے۔ آج میری طبیعت خلاف معمول
ٹھیک نہیں ہے۔"

"اٹھو......!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے ایک طویل سانس کے ساتھ بستر چھوڑ دیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔

"کسی کو بھی یقین نہیں ہے کہ اس کی موت بلیڈ کے کاٹنے سے واقع ہوئی ہوگی۔ پچھلی رات والے جھگڑے کا بھی حوالہ دے رہے ہیں اور انہیں اس پر حیرت ہے کہ والے نے اتنی شاندار مونچھیں کیوں صاف کردی تھیں۔"

حمید لباس تبدیل کر رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اُس نے کہا۔ "شاید قبروں میں بھی قتل ہوں گے۔ شاعر نے شائد ہمارے ہی لئے کہا تھا کہ مر کر بھی چین کدھر جائیں گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بہت غور سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس۔

"میرا خیال ہے کہ اب اس لڑکی سے تمہارے تعلقات قریب قریب ختم ہو چکے ہیں۔"

"ہاں یہ غلط نہیں ہے۔ پچھلی شام جب میں نے اُسے مخاطب کرنے کی کوشش کی نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔"

"اوہ......!"

"اور...... یہ حقیقت ہے کہ ہم اجنبیوں کیطرح ایک دوسرے کے قریب سے نکل جاتے ہیں!"

"اس آدمی سے جھگڑا کس بات پر ہوا تھا......؟"

"اسی کے متعلق...... لیکن میں کبھی اسے زوبیا کے ساتھ نہیں دیکھا، اور نہ یہی معلو تھا کہ ان دونوں میں دور کی بھی جان پہچان ہو سکتی ہے۔ لیکن اس نے مجھ سے یہی کہا تھا زوبیا کے پیچھے نہ پڑوں۔"

"اس لڑکی کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔"

"بس اتنا ہی کہ اس کا نام زوبیا ہے۔"

"کہاں سے آئی ہے؟"

"یہ اس نے نہیں بتایا۔ شاید میں نے یہ سب کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔"

"اچھا...... بیٹھ جاؤ......!" فریدی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں سر کے بل کھڑا نہ ہو جاؤں۔" حمید تقریباً ناچتا ہوا بولا۔ "کھڑے ہو جاؤ...... ے تبدیل کرو۔ بیٹھ جاؤ...... کیا میں کپڑے تبدیل کئے بغیر نہیں بیٹھ سکتا۔"

"میں نے لباس تبدیل کرنے کو نہیں کہا تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"کھڑے ہو جاؤ...... کہنے کا انداز تو یہی تھا کہ کفن پہنو اور قبر میں چھلانگ لگا دو۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔ آپریٹر نے اطلاع دی کہ اسکی کال ہے۔

"کنکٹ کرو۔" حمید نے کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں ایک نسوانی آواز آئی۔ "ہیلو ...... مجھے تمہارا شکر گذار ہونا چاہئے کہ تم نے اُس موذی سے مجھے نجات دلا دی...... مگر میرے ...... میں اسے کیسے بھلا سکوں گی کہ ایک آدمی نے میرے لئے دوسرے کی جان لے لی تھی۔"

"کیا......؟" حمید ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

نیلی شیشی

وہ ریسیور رکھ کر فریدی کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس ایک بیک پلٹ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو آپریٹر، یہ کال کہاں سے آئی تھی؟"

"اوہ...... یہ بتانا دشوار ہے جناب۔"

"کیا ہوٹل کے کسی کمرے سے۔"

"نہیں...... یہ کال یہاں کی نہیں ہو سکتی۔ شہر کی ہو سکتی ہے۔"

"تم سے غلطی تو نہیں ہوئی۔ یہ کال میری نہیں ہو سکتی۔"

"آپ روم نمبر ستاون ہی سے بول رہے ہیں نا۔"

"ہاں بھئی۔"

"تب تو یہ آپ ہی کی کال تھی۔ بولنے والے نے روم نمبر ستاون ہی مانگا تھا۔"

"تب پھر بولنے والی ہی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اسے کال کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "یہ آواز زوبیا کی نہیں ہوسکتی۔ مجھے یقین

"چلو...... میں نے بھی یقین کرلیا۔" فریدی مسکرایا۔ "اور تم نے یہ بھی اچھا کیا
سے اس سلسلے میں اتنی بحث کرڈالی۔ اب وہ اس کال کو کبھی نہ بھلا سکے گا۔ کیا بولنے
تمہیں نام لے کر مخاطب کیا تھا؟"

"جی ہاں...... یقیناً۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے نام لیا تھا۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اگر تمہارے جھگڑے کی داستان پ
پہنچی تو مزہ آجائے گا۔"

"اگر پھانسی پا جاؤں تو قوالی کرادیجئے گا تاکہ پڑوسیوں کو بھی مزہ آجائے۔" حمید

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم میری اجازت کے بغیر ایک منٹ
بھی باہر نہیں جاؤ گے۔"

"آپ کہاں جارہے ہیں؟"

"میں اس لڑکی زوبیا کو چیک کروں گا۔ اگر وہ کال اسی کی تھی تو اُسے اس کے
طور پر شہر جانا پڑا ہوگا اور شہر سے اتنی جلدی واپسی ناممکن ہے۔"

فریدی چلا گیا اور حمید بور ہوتا رہا۔ ویسے وہ اس حادثے کے متعلق بھی سوچ ر
اس بطخ کی چونچ زہریلی ہے۔ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو کوئی عورت حمید کو اس کیس میں
کی کوشش کیوں کرتی۔ بطخ صرف انہی لوگوں پر حملہ کرتی تھی جو اسے پانی سے نکالنے
کرتے تھے۔ کیا اس آدمی نے بھی اس قسم کی کوئی حرکت کی تھی۔ اسی سلسلے میں حمید کو
آ گیا کہ تالاب سے آتے وقت اسے زوبیا ملی تھی اور اس نے اسے بطخ والے حوض کے
کھڑے دیکھا تھا۔ آخر وہ وہاں کیا کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ حمید چونک پڑا۔

"کون ہے؟ آجاؤ۔" حمید نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ڈالی
زہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اسکے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ حمید کرسی سے اٹھ گیا۔

"اوہ...... بیٹھو بیٹھو۔" ڈالی نے کہا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ ایک کرسی پر ڈھیر
ہوئی بولی۔ "یہ کیا مصیبت ہے۔ آج ہی تو ہماری دوستی ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں بڑی مشکل سے آپ کا روم نمبر معلوم کر کے یہاں تک پہنچی ہوں۔ کیا آپ نے
بطخ کا واقعہ سنا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہوا ہے اس نے کسی آدمی پر حملہ کیا تھا اور وہ آدمی اتنا چوہا تھا کہ اس
حملے کی تاب نہ لاکر چل بسا۔"

ڈالی حمید کو گھورنے لگی اور حمید کو اس کی آنکھوں سے شبہ جھانکتا ہوا نظر آیا۔

"مگر آپ نے ابھی اس نئی دوستی کا حوالہ کیوں دیا تھا۔" حمید نے پھر کہا۔

"وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ پچھلی شام اس کا شکاری پرویز سے جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"اس لئے شکاری پرویز نے بطخ کا بھیس بدل کر اُسے ختم کردیا۔" حمید نے بُرا سا منہ
۔ "کیا لوگوں نے یہ نہیں بتایا کہ جھگڑے کے وقت اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔
اب لاش سے مونچھیں بھی ندارد ہوگئی ہیں۔"

"ہاں...... ہاں...... وہ اس کے متعلق بھی کہہ رہے ہیں پولیس آگئی ہے۔"

"ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اسکی موت کسی بہت ہی سریع الاثر قسم کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"زہر......!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں...... اس کا سارا جسم نیلا پڑ گیا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "تو آپ یہ سمجھتی ہیں
اس میں میرا ہی ہاتھ ہے۔"

’’نہیں...... میں تو یہ نہیں سمجھتی۔ میں آپ کو اس کی اطلاع دینے آئی تھی۔‘‘

’’اچھا تو پھر مجھے اس حادثے سے اتنا بے تعلق سمجھتی ہیں کہ مجھے اسکی خبر ہی نہ ہونی چا

’’میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیوں دوڑی آئی ہوں۔‘‘

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا اور اس نے پلکیں جھکالیں۔ پھر آہستہ سے

’’آج تقریباً دس بجے اس نے مجھ سے گفتگو کی تھی۔‘‘

’’کس نے......؟‘‘

’’مرنے والے نے۔‘‘

’’اوہو...... کیا گفتگو ہوئی تھی؟‘‘ حمید پر اشتیاق لہجے میں آگے جھک آیا۔

’’اس نے یہی پوچھا تھا کہ کیا میں آپ کو بہت دنوں سے جانتی ہوں۔‘‘

’’پھر آپ نے کیا جواب دیا......؟‘‘

’’یہی کہ ہم آج ہی ملے تھے۔‘‘

’’پھر......؟‘‘

’’اس نے بہت بُرے لہجے میں کہا تھا کہ آپ ایک خطرناک آدمی ہیں۔‘‘

حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ’’اور آپ اس کے باوجود بھی دوڑی آئیں۔‘‘

’’مجھے اسکی بکواس پر اب بھی یقین نہیں ہے۔ مگر اس سے آپکا جھگڑا کس بات پر ہ

’’کیا ان گدھوں نے پولیس کو یہ نہیں بتایا کہ اس نے میری جیب سے پرس نکال

’’جی ہاں اس کا بھی تذکرہ تھا۔‘‘

’’تو اب مجھے پولیس کا منتظر رہنا چاہیئے۔‘‘

’’یقیناً......!‘‘

’’تو بس پھر آپ فوراً یہاں سے چلی جایئے۔‘‘

’’کیوں......؟‘‘

’’ورنہ شاید آپ بھی اس معاملے میں الجھائی جائیں۔‘‘

’’آپ کو پولیس سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔‘‘ ڈالی نے پوچھا۔

’’مجھے صرف اُن لڑکیوں سے خوف معلوم ہوتا ہے جو خود کو بیوقوف ظاہر کرنے کی کوشش
ا ہیں۔‘‘

’’کیا مطلب......؟‘‘

’’مطلب وہی لڑکیاں بتا سکیں گی۔‘‘

ڈالی اُسے چند لمحے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ’’ڈاکٹر کا خیال ہے کہ زہر اُسی زخم
مارے جسم میں پھیلا ہے۔‘‘

’’میں ڈاکٹر نہیں ہوں کہ اس کے خیال کی تائید یا تردید کرسکوں گا۔‘‘

’’اگر آپ شبہے کے تحت گرفتار کرلئے گئے تو......؟‘‘

’’کافی فائدہ ہوگا...... وہ رقم بچے گی جو اس مہنگے ہوٹل میں صرف ہونے والی ہے۔ اس
ا میں مفت سیزن گذار سکوں گا۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے رام گڈھ ہی کے جیل میں رکھیں گے۔‘‘

’’آہا......!‘‘ ڈالی مسکرائی۔ ’’تب تو میں یہاں ضرور ٹھہروں گی۔ میں دیکھوں گی کہ آپ
ماسے کس طرح نپٹتے ہیں۔‘‘

’’میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔‘‘ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

اس نے لاکھ کوشش کی کہ وہ چلی جائے لیکن ڈالی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حمید کو دراصل فریدی
یال تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایسے میں فریدی آ گیا تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو جائے گا۔

’’آپ پولیس کو کیا بیان دیں گے؟‘‘ ڈالی پھر بول پڑی۔

’’بیان...... جو کچھ آپ بتائیں گی۔‘‘

’’اوہو...... شاید آپ سچ مچ نہیں چاہتے کہ میں یہاں ٹھہروں۔‘‘

’’اس میں آپ کی بھلائی مضمر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ بھی پولیس کی لسٹ پر آجائیں۔‘‘

ڈالی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔ ’’اچھی بات ہے۔ لیکن اگر آپ حراست
مالے لئے گئے تو مجھے بے حد افسوس ہوگا۔‘‘

"میں اس ہمدردی کے لئے مشکور ہوں۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ وہ نہ
تھا کہ اس کی موجودگی میں فریدی کی واپسی ہو۔

ڈالی چلی گئی۔ حمید اب اس کے متعلق بھی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ تو ایک لڑکی
مواقع پر مرد بھی اُس سے کسی قسم کا تعلق ظاہر کرنے سے کتراتے۔ لیکن وہ اسے بتا
کہ پولیس اس پر شبہ کر سکتی ہے، حالانکہ ان کی جان پہچان کی عمر آدھے گھنٹے سے ز
تھی۔ پھر بھی اس نے گویا سالہا سال کے تعلقات کا ساحق ادا کر دیا تھا۔

ڈالی کے جانے کے پندرہ منٹ بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ حمید نے اٹھ
کھولا۔ سامنے ایک باوردی کانسٹیبل موجود تھا۔

"پرویز صاحب۔" اس نے پوچھا۔

حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ لیکن اس نے اپنے چہر
کے آثار پہلے ہی پیدا کر لئے تھے۔

"کیا آپ منیجر کے کمرے تک تکلیف کر سکیں گے؟"

"کیوں......؟" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ڈی ایس پی سٹی آپ سی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

حمید کو علم تھا کہ آج کل ڈی ایس پی سٹی ماتھر نہیں ہے۔ اُس کا یہاں سے ت
تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً اُسے فریدی نظر آیا جو اسی طرف آر
اُس نے آتے ہی کہا۔ "یہ خبر سچ ہی تھی کہ وہ آدمی مر گیا جس سے پچھلی رات تمہار
ہوا تھا۔"

"کیا بلغ ہی کے کاٹنے سے مرا ہے؟"

"ہاں...... پولیس شاید اس سلسلے میں تمہارا بیان چاہتی ہے۔"

"میرا بیان کیوں؟"

"پتہ نہیں...... میں بھی بیان ہی دے کر آ رہا ہوں۔"

"آخر ہم سے کیا غرض۔"

"پتہ نہیں......اب جاؤ۔"

حمید کانسٹیبل کے ساتھ چلنے لگا۔

"آخر آپ لوگ میرا بیان کیوں چاہتے ہیں۔" حمید نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

"پتہ نہیں جناب! ڈی ایس پی صاحب جانیں۔"

حمید منیجر کے کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں تین پولیس آفیسر موجود تھے۔ ایک ڈی ایس پی
دو سب انسپکٹر۔

ڈی ایس پی نے حمید کو نیچے سے اوپر تک گھور کر کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
تشریف رکھئے۔"

حمید کافی شریفانہ انداز میں اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"آپ فیروز کو کب سے جانتے ہیں؟" ڈی ایس پی نے پوچھا۔

"کون فیروز......!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"وہی جس سے پچھلی رات آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔"

"اوہ......وہ......گرہ کٹ۔"

"آپ اُسے کب سے جانتے ہیں۔"

"اگر میں پہلے سے جانتا ہوتا تو میرے قریب ہی کیوں آتا۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ اُس نے آپ کی جیب سے پرس نکالا تھا۔"

"جن لوگوں نے آپ کو اس کی اطلاع دی ہے کیا انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔"

"آپ کسی ایسے آدمی کا نام لیجئے جو اس وقت وہاں موجود تھا۔"

"میں کسی کو بھی نہیں پہچانتا اور پھر اس وقت مجھے اتنا ہوش کہاں تھا کہ میں حاضرین کی
فہرست مرتب کرتا۔"

"تو آپ نشے میں تھے۔"

''نہیں...... میں غصے میں تھا۔''

''اور آپ کا غصہ آج تک برقرار رہا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''کیا آپ کو علم ہے کہ وہ مرگیا؟''

''ہاں کچھ دیر پہلے میں نے سنا تھا۔''

''آپ کہاں تھے؟''

''اپنے کمرے میں۔''

''کس وقت سے کس وقت تک آپ اپنے کمرے میں رہے۔''

''نو بجے سے اس وقت تک۔''

''درمیان میں آپ باہر نہیں نکلے۔''

''نہیں۔''

''ہم آپ کے سامان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' حمید نے جواب دیا۔ ''کیا آپکے پاس تلاشی کا وارنٹ ہے''

''اوہ......!'' ڈی ایس پی مسکرایا۔ ''آپ سمجھتے نہیں۔ یہ ایک ضمنی سی کارروائی ہے۔''

''کیسی بھی ہو۔ وارنٹ کے بغیر آپ میرے سامان میں ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔ قانون میں بھی جانتا ہوں۔''

''پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ قانون دانوں کے ساتھ ہم ذرہ برابر بھی رعا نہیں کرتے۔'' ڈی ایس پی کی مسکراہٹ بدستور برقرار رہی۔

''نہیں...... مجھے اس کا علم نہیں تھا۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''اب ہو جائے گا۔'' ڈی ایس پی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ہم وارنٹ حاصل کئے محض شبہے کے تحت آپکو حراست میں لے سکتے ہیں۔ کیونکہ اسکی موت زہر کی وجہ سے واقع ہوئی ہے''

''آہا...... تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے بلیچ کا بھیس بدل کر اس پر حملہ کیا ہوگا۔''

''مسٹر......!'' ڈی ایس پی غرایا۔ ''ہوش میں آیئے۔ آپ اپنا بیان دے رہے ہیں اور آپ کے خلاف عدالت میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔''

''میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے میں عدالت میں دہرا نہ سکوں۔''

ڈی ایس پی نے ایک سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔ ''انہیں کوتوالی لے جاؤ اور حراست لو۔''

''لیکن اس کے باوجود بھی تلاشی کے وارنٹ کے بغیر میرے سامان میں ہاتھ نہیں لگا سکیں ر تلاشی کے وقت میری موجودگی ضروری ہوگی اور اس سے قبل میں تلاشی لینے والوں کی لاشی لوں گا۔''

ٹھیک اسی وقت فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

''میں آپ کے ساتھی کو حراست میں لے رہا ہوں۔'' ڈی ایس پی نے فریدی سے کہا۔

''جو آپ مناسب سمجھیں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''یہ مجھے قانون پڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''حالانکہ یہ قانون کی ابجد سے بھی نابلد ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''تشریف رکھیے۔'' ڈی ایس پی نے اس سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''میں ان کے سامان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔''

''تمہیں کیا اعتراض ہے؟'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''تلاشی کا وارنٹ۔''

''بکواس ہے۔'' فریدی نے کہا۔ پھر ڈی ایس پی سے بولا۔ ''نہیں جناب آپ لیجیے۔ پ کوئی کام خلاف قانون کیوں کرنے لگے۔''

حمید کچھ دیر تک اس کے خلاف احتجاج کرتا رہا۔ پھر اس نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔

تھوڑی دیر بعد تلاشیاں شروع ہوگئیں۔ فریدی کا سامان بھی الٹ پلٹ کر ڈالا گیا لیکن ایس پی کے بیان کے مطابق کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہوسکی۔ ویسے اس نے ان

دونوں پر پابندی ضرور عائد کردی تھی کہ وہ اسکی اجازت کے بغیر رام گڈھ نہیں چھوڑ سکیں گے
اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ آئندہ حالات پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پر منحصر ہیں۔ اس
بعد ہی وہ فیصلہ کرسکے گا کہ وہ دونوں کس پوزیشن میں ہیں۔

تقریباً آٹھ بجے رات کو پولیس والے پیراڈائیز سے رخصت ہوئے۔

فریدی حمید کے کمرے میں موجود تھا اور اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے وہ کوئی عجو
پھر اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور اُسے حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''
شیشی تمہاری ہے؟''

حمید اُسے ہاتھ میں لیکر دیکھتا رہا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی سیال تھا۔ شیشی نیلے رنگ کی

''نہیں......!'' اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''لیکن یہ مجھے اسی کمرے میں ملی تھی۔ اسی کرسی کے نیچے۔'' فریدی نے ایک کر
طرف اشارہ کیا۔

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا اور فریدی پھر بولا۔ ''لیکن تلاشی کے قبل ہی یہ میرے قبضہ
آچکی تھی۔''

حمید نے پھر اس کرسی کی طرف دیکھا۔ ڈالی اسی کرسی پر کافی دیر تک بیٹھی رہی تھی۔

''آخر یہ ہے کیا بلا......؟''

''یہ سوچو کہ جب یہ تمہاری نہیں ہے تو اس کمرے میں کیسے آئی۔''

''آپ کے جانے کے بعد یہاں ایک لڑکی آئی تھی۔'' حمید ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا

''کون لڑکی......؟'' فریدی غرایا۔

''ایک یوریشین......ڈالی......اس کا باپ تارجام کی نیشنل آئرن فیکٹری کا منیجر ہے

''نیشنل آئرن فیکٹری۔'' فریدی بڑبڑایا۔ پھر غصیلی آواز میں بولا۔ ''کہیں تم گ
نہیں کھا گئے۔''

''گھاس نصیب ہوجاتی تو میں خدا کا شکر بجالاتا۔ شام کی چائے تو ان گدھوں کی نذر

''تارجام میں کوئی نیشنل آئرن فیکٹری نہیں ہے۔'' فریدی بولا۔

''کیا؟'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''حمید کہیں مجھے سچ مچ تم پر پابندیاں نہ لگانی پڑیں۔''

''آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ دیکھئے نا میری بدولت آپ کے لئے تفریح مہیا ہوگئی۔ کیا
ب شاندار کیس نہیں ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''اب دیکھنا یہ ہے کہ اس شیشی میں کیا ہے۔''

''ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ ابھی تک نہ معلوم ہوسکا کہ بطخ نے حملہ کیسے کیا تھا۔''

''کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اُسے حوض سے نکالنے کی کوشش کررہا تھا۔''

''تب پھر کسی نے اس کا مشورہ دیا ہوگا۔''

''ضروری نہیں ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بطخ کی چونچ پہلے ہی زہر آلود کردی گئی ہوگی۔''

''پھر اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔''

''کیا بطخ اس صورت میں زندہ رہ سکتی ہے؟'' فریدی بولا۔

''پھر آخر...... یہ کیسے ہوا۔''

''کسی نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اگر اُس پر بطخ حملہ نہ کرتی تب بھی وہ آج ختم ہی کردیا
نا اور چونکہ پچھلی رات تم سے جھگڑا ہوچکا تھا اس لئے تم ہی اس کیس میں الجھائے جاتے لیکن
س کی پشت پر جو کوئی بھی ہے کافی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ پہلے تمہارے لئے فون پر کال آئی
راس کے بعد یہ شیشی۔ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اس کمرے کی تلاشی کے بعد ہی ٹیلی فون
پیٹر نے پولیس کو اپنی رپورٹ دے دی تھی اور یہ رپورٹ اسی کال کے متعلق تھی۔''

''میرے خدا۔'' حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''تو میں پھنس جاؤں گا۔''

''اب تم یوریشین لڑکی سے کترانے کی کوشش نہ کرنا۔''

''اب تو میں اسے دل کی ملکہ بناؤں گا...... مگر وہ لڑکی......!''

"کیا اب اور کوئی بھی ہے۔" فریدی جھلا گیا۔

"وہ لڑکی جس کے لئے جھگڑا ہوا تھا۔"

"وہ تو اس پوزیشن سے بھی زیادہ پراسرار معلوم ہوتی ہے۔ تمہارے لئے کال آ
بعد میں اسی کو چیک کرنے گیا تھا لیکن وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔"

اچانک کسی نے دروازے کو دھکا دیا اور وہ دونوں چونک پڑے۔ دروازہ اندر
تھا۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

ڈالی سامنے کھڑی تھی۔ حمید پیچھے ہٹ آیا۔ وہ فریدی کو دیکھ کر ٹھٹکی مگر پھر اندر آ گئی

"اچھا بھئی! میں تو اب چلا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ......کیا میں مخل ہوئی ہوں۔" ڈالی نے حمید سے پوچھا۔

"قطعی نہیں......!" فریدی مسکرایا۔ "آپ تشریف رکھئے۔"

"یہ میرے ساتھی مسٹر سلیم ہیں۔" حمید نے دونوں کا تعارف کرایا۔ "اور آپ م
پرکنس ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی قدرے جھک کر بولا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ تفریح گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ اس ٹریجڈی کے باوجود بھی پیراڈائیز کی رونق
فرق نہیں آیا تھا۔ تفریح گاہ حسب معمول قہقہوں سے گونج رہی تھی اور لاؤڈ اسپیکر پر اشت
نشر ہو رہے تھے۔

فریدی اس میز پر جا بیٹھا جو حمید کے لئے مخصوص تھی۔ وہ دراصل زوبیا کی تلاش میں
دفعتاً اسے آٹھ بیماروں کی کرسیاں نظر آئیں جنہیں آٹھ آدمی دھکیلتے ہوئے رقص
لائے تھے۔ ان پر تین عورتیں اور پانچ مرد نڈھال پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا
وہ سالہا سال سے بیمار ہوں۔

ٹھیک اسی وقت لاؤڈ سپیکر کے ہارن سے آواز آئی۔ "یہ دیکھئے یہ آٹھ نیم مردہ
ہیں۔ یہاں قیام کرنے والوں میں کچھ ڈاکٹر بھی ہوں گے۔ اگر وہ چاہیں تو اُن کا طبی

کے خود کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس حالت کو پہنچے ہوئے لوگ چار قدم بھی
یں چل سکتے لیکن یہ لوگ ایک ایک گلاس پٹرول پی کر آندھیوں کے منہ بھی موڑ دیں گے۔ کیا
کٹر صاحبان براہِ کرم تھوڑی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

لوگ چاروں طرف سے اٹھنے لگے تھے۔ فریدی بھی اٹھا اور ان آٹھوں انولیڈ چیئرز
ے گرد سینکڑوں آدمی نظر آ رہے تھے۔ لاؤڈ سپیکر سے پھر آواز آئی۔ "براہِ کرم اب اپنی میز پر
ریف لے جائیے۔ انہیں تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی چل
ے۔ صرف وہ ڈاکٹر صاحبان ٹھہریں جو ان کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔"

بھیڑ ہٹنے میں بھی تقریباً پندرہ منٹ صرف ہو گئے۔ فریدی نے انہیں دیکھا۔ وہ سچ مچ
ت زیادہ لاغر نظر آ رہے تھے۔ عورتیں کم عمر بھی تھیں اور حسین بھی لیکن ضعف نے ان کی ساری
ٹی چھین لی تھی اور وہ مردوں سے بھی بدتر نظر آ رہی تھیں۔

اب ان کی کرسیوں کے پاس چھ آدمی نظر آ رہے تھے اور یہ لازمی طور پر ڈاکٹر تھے۔ وہ
ں دیکھتے رہے اور پھر جیسے ہی وہ اپنی میزوں کی طرف مڑے تو لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔
کیا آپ حضرات مائیک پر تشریف لانے کی زحمت گوارا کریں گے تاکہ دوسرے لوگ بھی
ائنے کے نتائج سے آگاہ ہو سکیں۔"

وہ لوگ جہاں تھے وہیں رک کر کچھ مشورہ کرنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک آدمی اس
رف چلا گیا جہاں مائیک تھا اور بقیہ لوگ اپنی میزوں کی طرف چلے آئے۔

تھوڑی دیر بعد لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔ "ہم چھ ڈاکٹروں نے ان لوگوں کو بغور دیکھا
ہے۔ یہ مختلف قسم کی بیماریوں سے نجات پائے ہوئے لوگ ہیں لیکن ابھی اتنے کمزور ہیں کہ
یہ اپنے پیروں سے چل بھی نہ سکیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ آخر وہ رقص کس طرح کریں گے۔
ہرحال ان کے اعصاب کی جو حالت ہے اس کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ رقص کرنے کی کوشش
انہیں موت کے منہ میں لے جا سکتی ہے۔ ان کا ہارٹ فیل ہو سکتا ہے۔ ہم انہیں اس حالت
ں رقص کرنے کی اجازت کبھی نہ دیں گے۔"

ڈاکٹر کے بعد پھر معلن کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا ’’ڈاکٹرز کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ
رقص کرنے کے قابل نہیں ہیں اور یہ فیصلہ ان ڈاکٹروں کا ہے جو ملک کے بہترین دماغ
کئے جا چکے ہیں۔ اب آپ دیکھئے گا کہ وہ کس طرح رقص کرتے ہیں۔‘‘

معلن کے آخری الفاظ رقص گاہ کے سکوت میں گم ہو گئے۔

دفعتاً ایک طرف سے ایک ٹرالی نمودار ہوئی جس پر ارغوانی رنگ کے کسی مشروب کے
گلاس رکھے ہوئے تھے اور ایک بار پھر لاؤڈ سپیکر گرجنے لگا۔

’’یہ دیکھئے...... ان بے جان مشینوں کا پٹرول آ گیا۔‘‘

ٹرالی انویلڈ چیئرز کے پاس پہنچ چکی تھی۔ نیم مردہ رقاصوں کے ہونٹوں سے گلا
دیئے گئے۔ شاید وہ اپنے ہاتھوں سے گلاس پکڑنے کی بھی سکت نہیں رکھتے تھے۔

انہوں نے چشم زدن میں گلاس خالی کر دیئے۔ فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے ا
طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر آرکسٹرا موسیقی بکھیرنے لگا اور رقص گاہ میں چاروں طرف سے فوکس لائٹ
لگی۔ پندرہ منٹ گذر گئے پھر جیسے موسیقی کلائمکس پر پہنچی ایک عورت انویلڈ چیئر سے اچھل
کر فرش پر آ گئی اور گھنگھروؤں کی جھنکار دور تک پھیلتی چلی گئی۔

پھر گھنگھروؤں کی جھنکاروں کا طوفان آ گیا کیونکہ وہ سب پہیے دار کرسیوں سے کود
تھے اور حیرت انگیز رقص شروع ہو چکا تھا۔ جس کیلئے پچھلی رات سے اعلان ہوتے آ رہے

فریدی نے ان ڈاکٹروں کو رقاصوں کی طرف جاتے دیکھا جو کچھ دیر پہلے ان
معائنہ کر چکے تھے۔ وہ بھی اٹھا۔ وہ ان رقاصوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

’’کیا آپ بھی ڈاکٹر ہیں۔‘‘ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

’’ہاں...... پہلے میں اسے مذاق سمجھا تھا۔‘‘ اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

رقاص سچ مچ طوفانی رقص کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ فریدی نے انہیں قریب سے
اب ان کے چہروں پر اضمحلال کی بجائے صحت مند سرخی تھی اور آنکھیں حیرت انگیز طور

ی تھیں۔ وہ ناچتے رہے۔ رقص لحہ بہ لحہ تیز ہوتا رہا۔ دوسری طرف سازندوں کا بُرا حال تھا۔
ن کے چہرے پسینے سے بھیگ گئے تھے اور وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ خصوصاً ان کی حالت
ت ابتر تھی جو منہ سے پھونکے جانے والے ساز بجا رہے تھے۔ پیانسٹ کو اپنی انگلیاں ٹوٹی
ئی معلوم ہو رہی تھیں۔ وائیلنسٹ کے بازو شل ہو گئے تھے۔ رقاص ان کا ساتھ نہیں دے
ہے تھے بلکہ انہیں رقاصوں کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ بیس منٹ گذرنے کے بعد ایک سازندہ اپنی
ری پھینک کر کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ پیانسٹ نے ہاتھ روک لئے لیکن رقاصوں کے پیر نہ
کے۔ اب وہ ایک رفتار پر جم گئے تھے۔ مگر یہ رفتار بھی شاید عام رقاصوں کے بس کی نہیں تھی۔

آدھے گھنٹے تک رقص ہوتا رہا اور پھر اچانک رقاصوں کے پیر رک گئے۔ آرکسٹرا بھی
موش ہو گیا۔ وہ ایک قطار میں کھڑے تھے اور ڈاکٹر ایک بار پھر ان کا معائنہ کر رہے تھے۔
ریدی بھی ان میں شامل تھا۔ پتہ نہیں اُس بار اُس نے کیا رائے قائم کی تھی لیکن ڈاکٹروں کی
ائے سے اسے بھی متفق ہونا پڑا کیونکہ ایک ڈاکٹر ہی کی حیثیت سے وہ ان رقاصوں کے قریب
نچ چکا تھا۔ ورنہ شاید صدیاں گذر جاتیں لیکن وہ ان کے قریب نہ جا سکتا۔ کیونکہ ہوٹل کا عملہ
عام آدمیوں کو ان کے قریب جانے سے روک رہا تھا۔ کچھ دیر بعد لاؤڈ سپیکر پھر چیخنے لگا۔ ’’اب
سنئے! ڈاکٹر کاظمی کیا فرماتے ہیں۔ ان حضرات نے رقص سے قبل بھی رقاصوں کا طبی معائنہ کیا
تھا۔ اس وقت انکی رائے تھی کہ یہ لوگ اپنی جگہوں سے ہلنے کے قابل بھی نہیں ہیں لیکن اب سنئے ڈاکٹر
صاحبان کیا فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر کاظمی جو کچھ بھی فرمائیں گے وہ بقیہ ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہوگا۔‘‘

لاؤڈ سپیکر خاموش ہو گیا۔ رقاص رقص گاہ سے جا چکے تھے لیکن اُن کی انویلڈ چیئرز وہیں
خالی پڑی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے پیروں سے چل کر گئے تھے۔

لاؤڈ سپیکر سے پھر آواز آئی۔ ’’حضرات میں ڈاکٹر کاظمی آپ سے مخاطب ہوں۔ میں
عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ بیسویں صدی میں بھی معجزات کا ظہور ہو سکتا ہے۔ اب
اگر کوئی دنیا کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی ان رقاصوں میں ایک فیصد بھی نقاہت بھی ثابت کر دے
تو میں زندگی بھر کے لئے خط غلامی رکھ دوں گا۔ یقیناً یہ اُسی مشروب کا اثر معلوم ہوتا ہے جو رقص

سے پہلے ان لوگوں نے پیا تھا۔

کچھ دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پھر معلن کی آواز آئی۔ ''آپ نے غور فرمایا۔ آ[illegible]
مردہ جسموں میں زندگی کی لہر کیسے دوڑ سکی۔ کیا یہ واقعی کوئی معجزہ تھا۔ مگر نہیں یہ معجزات کا
نہیں ہے بلکہ سائنسی دور ہے۔ جب بے جان مشینیں حرکت کر سکتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ [illegible]
کو بنانے والا نقاہت کا شکار ہو کر چارپائی سے لگ جائے۔ اگر مشینوں کو پٹرول حرکت
لاسکتا ہے تو آدمی ایسی چیزیں بھی دریافت کر سکتا ہے جو مردہ جسموں کو حرکت میں لائیں
مشروب جسے یہ رقاص اپنا پٹرول کہتے ہیں دراصل اسی قسم کی ایک دریافت ہے اور اس در
کا سہرا ڈاکٹر اسفند یار کے سر ہے کون ایسا ہے جو اس پراسرار ڈاکٹر کے نام سے واقف ہو
عظیم انسان نے عوام کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر بھی انسانیت کی کتنی خدمت کی ہے
اندازہ ہر ایک کو ہے، نہ جانے کتنی لاعلاج بیماریوں کا علاج اس عظیم آدمی نے اب تک در
کیا ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی بھی اس سے انکار کر سکتا ہے۔ یہ مشروب اب تجرباتی دور [illegible]
چکا ہے۔ عنقریب اسے آپ انرجین کے نام سے ہر دوا فروش سے خرید سکیں گے۔''

''لاحول ولا قوۃ۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''تو یہ اشتہار تھا۔''

اکثر جگہوں سے قہقہے بلند ہوئے اور ایک طرف سے آواز آئی۔ ''اعلان کرنے وا[illegible]
ٹانگ پکڑ کر یہاں کھینچ لاؤ۔''

اس طرح کے بہتیرے جملے سنے جاتے رہے اور پھر کچھ دیر بعد رمبا کے لئے
شروع ہو گئی۔ اس سے پہلے حمید کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا لیکن اب وہ اسی لڑکی کے
اپنی میز کی طرف آتا دکھائی دیا جسے فریدی اس کے کمرے میں چھوڑ کر آیا تھا۔

فریدی بیٹھا رہا اور وہ دونوں بھی اُسی میز پر آ گئے۔

''کل میں اس رقص کے اعلان کو اپریل فول سمجھا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''میں اب بھی اسے اپریل فول ہی سمجھتا ہوں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''اف فوہ۔'' ڈالی ہنس پڑی۔ ''اشتہار بازی کا بالکل نیا اور نفسیاتی طریقہ اس انـ[illegible]

کون بھلا سکے گا۔ لوگ اس کے مارکٹ میں آتے آتے صبر کا دامن چھوڑ بیٹھیں گے۔''

''اس میں تو شک نہیں۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ لیکن وہ ڈالی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

رقص شروع ہونے والا تھا لوگ اٹھ اٹھ کر پختہ فرش کی طرف جا رہے تھے۔

حمید اور ڈالی بھی اٹھے۔ فریدی وہیں بیٹھا رہا۔ اُسے اب بھی زوبیا کی تلاش تھی مگر وہ
ہیں نظر نہ آئی۔

دفعتاً اس کی نظر اس آدمی پر پڑی جو ڈاکٹر کاظمی کے نام سے مائیکروفون پر رقاصوں کے
خلق اپنی رائے ظاہر کرتا رہا تھا۔ فریدی یہ دیکھ کر اٹھا کہ ڈاکٹر کاظمی اپنی میز پر تنہا ہے۔

''اوہ..... تشریف رکھئے۔'' ڈاکٹر کاظمی نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''آپ بھی تو
اید ہم لوگوں میں سے تھے۔''

''جی ہاں..... مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوا تھا۔'' فریدی مسکرایا۔

''مجھے اپنی حماقت پر غصہ آ رہا ہے۔'' ڈاکٹر کاظمی نے کہا۔

''کیسی حماقت.....؟''

''ارے یہی! مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ کسی قسم کا اشتہار ہوگا۔''

''لیکن ہماری رپورٹ غلط تو نہیں تھی۔''

''قطعی نہیں..... وہ لوگ حیرت انگیز طور پر کمزور تھے۔ حیرت انگیز اس لئے کہہ رہا ہوں
کہ نقاہت کی اس اسٹیج پر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''کیا وہ ڈاکٹر کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔''

''نہیں..... اور نہ ہی معلوم کیا جا سکا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے۔ مگر یہ بھی ایک نئی چیز
ہے۔ کم از کم اسفند یار سے اس کی توقع نہیں رکھتا تھا کہ وہ اپنی کسی ایجاد کو شہرت دینے کے لئے
کوئی ایسا گھٹیا طریقہ اختیار کرے گا۔''

''اسے آپ گھٹیا تو نہیں کہہ سکتے۔'' فریدی بولا۔ ''بڑی ذہانت سے یہ سب کچھ کیا گیا
تھا۔ میرا خیال ہے اگر صرف مائیکروفون پر کسی دوا کے خواص گنوائے جاتے تو شاید کوئی اس پر

دھیان دینے کی بھی زحمت گوارا نہ کرتا...... مگر اب...... کیا یہاں بیٹھا ہوا کوئی آدمی کبھی ا
کو فراموش کر سکے گا۔

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر کاظمی سر ہلا کر بولا۔

"مگر ڈاکٹر...... یہ تو سوچئے کہ لوگ کتنے عرصہ سے اس کی پبلسٹی کرتے رہے
گے۔ لیکن ان کی نقاہت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اب بھی اس مشروب کے رہین منت ہ

"ہاں یہ چیز غور طلب ہے۔" ڈاکٹر کاظمی نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

موسیقی کی لہریں فضا میں منتشر ہوتی رہیں۔ رمبا کا دور چلتا رہا۔ قطعی یہ نہیں معلوم
کہ آج یہاں کوئی آدمی کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ سب یا تو پاگل تھے یا چوپائے۔
ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ہرنوں کے کسی جھنڈ پر کسی شکاری نے فائر کیا ہو۔ ایک گرا او
بھاگ نکلے۔ پھر جہاں ان کے پیر تھمے وہیں دوبارہ چرنا چگنا شروع کر دیا۔ اپنے نقصا
بے نیاز...... بے پرواہ۔

ساز چیخ رہے تھے۔ پیر متحرک تھے بھدے اور بے ڈول پیر۔ سُبک اور سڈول پنڈا
لیکن وہ شاید جسم ہی جسم تھے۔ مشینوں کی طرح متحرک جسم لیکن...... دفعتاً ایسا معلوم ہوا ج
ساز نے "لیکن" کہا ہو اور پھر دوسرے سازوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ "بیسویں صدی ۔
ناچو...... ناچتے رہو...... ایک آدمی کی موت پر مغموم ہو کر کیا کرو گے۔ ہو سکتا ہے کل تم
بھی جانوروں کی طرح مر جاؤ۔ ہائیڈروجن بموں کے تجربات سے پھیلنے والی وبائیں تمہیں
کر جائیں۔ تم سب ایک ایسی کشتی میں سوار ہو جو ڈوبنے والی ہے۔ پھر کسی دوسرے کے
سوچ کر کیا کرو گے۔ اپنی اپنی فکر کرو۔ تم مستقبل سے مایوس ہو، اس لئے تمہاری نظروں
چیز کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ تم سب اس بہت بڑے دھماکے کے منتظر ہو جس سے
کر کہیں نہ جا سکو گے...... ناچو...... ناچتے رہو...... کل زمین کے چیتھڑے اڑ جائیں گے
پانی کے چشموں سے زہر اُبلے گا...... ناچو...... مستقبل سے بے پرواہ ہو کر ناچو کیونکہ مستقبل
ایک دھماکہ ہے۔ جس کی پشت پر دنیا کی بہترین عقلیں ہوں گی مگر وہ خود عقل سے بے نیاز

ب سائنسی دور کی جہالت کا شکار ہونے والے ہو۔ ناچو...... ناچتے رہو...... ناچو...... ناچو......!"

ساز چیختے چیختے تھک گئے۔ ایک پل کے لئے چاروں طرف گہرا سناٹا چھا گیا اور اس کے
بعد پھر وہی قہقہے اور قلقاریاں...... ناچنے والے اپنی میزوں کی طرف واپس جا رہے تھے۔

"اچھا ڈاکٹر......!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ ہو۔" ڈاکٹر کاظمی نے چونک کر کہا۔ "شب بخیر...... جناب۔"

فریدی رقص گاہ سے نکل کر ڈائننگ ہال کیطرف روانہ ہو گیا۔ وہ زوبیا کے متعلق سوچ رہا تھا۔
ڈائننگ ہال میں بھی وہ نہیں دکھائی دی۔ اب وہ اسکے کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ اوپری
منزل پر تھا۔ لیکن دفعتاً وہ زینوں پر ہی نظر آ گئی لیکن وہ فریدی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ فریدی
الٹے پاؤں واپس مڑا اور نیچے پہنچ کر بائیں جانب والے نیم تاریک گوشے میں چلا گیا۔

زوبیا اس سے بے خبر نیچے آئی اور صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے باہر نکل
جانے پر فریدی بھی آگے بڑھا۔

اب وہ دلان میں چل رہی تھی لیکن اس کا رخ نہ تو رقص گاہ کی طرف تھا اور نہ ڈائننگ
ہال کی جانب بلکہ وہ اس حصے کی طرف جا رہی تھی جہاں مقامی گاہک اپنی کاریں پارک کیا
کرتے تھے۔ فریدی کراٹا کی باڑھ کی اوٹ سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ آج کے حادثے کے
سلسلے میں اسے اس لڑکی کی پوزیشن بہت ہی اہم معلوم ہوئی تھی۔ وہی آدمی آج مار ڈالا گیا جو
پچھلی رات اسی لڑکی کے لئے حمید سے لڑ گیا تھا اور خود فریدی نے پہلے بھی کئی بار یہ بات محسوس
کی تھی کہ وہ آدمی اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھتا ہے۔

اندھیرا

وہ کاروں کے قریب رک گئی۔ دفعتاً ایک طرف سے ایک تاریک سایہ اس کی طرف بڑھا

اور دیکھتے ہی دیکھتے دو تین اور سائے تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں دکھائی دیئے

"یہ کیا حرکت...... پیچھے ہٹو" فریدی نے لڑکی کی آواز سنی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایک کار میں دھکیل دیا گیا پھر جب تک فریدی پہنچتا کار حرکت میں آ گئی۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ رہ گیا تھا کہ وہ اس پہیئے پر فائر کر کے اسے بیکار کر دیتا۔

مگر اس کی جیب میں ریوالور تھا کہاں۔ اس نے چاروں طرف دیکھا ایک جگہ اُ موٹر سائیکل نظر آئی وہ اسی کو لے دوڑا۔ شاید کار والے بھی آگاہ ہو گئے تھے کہ ان کا تعا جا رہا ہے، اس لئے انہوں نے عقبی روشنی گل کر دی تھی۔

اس وقت فریدی کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا لیکن وہ بہر حال فریدی تھا اس سب سے زیادہ چالاک اور دانش مند آدمی...... اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا بھی تو وہ کھیل کو اسی اسٹیج پر ختم کر دینے کی کوشش کرتا۔

موٹر سائیکل کار کا تعاقب کرتی رہی۔ ایک جگہ فریدی نے راستہ کاٹا۔ اُسے یقین اس سڑک کے علاوہ اور کسی راستے پر کار نہ موڑ سکیں گے۔ رام گڈھ اور اس کے نواحی چپہ چپہ فریدی کا دیکھا ہوا تھا۔

موٹر سائیکل سڑک سے اُتار کر ایک تنگ راستے پر دوڑاتا رہا۔ اس خطرناک را سائیکل چلانا بھی اسی کا کام تھا اور پھر جب اس نے اُسے بائیں جانب والی چڑھائی بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس نے موٹر سائیکل سمیت جست لگائی ہو۔

ایک بہت بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی نشیب میں جا رہی تھی۔ یہی چٹان اس کی موت بھی بن سکتی تھی۔ لیکن یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اس کے ستارے بھی اسی کی طرح حیرت انگ چٹان اس وقت اپنی جگہ سے کھسکی تھی جب موٹر سائیکل کا پچھلا پہیہ اس پر سے گذر چکا ورنہ چشم زدن میں وہ خود بھی اسی چٹان کی طرح لڑھکتا ہوا سینکڑوں فٹ نیچے جا گرا ہوتا مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو نہ تو اس کے سکون میں فرق

ٹر سائیکل کی رفتار ہی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

پھر ذرا ہی دیر بعد وہ پھر اس سڑک پر تھا اور کار شاید بہت پیچھے رہ گئی۔ اُس نے اُدھر ہی سائیکل موڑ دی جدھر سے کار آنے والی تھی۔

موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہوتی رہی اور پھر اسے تاریک خلاء میں کار کی ہیڈ ں کی آڑی ترچھی لکیریں نظر آئیں۔ کار ابھی نشیب میں تھی۔

پھر وہ سامنے آ گئی۔ فریدی کی موٹر سائیکل سڑک پر چلتی رہی۔ کار سے ہارن دیا گیا اور ی رفتار بھی کم ہو گئی۔

"گھاتو کا پل ٹوٹ گیا ہے۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "آگے راستہ نہیں ہے۔"

کار رک گئی اور موٹر سائیکل بائیں جانب والے پائیدار سے جا لگی۔ فریدی نے حتی الامکان ش کی تھی کہ اس کا چہرہ تاریکی ہی میں رہے۔

"پل ٹوٹ گیا" کسی نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

اتنی میں فریدی کا ہاتھ کار کے اندر پہنچ چکا تھا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کے ا سے عجیب سی آواز نکلی اور کسی نے کہا۔ "کیا بات ہے۔"

لیکن شاید جواب کے لئے اُسے کم از کم دو گھنٹے تک منتظر رہنا پڑتا۔ فریدی بیہوش جانے والے آدمی کی جیب سے ریوالور نکال چکا تھا۔ پھر اس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکال روشنی کی اور ریوالور کا رخ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمیوں کی طرف کر دیا۔

وہ دو تھے۔ درمیان میں زد بیا بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کے منہ پر چمڑے کا تسمہ چڑھا ہوا ا اور وہ کسی بے بس پرندے کی طرح پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"اس کے منہ سے تسمہ ہٹاؤ" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تم کون ہو؟" ایک آدمی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"جو کہا جا رہا ہے کرو۔" فریدی کا لہجہ بہت سرد تھا۔ اُن لوگوں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا جو اسٹیئرنگ پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

"کیا تم نے اُسے مار ڈالا......؟" ایک نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

"ہوسکتا ہے وہ مر ہی گیا ہو۔ تم سے جو کہا جارہا ہے کرو، ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوسکتا

دفعتاً ایک آدمی نے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ فریدی نے اس کی ناک پر ٹارچ رسید

اور وہ بلبلاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

دوسرے نے بڑی پھرتی سے زوبیا کے منہ پر سے چمڑے کا تسمہ ہٹانا شروع کردیا

"اب تم نیچے اتر آؤ لڑکی۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

وہ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فر

اس کی چیخ بھی سنی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے چیخ کر پوچھا لیکن جواب ندارد۔ فریدی موٹر سائیکل

گیا اور وہ سڑک پر جاگری۔ لیکن وہ اس کی پرواہ کئے بغیر دوسری طرف جھپٹا۔

پھر اچانک وہ دونوں آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ ریوالور فریدی کے ہاتھ سے گر گیا۔ کشمکش کا فیصلہ ہونے میں دیر نہیں لگی۔ وہ دونوں بھی جلد ہی اپنے تیسرے ساتھی کی طرح وحرکت نظر آنے لگے۔ فریدی انہیں سڑک پر ہی چھوڑ کر ٹارچ اور ریوالور تلاش کرنے لگا۔

لڑکی کا اس طرح چشم زدن میں غائب ہوجانا انتہائی حیرت انگیز تھا۔ کچھ دیر بعد کی روشنی کا دائرہ ادھر اُدھر رینگنے لگا۔

دفعتاً بائیں جانب والے نشیب میں اُسے ایک زنانہ سینڈل نظر آیا اور وہ نیچے اتر گیا۔ اس خیال نے اُسے مضطرب کردیا کہ کہیں وہ نیچے نہ گر گئی ہو۔ ایسی صورت میں ا ہڈیاں بھی سلامت نہ رہتیں۔ یہ ڈھلان کچھ ایسی ہی تھی کہ ذرا سی لغزش آدمی کو موت کا جبڑوں میں دھکیل سکتی تھی۔ وہ ڈھلان کے اختتام پر پہنچ کر رکا۔ لیکن زوبیا اُسے کہیں نظر نہ آ

وہ چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈال رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ خوفزدہ ہوکر کسی ط نکل تو نہیں گئی مگر اس نشیب پر دوڑنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ پھر اس جگہ لوٹ آیا جہاں پڑا دیکھا تھا۔ وہ جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ اس کا تسمہ باقاعدہ طور پر بکل میں پھنسا ہوا تھا

سینڈل کا تسمہ اتنا ڈھیلا کبھی نہیں رکھا جاتا کہ وہ پیر سے نکل جائے۔

تو پھر کیا اُسے کچھ لوگ دوبارہ اٹھا لے گئے ہیں؟ فریدی کے ذہن نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا۔ لیکن اگر یہ حقیقت ہی تھی تو اب ان چٹانوں میں بھٹکتے پھرنا ایک فضول سا فعل ہوتا۔ اس نے سوچا کہ دوسری بار اغواء کرنیوالے بہت زیادہ محتاط ہوگئے ہوں گے۔

یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی وہ کچھ دور تک بڑھتا چلا گیا۔ ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر بکراتی پھر رہی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اُس نے سوچا کہ اس طرح بھٹکنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ اُن تینوں آدمیوں کو ہوش میں لاکر ان سے پوچھ گچھ کی جائے۔

پھر وہ سڑک کی طرف مڑا لیکن ابھی آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی...... وہ دوڑنے لگا۔ لیکن سڑک پر پہنچنے کے بعد اُسے ایک جھٹکے کے ساتھ رک جانا پڑا کیونکہ اب نہ تو وہاں موٹر سائیکل تھی اور نہ وہ کار۔ تینوں بیہوش آدمی بھی غائب تھے۔

فریدی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں آئیں گے۔

پیراڈائیز یہاں سے تقریباً سات میل دور تھا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر پیراڈائیز کی طرف چل پڑا۔ پیدل چلنا اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر تیس اور چالیس میل تک پیدل چل چکا تھا۔ بہرحال اس کا موڈ اس خیال سے خراب نہیں ہوا تھا کہ اسے پیدل واپس جانا پڑے گا بلکہ موڈ کی خرابی کی وجہ دراصل موٹر سائیکل کی گمشدگی تھی۔ پتہ نہیں وہ کس بیچارے کی رہی ہوگی۔ ہوسکتا ہے وہ بھی کسی دوسرے سے عارتاً لایا ہو۔

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے گھاتو کا پل ٹوٹ جانے کی اطلاع کافی تشویش سے سنی تھی۔ لہٰذا انہیں گھاتو کے پل سے آگے ہی جانا رہا ہوگا۔ گھاتو کا پل یہاں سے ڈیڑھ میل دور تھا اور پھر اس سے ایک میل آگے چل کر شاہ پور کی چھاؤنی تھی۔ یہاں کئی فوجی آفیسر اُس کے شناسا تھے۔ اس نے سوچا کیوں نہ وہاں چل کر تفتیش جاری رکھی جائے۔

وہ گھاتو کے پل کی طرف چل پڑا۔ اُس کے جوتے بے آواز تھے۔ وہ بڑی تیز رفتار
سے کام لے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ذہن میں بہتیرے سوال تھے۔

اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ زوبیا مرنے والے سے ناواقف نہیں تھی کیونکہ مرنے والا ا
کے لئے ایک بار حمید سے جھگڑا کر چکا تھا پھر حمید کو اس کیس میں الجھانے کی کوشش کی گئی
نامعلوم عورت کی کال اور وہ شیشی جو حمید کی نہیں تھی لیکن اس کمرے میں پائی گئی تھی۔ پھر ا
لڑکی کا قصہ...... کیا وہی لوگ تھے جنہوں نے اس آدمی کو ختم کر دیا تھا۔ ممکن ہے...... وہی ہو
اور انہوں نے یہ حرکت اس لئے کی ہو کہ پولیس ایک اچھے گواہ سے محروم ہو جائے۔

اب تک صدہا ایسے کیس اس کی نظروں سے گذرے تھے جن میں مجرموں نے گواہوں
یا تو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی یا ان کا اغوا کر لیا تھا۔

فریدی چلتا رہا۔ اب زمین تاروں کی چھاؤں سے محروم ہو گئی تھی۔ کیونکہ کچھ دیر
مغربی افق سے بادلوں کے جھنڈ اُبھر کر چاروں طرف پھیلتے گئے تھے۔ ہوا میں
زیادہ خنکی پیدا ہو گئی تھی جس سے صاف ظاہر تھا کہ بارش ضرور ہو گی۔

فریدی نے رفتار پہلے سے زیادہ تیز کر دی۔ وہ بارش ہونے سے قبل ہی شاہ پور کی چھا
میں پہنچ جانا چاہتا تھا اور پھر بارش ہو جانے پر گھاتو کا پل سچ مچ خطرناک ہو جاتا فریدی جانتا تھا
بعض اوقات پانی پل پر بھی بہنے لگتا تھا اور بہاؤ اتنا تیز ہوتا ہے کہ قدم جمانا دشوار ہو جاتا ہے
اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ اسے بار بار خلاء میں آنکھیں پھاڑنی پڑتی تھیں لیکن اس نے
بار بھی ٹارچ نہیں روشن کی۔

اچانک دو چار بڑی بڑی بوندیں آئیں اور اس کی رفتار سست پڑ گئی۔ اب وہ آگے
بڑھنا چاہتا تھا۔ دوسرے جھونکے کے ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی اور اب اُسے کسی پناہ گ
تلاش کے سلسلے میں ٹارچ روشن کرنی ہی پڑی۔

ایک بار پھر وہ بائیں جانب والی ڈھلان میں اتر رہا تھا وہ جانتا تھا کہ رام گڈ
پہاڑیاں ایسے غاروں سے بھری پڑی ہیں جہاں وہ بارش سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسے جلد

ایسی جگہ مل گئی۔

یہ ایک کافی کشادہ دراڑ تھی اور اس پر ایک چٹان اس طرح جھکی ہوئی تھی جیسے وہ کوئی
ئبان ہو۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں اس کا مختصر سا جائزہ لیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ بارش
نوں میں چنگھاڑتی پھر رہی تھی۔ کبھی کبھی بادلوں کی گرج زلزلہ سا ڈال دیتی۔

دفعتاً فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس درے میں داخل ہوا ہو۔ پھر اس نے پتھریلی
ین پر پڑنے والے بھاری قدموں کی آواز بھی سنی۔ وہ پیچھے ہٹا مگر بے سود کیونکہ آنے والے
نے ٹارچ روشن کر لی تھی۔

"کیا کرتے ہو۔" فریدی غرایا۔ "آنکھوں پر روشنی نہ ڈالو۔"

"تم کون ہو؟" آنے والے نے پوچھا۔

"انتہائی احمقانہ سوال ہے۔ میں کیوں بتانے لگا کہ میں کون ہوں۔"

"اتنی رات گئے یہاں کیوں؟" آنے والے نے بیساختہ پوچھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔ تم پوچھنے والے کون ہو۔ کیا میں تمہارے گھر میں گھس آیا ہوں۔"

"اے...... ڈھنگ سے جواب دو جو کچھ پوچھا جائے۔" آنیوالے نے تیز آواز سے کہا۔

"کیوں تم کون ہو؟" فریدی کا لہجہ چیلنج کرنے کا سا تھا۔

"میں کوئی بھی ہوں...... تمہیں میرے سوال کا جواب دینا پڑے گا۔"

"اچھا......!" فریدی مسکرایا۔ "کرو سوالات لیکن وہ دس سے زیادہ نہ ہوں۔ میں اُن
میں سے صرف پانچ منتخب سوالات کی جواب دوں گا۔"

"تم یوں نہیں مانو گے۔" اس آدمی نے کہا اور ٹارچ روشن کر لی۔ فریدی کو اس کے داہنے
ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔

اس نے پھر کہا۔ "اب بتاؤ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں آدمی ہوں اس لئے بارش میں نہیں بھیگنا چاہتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ ریوالور خالی نہیں ہے۔" وہ آدمی غرایا۔

"یہ ریوالور ہے۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"آگ اگلنا بھی جانتا ہے۔"

"ذرا دیکھوں تو۔" فریدی لہک کر بولا۔ "میں نے آج تک ریوالور اپنے ہاتھ میں کر نہیں دیکھا۔"

"پیچھے ہٹو۔" وہ آدمی دھاڑا۔

"یار...... کیوں خواہ مخواہ خفا ہوتے ہو۔ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ خواہ مخواہ جیب ریوالور نکال کر مجھے دکھاؤ۔ اب اگر میں اپنے ہاتھ ہی میں لے کر دیکھ لوں گا تو اس میں کو خرابی پیدا ہو جائے گی۔"

"اچھا تو میں فائر کرنے جا رہا ہوں۔"

"مگر جلدی واپس آ جانا۔ یہاں اکیلے دل گھبراتا ہے۔" فریدی نے بڑی سادگی سے

اس نے سچ مچ فائر کر دیا۔ گولی پتھر سے ٹکرا کر پلٹی اور وہ خود بال بال بچا۔ لیکن دو ہی لمحے ریوالور زمین پر تھا اور اس کا داہنا ہاتھ فریدی کی گرفت میں...... اور پھر وہ اس کے ہی جھٹکے میں منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔

"اب تمہیں میرے بیس سوالات کے جواب دینے پڑیں گے۔" فریدی اس کی گر پیر رکھتا ہوا بولا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ممکن نہ ہوا۔

"اب اسی طرح پڑے پڑے بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"مم...... میں...... سرکاری سراغرساں ہوں۔" اس آدمی نے ہانپتے ہوئے غصیلی آواز میں

"تب تو میں تمہاری گردن توڑ ہی دوں گا۔" فریدی اس کی گردن پر مزید دباؤ ڈا بولا۔ "تم میری ہی تلاش میں آئے ہو گے۔ لیکن میں پولیس والوں کو بخشنا نہیں جانتا۔"

"میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔" وہ بوکھلا کر بولا۔

"میں لاکھ برس یقین نہیں کروں گا۔" فریدی کا جواب تھا۔

"کیا تم دوسروں کی دولت میں حصہ لگانے والوں میں سے ہو۔" اس آدمی نے پوچھا۔

"دوسروں کی دولت خود ہی میری منتظر رہتی ہے۔ تجوریاں میری آہٹ پر اپنے منہ کھول تی ہیں۔"

"اوہو! تب تو مجھے چھوڑ دو۔ پیر ہٹاؤ نا...... میں بھی تمہارا ہی ہم پیشہ ہوں۔"

"میں کیسے یقین کر لوں...... اکثر سراغ رساں ہماری صفوں پر گھس آتے ہیں اور ان کا یق کار بھی یہی ہوتا ہے جو تم نے اس وقت اختیار کیا ہے۔"

"نہیں دوست...... میں ثابت کر دوں گا کہ میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔"

فریدی نے اس کی گردن پر سے پیر ہٹا لیا اور وہ بیٹھ کر اپنی گردن ملنے لگا۔ فریدی ٹارچ روشنی میں اُسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ "تم واقعی بہت ہرے معلوم ہوتے ہو...... میں نے اتنا پھرتیلا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

آگ

بارش کے پہلے ہی چھینٹوں نے رقص گاہ میں ابتری پھیلا دی تھی۔ پھر سنبھلتے سنبھلتے وسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش اچانک ہوئی تھی۔ پہلے سے آثار نہیں تھے اور اگر آثار تھے ھی تو ایسے نہیں کہ رام گڈھ کے موسمی معمولات کے خلاف ہوتے۔ وہاں اکثر اسی طرح بادل ھا کرتے تھے لیکن ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ہلکی ہلکی پھواروں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ردیوں میں شاید یہی پھواریں برف کے ذرات کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔

مگر اس وقت شاید فطرت بھی مذاق کے موڈ میں تھی۔ اب فطرت کے علاوہ اور کون اس منظر سے لطف اندوز ہوتا...... لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور سریلی چیخیں

شاید بادلوں کو بھی گدگدا رہی تھیں کیونکہ بارش کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"ٹھہریئے! حواس قائم رکھئے۔" لاؤڈ اسپیکر چیخنے لگا۔ "اسطرح آپ چوٹ بھی کھا سکتے ہیں"

"خدا غارت کرے۔" ڈالی گرتے گرتے سنبھل کر بولی۔ حمید نے اُسے اپنے
ہاتھ پر روک لیا تھا۔ ورنہ وہ منہ کے بل گرتی۔

"ہائیں...... بارش ہی تو ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں بھیگ رہی ہوں۔"

"اور میں بالکل خشک ہوں۔ واقعی یہ بہت بڑا ظلم ہے۔"

"تم عجیب آدمی ہو، چلو بھاگو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔

"ہرگز نہیں۔ مجھ سے اتنی غیر منطقی حرکت نہیں سرزد ہو سکے گی۔ پانی سے بچنے کے
ہاتھ منہ توڑ بیٹھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"تم احمق ہو۔" ڈالی نے کہا اور دوڑنے لگی۔ لیکن اس دوڑ میں حمید نے اس کا ساتھ
دیا۔ وہ بہت اطمینان سے بھیگتا ہوا کمرے میں آیا لیکن یہاں کی حالت دیکھ کر وہ یہ بھ
گیا کہ اس کے جسم میں بھیگے ہوئے کپڑے ہیں۔

پولیس کی تلاشی کے بعد اس نے بڑی دشواری سے اپنی چیزیں قرینے سے رکھی تھیں
اب وہ اس سے بھی زیادہ ردی حالت میں نظر آئیں۔ کسی نے اس کی عدم موجودگی میں
کمرے کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ بستر فرش پر پڑا تھا۔ تکیہ پھاڑ ڈالا گیا تھا۔ سوٹ کیس
طرف پڑا تھا اور کپڑے کچھ یہاں تھے کچھ وہاں۔

سفر میں وہ چیک بک اور نقدی ہمیشہ جیبوں میں رکھا کرتا تھا۔ ورنہ ہو سکتا تھا
وقت اسے اور زیادہ غصہ آتا۔

غصہ تو تھا مگر صرف فریدی پر۔ آخر اُس نے پولیس والوں سے اپنی اصلیت چھ
کیوں تھی۔ ممکن ہے یہ حرکت کسی مقامی سراغ رساں کی رہی ہو۔ وہ دونوں خود بھی ہزار
اس قسم کی بے ضابطہ تلاشیاں لے چکے تھے۔

اُس نے جھلاہٹ میں منیجر کو فون کیا لیکن وہ آفس میں موجود نہیں تھا۔ کسی کلرک نے
ن ریسیو کر کے بتلایا کہ ایک کمرے میں چوری ہو گئی ہے۔ منیجر وہیں ہے۔

"میرے کمرے میں بھی چوری ہو گئی ہے۔" حمید غرایا۔ "منیجر کو فوراً بھیجو۔"

پھر اس نے اپنے کمرے کا نمبر بتایا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ہی تین آدمی اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ ہوٹل کے
اف ہی سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان میں منیجر نہیں تھا۔ وہ اس سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔

"نہیں کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔" حمید نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ہوٹل کس قدر غیر محفوظ ہے۔"

"پتہ نہیں کیا بات ہے جناب۔" ایک آدمی بولا۔ "مس ڈالی بھی کہتی ہیں کہ اُن کے
رے سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔ لیکن سامان اسی طرح بکھرا پڑا ہے۔"

"کون مس ڈالی۔" حمید اسے گھورنے لگا۔

"ایک یوریشین ہیں۔" اس نے جواب دیا اور کمرے کا جو نمبر بتایا وہ ڈالی ہی کے کمرے کا تھا۔

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "میں اس کی رپورٹ پولیس کو دینا چاہتا ہوں۔"

"میں فون کرنے جا رہا ہوں۔" ایک آدمی نے کہا اور باہر چلا گیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد منیجر بھی آ گیا۔ وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"تکیہ اس کا بھی پھاڑ دیا گیا ہے۔" وہ تشویش کن لہجے میں بڑبڑایا۔ حمید کی تیز نظریں
ما کے چہرے پر پڑیں، بالکل اسی انداز میں جیسے وہی بیچارہ اس کا ذمہ دار ہو۔

"جی ہاں۔" وہ حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "بالکل ایسا ہی ایک واقعہ اور بھی ہوا ہے۔ ایک
احبہ کے کمرے کی بھی یہی حالت نظر آتی ہے اور ان کا تکیہ بھی اسی طرح پھاڑ ڈالا گیا ہے۔"

"مگر میں صاحبہ نہیں ہوں کہ صبر کر لوں گا۔"

"کیا کوئی چیز غائب بھی ہے؟"

"نہیں۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔

"اُن کے کمرے سے بھی کوئی چیز غائب نہیں ہوئی۔"

"کیا یہ یہاں قیام کرنے کا انعام ہے۔"

"کیا عرض کروں جناب۔ ایسی وارداتیں تو کبھی نہیں ہوئیں۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا مگر شاید فون منیجر کے لئے تھا۔

حمید نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف کی گفتگو شاید ایسی ہی پریشان کن تھی کہ منیجر کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔ نے ریسیور رکھ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا مصیبت آ گئی ہے۔"

"کیوں......؟" وہ جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ایک کار اور ایک موٹر سائیکل غائب ہے۔" اس نے رومال سے چہرے کا پسینہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی باتیں تو یہاں کبھی نہیں ہوئیں۔ اچھا جناب! میں ابھی پولیس کو کرتا ہوں۔"

منیجر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں کلرک بھی رخصت ہو گئے۔

حمید آرام کرسی کے ہتھے سے ٹک کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ آتے وقت اس فریدی کا کمرہ مقفل دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس کا کمرہ بھی اسی حالت میں ہوگا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے ڈالی بول رہی تھی۔

"ہیلو...... پرویز۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے کمرے میں کسی نے ابتری پھیلائی۔"

"ٹھیک سنا ہے۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ میرے کمرے کی بھی یہی حالت ہوئی ہے؟"

"ہاں منیجر نے بتایا تھا۔"

"کتنی عجیب بات ہے۔"

"ہاں اتنی ہی عجیب جتنی کہ تاراجام کی نیشنل آئرن فیکٹری۔"

"کیا مطلب......؟"

"کچھ بھی نہیں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے پاپا کو تحفے میں کیا بھیجوں۔"

"یہ کیسی اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں تم نے۔"

"کچھ نہیں...... تمہیں مجھ سے ہمدردی ہے نا۔ تم آج مجھے اس کی اطلاع دینے آئی تھیں پولیس مجھ پر شبہ کر رہی ہے، حالانکہ پولیس میری جیب میں پڑی رہتی ہے۔"

"کیا تم نے زیادہ مقدار میں پی لی ہے تمہارا لہجہ......!"

"ہاں...... میرے لہجے پر بہتوں کو پیار آتا ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" اس نے جھلا کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید پائپ سلگانے لگا۔ اب وہ پولیس کے آئے بغیر پلنگ پر بستر بھی نہیں ڈال سکتا تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ "جہاں جاؤ شامت ہی گھیرتی ہے۔"

وہ کبھی کمرے میں ٹہلتا اور کبھی راہداری میں نکل آتا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کا رہ بھی کھول کر دیکھا جائے۔ اس نے ہک سے کنجی اتاری اور کمرہ کھول کر اندر آیا۔ اس کا ازہ غلط نہیں تھا۔ یہاں بھی ویسی ہی ابتری نظر آئی۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نہیں تھی اور اس تکیہ پھاڑ ڈالا گیا تھا۔

اس نے کمرہ دوبارہ مقفل کیا اور اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد س بھی آ گئی۔ اس کے ساتھ مقامی سی آئی ڈی کا ایک انسپکٹر بھی تھا۔ اس نے فریدی اور حمید کمرے دیکھے۔ اس سے پہلے شاید وہ ڈالی کے کمرے کا بھی جائزہ لے چکا تھا۔

"کیا اس لڑکی سے آپ کی پرانی جان پہچان ہے۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں...... ہم آج ہی ملے تھے۔"

"آج تین بجے کس عورت نے آپ کا شکریہ ادا کیا تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا آپ کو اس سے انکار ہے کہ فون پر کسی عورت نے آپ کا شکریہ ادا کیا تھا۔"

"قطعی نہیں...... لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھی لہٰذا میں نے آپریٹر سے اس کے متعلق چھان بین کی تھی۔"

"لاش کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آ گئی ہے۔" اس نے حمید کے چہرے پر نظر جماتے ہو
حمید کچھ نہ بولا۔ انسپکٹر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ سانپ
سے ہلاک ہوا ہے۔"

"اوہو......!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "تو وہ سانپ تھا بطخ کے بھیس

"جی نہیں۔" انسپکٹر نے تلخ لہجے میں کہا۔ "زہر اس زخم کے راستے جسم میں پہنچا تھا
کے کاٹنے سے ہوا تھا۔"

"اچھا...... اب میں سمجھا۔ یعنی اس زخم پر کسی سانپ نے بھی طبع آزمائی کی تھی
بدنصیب تھا بیچارہ مرنے والا۔"

"جی ہاں! بدنصیب ہی تھا کیونکہ پچھلی رات آپ نے بھی تو طبع آزمائی فرمائی تھی۔"

"لیکن اس وقت میں بطخ کے بھیس میں نہیں تھا۔"

"ساری زبان طراریاں دھری رہ جائیں گی۔" انسپکٹر غصیلی آواز میں بولا۔ "اگر یہ
ہو گیا کہ آپ بھی اس کے قریب تھے جب بطخ نے حملہ کیا تھا......!"

"یہ ثابت ہونے سے پہلے میں رام گڈھ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ کو اطمینان رکھنا چا
انسپکٹر اُس کی ترکی بہ ترکی پر بُری طرح جھلس رہا تھا۔ دفعتاً اس نے پوچھا۔ "آ
ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ نابالغ نہیں ہے کہ ہر وقت ان کی آمد و رفت سے باخبر رہنا میرے لئے ضرور

"آپ آخر آدمیوں کی طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے۔"

"کیا میں ابھی تک پرندوں کی طرح چہچہاتا رہا ہوں۔" حمید نے بڑی سادگی سے

"بہت جلدی معلوم ہو جائے گا۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھر موجود تھا۔

"آپ کے ساتھی کب سے غائب ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔ میں اس کی دم کے پیچھے نہیں لگا رہتا۔"

"میں ایک بار پھر آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ سوچ سمجھ کر گفتگو کیجئے۔"

"شکریہ! میں پہلے سے کافی محتاط ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"یہاں سے ایک کار اور ایک موٹر سائیکل بھی غائب ہو گئی ہے۔"

"اور میرا ساتھی بھی غائب ہے۔" حمید مسکرایا۔

"آپ......!" وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر حمید کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے
لگا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ سچ مچ اپنی بے عزتی کے خواہاں ہیں۔ آپ نے پچھلی رات پولیس کو
اطلاع کیوں نہیں دی تھی کہ اُس نے آپ کا پرس اڑا لیا تھا۔"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ برباد کیا جا سکے۔"

"پھر ہم اسے باور کر لینے پر تیار نہیں ہیں کہ اس نے آپ کی جیب کاٹی تھی۔"

"آپ کی مرضی۔ نہ میں نے اس کی شکایت کی تھی اور نہ اب آپ کو اس کا یقین دلانا
چاہتا ہوں۔ لیکن ذرا یہ تو فرمائیے کہ وہ بلاوجہ میرے ہاتھ سے پٹ گیا تھا تو خود اس نے ہی
میرے خلاف پولیس کو رپٹ کیوں نہیں دی اور جناب کیا آپ اس پر بھی روشنی ڈال سکیں گے
کہ اس نے اپنی شاندار مونچھیں کیوں صاف کرا دی تھیں؟"

"اس کا جواب بھی آپ ہی دے سکیں گے۔" انسپکٹر ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اچھا تو سنئے میرا جواب۔ اس نے حتی الامکان اپنی ایک ایسی امتیازی خصوصیت ختم
کر دی تھی جس کی بناء پر لوگ اُسے پہچاننے میں تامل کرتے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک گرہ کٹ
کی حیثیت سے اس پر انگلیاں اٹھیں۔ کیا سمجھے۔"

"لیکن وہ اتنا ڈھیٹ تھا کہ یہاں سے ٹلنا بھی نہیں چاہتا تھا۔" انسپکٹر مسکرایا۔

"اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"مسٹر پرویز...... آپ دلدل میں پھنس چکے ہیں۔"

"اس اطلاع کی لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"جھگڑا ایک لڑکی کے لئے ہوا تھا۔"

حمید تیکھی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا لیکن اس کے ہونٹ بند ہی رہے۔ انسپکٹر کہہ رہا تھا۔

"جھگڑے کے وقت آپ دونوں وہاں تنہا ہی تھے۔"

"پھر......؟"

"ایک آدمی نے آپ دونوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔"

"تب تو آپ اس لڑکی سے مل ہی چکے ہوں گے جس کے لئے جھگڑا ہوا تھا۔"

"ہاں! میں اس سے مل چکا ہوں۔" انسپکٹر نے کہا۔ لیکن حمید کو اس پر یقین نہیں آیا۔ فریدی کا صحبت یافتہ تھا۔ اُسے کم از کم اتنا سلیقہ تو تھا ہی کہ وہ جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر سکے۔

"اچھی بات ہے۔ تو آپ براہِ کرم اُس لڑکی سے مزید معلومات حاصل کیجئے۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

انسپکٹر چند لمحے خاموش کھڑا اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا وہ لڑکی ڈالی نہیں ہے؟"

"ہاں...... ڈالی لڑکی ہی ہے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "بطخ کا طبی معائنہ بھی ہوا ہوگا"

"ہو چکا ہے...... وہ غیر معمولی نہیں ہے۔"

"تو اب میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کسی ایسے آدمی کو تلاش کریں جس نے اسے چھیڑنے پر اکسایا ہو۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ بطخ غیر معمولی نہیں تھی۔" انسپکٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ تھی۔ ظاہر ہے کہ جب بطخ نے اس کی پنڈلی کی کھال ادھیڑ دی تو دو چار آدمی ضرور دوڑ پڑے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان میں کوئی ایسا بھی رہا ہو جس دیکھنے کے بہانے کوبرا کا زہر......!"

"اتنا میں بھی سوچ سکتا ہوں۔" انسپکٹر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"سوچ سکتے ہیں نا" حمید نے جل کر کہا۔ "لہٰذا اگر ان دو چار آدمیوں میں میرا ہو تو مجھے بے تکلف حراست میں لے لیجئے ورنہ پھر مجھے سونے دیجئے۔"

"اگر یہ ثابت ہو گیا تو آپ سلاخوں کے پیچھے ہوں گے۔"

"مجھے بھی کافی خوشی ہو گی اگر یہ ثابت ہو سکا۔" حمید نے انگڑائی لے کر لاپروائی سے کہا۔ ی کے پھندے کا تجربہ بھی سہی۔"

سب انسپکٹر جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ منیجر آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل وہ دونوں چونک کر اسی کی طرف مڑے۔

"آگ......!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "مرنے والے کے کمرے میں آگ لگ گئی ہے۔"

"کیا......؟" انسپکٹر غرایا۔

"جی ہاں...... آپ نے تلاشی کے بعد شاید ایک کھڑکی کھلی چھوڑ دی تھی۔"

بازیابی

فریدی کا شکار اب بھی زمین پر بیٹھا اپنی گردن ٹٹول رہا تھا اور فریدی اس طرح کھڑا تھا اس نے کسی شریر بچے کے دو چار چپتیں جھاڑ دی ہوں۔

"پولیس کیوں ہے تمہارے پیچھے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں نے چارٹرڈ بینک میں ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس وقت بھی میری جیبیں نوٹوں سے بھری ہیں۔"

"اوہو......!" اُس آدمی نے حیرت سے کہا۔ "لیکن تمہیں اب تک کوئی محفوظ جگہ نہیں مل سکی۔"

"میرے لئے کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔"

"تم اگر پسند کرو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔"

"سلاخوں کے پیچھے۔ کیوں؟" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ سُراغرساں اس سال یہ میرا پندرھواں قتل ہو گا۔"

"کیا مطلب......؟"

"تم یہاں سے زندہ نہیں جاسکتے۔" فریدی کے لہجے میں سفاکی تھی۔

"میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔"

"پچھلے سال بھی تم ہی جیسے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی تھی لیکن بیچاری پولیس اُس کی شناخت سے قاصر رہی تھی۔ میں عموماً چہرہ بگاڑ دیتا ہوں۔"

"میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔"

"کیا تم بزدل ہو؟"

"نہیں......میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔" اس آدمی نے حیرت سے کہا۔

"تم اسی صورت میں بچ سکتے ہو کہ جب مجھے مار ڈالو۔ اٹھو! میں الجھن پالنے کا نہیں ہوں۔"

"ارے یار کیوں خواہ مخواہ مذاق کررہے ہو۔" وہ آدمی خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ بولا

"اچھا تو پھر کسی چوہے کی طرح مرنے کو تیار ہوجاؤ۔"

"ختم بھی کرو۔ یار میں تمہیں ایک محفوظ جگہ لے چلوں گا۔ مگر ٹھہرو...... مجھے ایسا ہوتا ہے جیسے میں تمہیں کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"پیراڈائیز میں۔" فریدی نے بڑی سادگی سے کہا۔

"اوہاں......مم......مگر......!" وہ ہکلایا۔

"تو تم نے مجھے پہچان لیا۔"

"شکاری سلیم!"

"گڈ......!" فریدی چٹکی بجا کر بولا۔ "اب چپ چاپ اس لڑکی کو میرے حوالے کر

"یہ ناممکن ہے۔ ہم نے بڑی محنت کی ہے۔ ویسے اگر تم دس ہزار دے دو یہ تو بھی ہوسکتا

"ایسی رقمیں صرف شریف آدمیوں سے وصول کی جاسکتی ہیں۔" فریدی نے خشک میں کہا۔

"ب پھر......اس کی واپسی بھی ممکن نہیں۔ ہمیں اس کام کیلئے دس ہزار ملنے والے ہیں۔"

"تم نے یہ کام کس کے لئے کیا ہے؟"

"ہم کام اور دام کے علاوہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔" اس آدمی نے کہا۔

"لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کام لینے والوں کے متعلق ہر قسم کی معلومات فراہم کرتے پھریں۔"

"اوہ......تو تم اس سے واقف بھی نہیں ہو۔"

"نہیں! جب ہم سے سودا طے ہوا تھا تو وہ نقاب میں تھا۔"

"اور تم نے کچھ سمجھے بوجھے بغیر سودا طے کرلیا۔"

"ہمیں اس سے کیا غرض کہ وہ کون ہے۔"

"ممکن ہے تمہیں پکڑنے کے لئے پولیس نے جال بچھایا ہو۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔" اس کے لہجے میں بے اعتمادی تھی۔

"خیر تم جہنم میں جاؤ۔ لڑکی کو چپ چاپ میرے حوالے کردو۔ کچھ دیر پہلے میں تمہارے ا آدمیوں کی مرمت کرچکا ہوں۔"

"اوہ......تو وہ تم ہی تھے۔"

"بھولے نہ بنو......شکاری سلیم کو تم جانتے ہو۔ لیکن......!" فریدی کہتے کہتے رک گیا۔

"بہت دنوں سے میں اسکے چکر میں ہوں۔ مگر تمہیں اس سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے۔" یدی نے کہا۔ "مگر اُسے دوبارہ کس نے اٹھایا۔ کیا تم لوگ یہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔"

"ہم تعداد میں پندرہ ہیں۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔ "یہاں جگہ جگہ کچھ آدمی پہلے ہی ے لگادیئے گئے تھے تاکہ ضرورت پڑنے پر اُن تینوں کی مدد کی جاسکے۔"

"اب تم اسے کہاں لے جاؤ گے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کس طرح بتا دیا جائے۔ جب تمہارے ارادے نیک نہیں ہیں۔"

فریدی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اُس کے ہاتھ اٹھنے سے پہلے اس کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑا۔ پھر اُسے سنبھلنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ پے در پے دس بار گھونسے کھانے

کے بعد وہ لیٹ گیا۔ اُس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"لڑکی......!" فریدی کا جواب تھا۔

"وہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"تم مجھے اس تک پہنچا دو۔ پھر میں دیکھ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "یا پھر ایک دوسری
صورت ہے۔ تم مجھے وہاں لے چلو جہاں اُسے اس نامعلوم آدمی کے حوالے کرو گے۔"

"دونوں ہی صورتوں میں میرے ساتھی مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"وہ لڑکی ابھی یہیں ہے؟"

"ہاں......!"

"کہاں؟"

وہ کچھ نہ بولا۔ اس بار فریدی نے اس انداز میں پیر اٹھایا جیسے اس کے سر پر ٹھوکر
کا ارادہ رکھتا ہو۔

"ٹھہرو......!" اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "وہ یہیں ہے۔ قریب ہی۔ ہم یہاں
تھے۔ میں لڑکی کو اٹھا لایا تھا۔ جب سڑک پر کوئی نہ رہ گیا تو میرا ساتھی اُن تینوں کو گا
ڈال کر نکال لے گیا۔"

"موٹر سائیکل کیا ہوئی؟"

"وہ میرے پاس ہے۔"

"تو وہ لڑکی یہیں کہیں ہوگی۔"

"ہاں......میں اُسے ایک غار میں چھوڑ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کی تلاش میں

"تمہارے گروہ کا سرغنہ کون ہے؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔"

"تمہاری مرضی......خیر اب تم مجھے اس لڑکی کے پاس لے چلو۔"

"تم میری زندگی کے خاتمے پر کیوں تل گئے ہو۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"دو۔ ؟ صورت میں......میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ویسے ممکن ہے کہ تم بچ جاؤ۔ تم اپنے
غنہ سے کہہ سکتے ہو کہ جب اس نے تین آدمیوں کو بیکار کر دیا تھا تو ایک کی کیا حقیقت ہے۔"

بارش کا زور اب کم ہو گیا تھا۔ فریدی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا لیکن اس بار اس
ریوالور اٹھا کر جیب میں ڈالنا نہیں بھولا۔ اس کی جامہ تلاشی لینے پر کچھ فالتو راؤنڈ بھی ہاتھ
ئے۔ پھر اُس نے اُسے دھکے دے دے کر غار سے باہر نکالا۔

"مجھے لڑکی کے پاس لے چلو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اسی پر تمہاری زندگی کا انحصار ہے۔"

کچھ دور چلنے کے بعد زخمی آدمی ایک غار میں مڑ گیا۔ فریدی کی ٹارچ روشن تھی۔ اس
وبیا کو دیکھا جو ایک طرف پڑی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ وہیں موٹر سائیکل بھی موجود
ی۔ شاید وہ بارش ہی کی وجہ سے رک گیا تھا ورنہ اسے بھی موٹر سائیکل پر نکال ہی لے گیا ہوتا۔

زوبیا کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا گیا تھا۔

"اسے کھولو۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھو......تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔"

"کیا تمہیں اس لڑکی کے سامنے پٹتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔ آدمی بنو۔" فریدی نے کہا۔

مجبوراً اُسے زوبیا کو کھولنا ہی پڑا۔ وہ ہوش میں تھی۔

"سلیم صاحب۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"ہاں......اب تم محفوظ ہو۔ ذرا یہ ٹارچ لے کر یہاں کھڑی ہو جاؤ۔" اس نے ٹارچ
زوبیا کی طرف بڑھا دی۔

پھر وہ اُسی ڈور سے جس سے زوبیا کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے اس آدمی کو جکڑ رہا تھا۔

"تم اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہے ہو۔" وہ غصیلی آواز میں بولا۔

"تم خاموشی اختیار نہ کرو گے تو مجبوراً مجھے تمہارا گلا گھونٹنا پڑے گا اور سنو تم لوگ خود کو
محفوظ نہ سمجھو۔ میں تم میں سے ایک ایک کو مار ڈالوں گا۔ ورنہ میرے لئے کل تک اس آدمی کے

متعلق مکمل معلومات بہم پہنچاؤ۔ یہ قصہ اس سٹیج پر ہرگز ختم نہیں ہوسکتا۔ مگر مجھے اس لڑکی ا
بحفاظت تمام واپس لے جانا ہے۔“

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔

بارش تھم گئی تھی اور اب فریدی زوبیا کو کیریئر پر بٹھا کر رام گڈھ واپس جا رہا تھا۔ مگر مو
سائیکل کی رفتار تیز نہیں تھی کیونکہ کیریئر پر زوبیا بیٹھی ہوئی تھی۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے
موجودہ حالت میں موٹر سائیکل کی تیز رفتاری برداشت نہ کر سکے۔ وہ برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

”تم وہاں اُن کاروں کے نزدیک کیوں گئی تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مجھے کسی نامعلوم آدمی نے خط لکھا تھا۔ اُس میں تحریر تھا کہ میں آپ اور پرویز
ہوشیار رہوں۔ ساتھ ہی اس نے لکھا تھا کہ اگر میں کاروں کے قریب پہنچ سکوں تو وہ مجھے ا
بہت بڑے راز سے آگاہ کرے گا۔“

”اوہ...... تو کیا تمہیں بھی کسی راز کی جستجو تھی۔“

”جی ہاں۔“ وہ عجیب انداز میں بولی۔ ”میں صرف اپنا راز معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”مجھ سے کوئی راز وابستہ ہے، جو میرے لئے بھی راز ہے۔“

”کیا تم اس آدمی سے واقف تھیں جو آج لنچ کا شکار ہو گیا تھا۔“

”جی ہاں۔“ وہ دردناک آواز میں بولی۔ ”یہ میرے سلسلے میں تیسری موت تھی۔“

”بھئی تم پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔“

”آپ یقین کیجئے۔ میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ اُسے علم تھا کہ میرے لئے دو آد
سے پہلے موت کا شکار ہو چکے ہیں لہٰذا وہ میرا راز دریافت کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں گ
دوست تھے۔ جب پرویز صاحب سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے تاکید کر دی کہ میں ا
ہوشیار رہوں۔ لیکن میں اُن سے ملتی ہی رہی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ آدمی کسی سے م
بغیر کیسے زندگی گزار سکتا ہے۔ کل اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں نے پرویز صاحب سے م

ں نہ کیا تو وہ پرویز صاحب کو قتل کر دے گا۔ لہٰذا کل شام کو پرویز صاحب کو میرے رویئے
ے بڑی تکلیف پہنچی۔ پھر اُن دونوں میں جھگڑا ہو گیا اور آج......!“

”کیا تم مجھے اس راز میں شریک کر سکو گی۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے دوست کی
ت کے سلسلے میں پولیس پرویز پر شبہ کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر پولیس کا شبہ رفع نہ ہو سکا تو
ہ بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔“

”نہیں پرویز صاحب کا اس موت سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔“

”پھر اس کی پشت پر کون ہو سکتا ہے۔“

”یہی معمہ میں آج تک نہ حل کر سکی۔“

”مگر تمہارا راز کیا ہے؟“

”میں نہیں جانتی کہ میرے اخراجات کون پورے کرتا ہے۔“

”تمہارے والدین۔“

”اوہ...... میں نہیں جانتی وہ کون تھے۔ کہاں تھے۔ کب تھے۔“

”ظاہر ہے کسی نہ کسی نے تمہاری پرورش ضرور کی ہوگی۔“

”وہ ایک گونگی عورت تھی، لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ میری ماں نہیں تھی۔“

”یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ تمہاری ماں نہیں تھی۔“

”سارے پڑوس کہتے تھے۔“

”پھر آخر تم اس کے پاس کیسے پہنچی تھیں؟“

”نہ وہ خود بتا سکتی تھی اور نہ پڑوسی۔“

”اب وہ کہاں ہے۔“

”میں چھ سال کی تھی تب اس کا انتقال ہو گیا۔“

”پھر اس کی بعد تم کہاں رہی تھیں؟“

”وہیں...... اسی گھر میں...... اس کی علالت کے دوران ہی میں ایک بوڑھا آدمی وہاں

آ گیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اس گونگی کا بھائی ہے۔“

”لیکن یہ نہیں بتایا کہ تم اس گونگی کو کہاں سے ملی تھیں۔“

”نہیں...... اس نے نہیں بتایا۔ لیکن وہ مجھے اُس گونگی کا بھائی نہیں معلوم ہوتا تھا۔“

”یہ کیوں؟“

”گونگی نچلے طبقے کی معلوم ہوتی تھی لیکن وہ بوڑھا ہر لحاظ سے بلند آدمی تھا۔ وہ دول
بھی تھا، ذی علم بھی تھا اور بہتیری خوبیاں تھیں اُس میں۔ گونگی کی موت کے بعد اس نے
تعلیم و تربیت کی لیکن وہ ہمیشہ میرے والدین کے متعلق گفتگو کرتا رہتا تھا۔ ہر وقت مجھے
احساس میں مبتلا رکھتا تھا کہ میں ایک بے سہارا نامعلوم والدین کی بیٹی ہوں۔“

”وہ بوڑھا کہاں مل سکے گا؟“

”خدا جانے...... آج سے دو سال پہلے وہ ایک دن اچانک غائب ہو گیا اور پھر آ
نہ معلوم ہو سکا کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا۔“

”بڑی عجیب کہانی ہے۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر

”تمہارا مستقل قیام کہاں رہتا ہے۔“

”قائم آباد میں...... وہیں میں نے ہوش سنبھالا تھا اور وہیں اب بھی رہتی ہوں۔
مکان مختصر سا اور شکستہ حالت میں تھا۔ مگر اب اُسی زمین پر ایک شاندار عمارت موجود ہے۔
عمارت اسی بوڑھے نے بنوائی تھی۔“

”اب تمہارے اخراجات کیسے چلتے ہیں؟“

”ہر ماہ پانچ سو روپے کا چیک مل جاتا ہے اور میں اسے کیش کرا لیتی ہوں لیکن
جانتی کہ چیک کون بھیجتا ہے اس کے دستخط بھی سمجھ میں نہیں آتے۔“

”یہ تو بینک سے معلوم ہو سکتا ہے۔“

”لیکن مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔“

”میں معلوم کر لوں گا۔“

”میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔ یہ الجھن میری لئے سوہان روح بن کر رہ گئی ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ موٹر سائیکل سناٹے کا سینہ مجروح کرتی رہی۔

رقاصوں کا نگران

دوسری صبح کا سورج کچھ پھیکا پھیکا سا تھا۔ حمید نے انگڑائی لے کر کھڑکی پر دونوں ہاتھ
ب دیئے۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے سے ابھر چکا تھا اور خلاء میں چاروں طرف شعاعوں کے
اڑاتے چلے گئے تھے، مگر حمید کو آج کی صبح کچھ اداس سی لگ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا
وس ہو رہا تھا جیسے کچھ بھول گیا ہو۔ کچھ کھو بیٹھا ہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے دو تین گہری
ری سانسیں لیں اور کھڑکی پر کہنیاں ٹیک کر جھک گیا۔

مقدر! وہ سوچ رہا تھا۔ سطح سمندر سے کئی فٹ کی بلندی پر بھی ساتھ نہیں چھوڑتا......
گو...... بھاگتے رہو...... لیکن جس چیز سے بھاگو گے وہ ضرور تمہارا تعاقب کرے گی۔

وہ اپنی زندگی کے معمولات سے اُکتا کر رام گڈھ بھاگا تھا۔ مگر ان تھکا دینے والے
مولات نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ پھر غیر معمولی حالات میں کسی کی موت...... پھر وہی
ر...... اور پھر؟ کیا یہ ضروری تھا کہ زوبیا ہی سے اس کی ملاقات ہوتی اور ایک آدمی اس کیلئے
سے لڑ جاتا۔ پھر دوسرے دن اس کی موت کسی قسم کے زہر سے واقع ہو جاتی۔ یہ مقدر ہی تو
ا۔ اگر اب اس جنجال سے روگردانی بھی چاہتا تو نہ کر سکتا۔ کیونکہ پولیس خود اس پر شبہ کر رہی تھی۔
ہ اپنی اصلیت ظاہر کر کے رفع بھی کیا جا سکتا تھا مگر فریدی...... وہ قضائے مبرم کیطرح سر پر
ار تھا وہ ہرگز اسکے حق میں نہیں تھا کہ اپنی اصلیت ظاہر کر کے پولیس کا شبہ رفع کیا جائے۔

وہ ان خیالات سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ ایک نہیں دو لڑکیوں کا معاملہ تھا۔ اُسے
ین تھا کہ ڈالی کا تعلق مجرموں سے ضرور ہے ورنہ اُس کے کمرے میں ابتری پھیلانے کا کیا

مقصد تھا۔ یقینی طور پر یہ اسی لئے کیا گیا تھا کہ اس پر کسی قسم کا شبہ نہ کیا جاسکے۔ یا پھر اس
خلاف بھی شبہ برقرار ہی رکھنا چاہتے تھے۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ دوپہر کے کھانے کے
اس نے ڈائننگ ہال ہی کو ترجیح دی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ وہ اور فریدی ساتھ ہی ڈائ
ہال میں داخل ہوئے اور سامنے والے دروازے میں وہی سراغ رساں نظر آیا جو پچھلی رات
کو بور کرتا رہا تھا.....وہ تیر کی طرح اُن کی طرف آیا۔

"کیا آپ بتا سکیں گے کہ آپ پچھلی رات سے اب تک کہاں رہے تھے۔" اس
فریدی سے پوچھا۔

"اوہ......اچھا اچھا۔" فریدی سر ہلا کر مسکرایا۔ "ابھی تک ہم لوگوں کی طرف سے
نہیں ہوا۔"

"آپ براہِ کرم میرے سوال کا جواب دیجئے۔"

"میں نے پچھلی رات نواب طاہر مرزا کے یہاں گذاری تھی۔"

"آپ ثابت کرسکیں گے۔"

"اگر آپ کو اُن کے ٹیلی فون نمبر نہ معلوم ہوں تو میں بتاؤں۔" فریدی نے کہا۔
آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ آج کل ہر وقت گھر پر مل سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے حال
چوتھی شادی کی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" سراغ رساں نے کہا۔ "میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔"
وہ اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد حمید نے اُسے ٹیلی فون ڈائریکٹ
پلٹتے دیکھا۔

"آپ کہاں تھے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں ذرا ان حضرت کو دفع ہو جانے دو۔"

"ارے یہ جونک ہے۔"

"آدمی سمجھدار معلوم ہوتا ہے۔"

وہ پھر خاموش ہوگئے۔ سراغ رساں فون پر کسی سے گفتگو کررہا تھا۔ حمید اسے دیکھتا رہا۔
جلد ہی ریسیور رکھ کر ڈائننگ ہال سے چلا گیا۔

فریدی نے پچھلی رات کی داستان چھیڑ دی اور حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے سنتا رہا۔

"لیکن وہ اب کہاں ہے۔" حمید نے اس کے خاموش ہوتے ہی مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"فلم اسٹار روحی کے یہاں۔ وہ بھی آج کل یہیں مقیم ہے۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا
کہ زوبیا دوبارہ یہاں واپس آئے۔ روحی کا مکان ہی مجھے اس کے لئے محفوظ معلوم ہوا۔ میں
نے اُسے سمجھا دیا ہے کہ وہ اُسے میری اصلیت سے آگاہ نہ کرے۔"

"کیا میں روحی سے مل سکتا ہوں۔"

"نہیں......ابھی نہیں۔"

کچھ دیر بعد حمید نے بھی پچھلی رات کے واقعات دہراتے ہوئے کہا۔ "کسی نے مقتول
کے کمرے میں پٹرول چھڑک کر آگ لگادی تھی۔ بڑی مشکل سے آگ پر قابو پایا جاسکا۔
لیے اس کے سامان کی ایک دھجی بھی صحیح وسلامت نہیں ملی۔"

"کاش میں اس کے سامان کی تلاشی لے سکا ہوتا۔"

"لیکن ہمارے کمروں پر کس نے ہاتھ صاف کیا۔"

"اگر ڈالی مجرموں کی ساتھی ہے تو یہ کسی سراغ رساں ہی کی حرکت ہوگی۔" فریدی بولا۔
"اور اگر مجرموں نے ہمارے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے کیلئے یہ اقدام کیا تھا تو ڈالی ان کی
ساتھی نہیں ہوسکتی۔ لیکن ڈالی مشتبہ ہے۔ کیونکہ اس نے تمہیں اپنا پتہ غلط بتایا تھا اور تمہارے
کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کیا تم سوچ سکتے ہو کہ اُس شیشی میں کیا رہا ہوگا۔"

"زہر......؟" حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں......کوبرا کا زہر۔"

"کوبرا کا زہر۔" حمید بیساختہ اچھل پڑا۔ پھر پوچھا۔ "کیا آپ کو پوسٹ مارٹم کی
رپورٹ کا علم ہے؟"

"نہیں......؟"

"وہ کوبرا کے زہر سے ہلاک ہوا تھا۔"

"اوہ......تو یہ حقیقت ہے کہ ہمیں پھنسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ میں نے آج ہی اُر
کیمیائی تجزیہ کرایا ہے۔ کوبرا کا زہر۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "ہوسکتا ہے کسی سراغرساں ہی نے اسی زہر کیلئے د
تلاشی لی ہو۔ رہ گیا ڈالی کا مسئلہ تو ہوسکتا ہے کہ سراغرساں نے اسے تمہارے ساتھ دیکھ لیا ہو

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کی نظر فون پر تھی۔

"نواب طاہر مرزا کا کیا قصہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے یقین تھا کہ پولیس میری عدم موجودگی کے متعلق ضرور استفسار کرے گی لہٰذا
نے طاہر مرزا کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرلیا۔"

"لیکن آخر آپ اتنے پاپڑ کیوں بیل رہے ہیں۔ کیا آپ اپنی اصلیت ظاہر کرکے
کام انجام نہیں دے سکتے۔"

"نہیں...... میں پولیس کو اپنے پیچھے لگائے رکھنا چاہتا ہوں۔ فی الحال مجرموں ک
دینے کے لئے یہی ایک طریقہ کارآمد ہوسکتا ہے۔"

"زوبیا کا معاملہ عجیب ہے۔ اگر اس نے راست گفتاری سے کام لیا تو......!"

"مجھے یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی ہے۔ خیر تھوڑی دیر ٹھہرو۔ ہم کس
حقیقت کے قریب پہنچ جائیں گے۔ میں نے قائم آباد کے محکمہ سراغ رسانی کو تار دیا۔
الائیڈز بینک کے اکاؤنٹ نمبر چار سو سترہ کے متعلق معلومات فراہم کرے۔"

حمید پھر کچھ کہنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "
سائیکل کا کیا ہوا؟"

"پچھلی رات میں نے اُسے کوتوالی کے قریب چھوڑ دیا تھا۔ آج غالباً وہ اپنے ما
پاس پہنچ بھی گئی ہوگی۔"

"کتنا عجیب کیس ہے۔ یہ زوبیا مجھے پہلے ہی عجیب معلوم ہوئی تھی۔"

"لیکن اس کے اس طرح اغواء کئے جانے کا مسئلہ عجیب ہے۔ وہ اپنے کسی ایسے دشمن کو
ہیں جانتی جس سے اس قسم کا خدشہ ہو۔ ویسے اس کے لئے یہ بات حیرت انگیز ضرور ہے کہ جو
ں سے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے کسی نہ کسی طرح موت کے گھاٹ اُتر جاتا ہے۔"

"آہا......!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ کیس ہے۔ ایسے کیسوں کے لئے میں اپنی تفریح
زبان کرسکتا ہوں مگر آپ نے اس کو کیوں چھوڑ دیا تھا؟"

"مجبوراً چھوڑ دینا پڑا حمید صاحب۔" فریدی بولا۔ "زوبیا کو روحی کی کوٹھی میں چھوڑ کر
دوبارہ پھر اُدھر ہی کی دوڑ لگائی تھی، لیکن اتنی دیر میں میدان صاف ہو چکا ہے۔ خیر فکر نہ کرو۔
اگر ہم اس ہوٹل ہی میں مقیم رہے تو جلد ہی ان لوگوں سے ملاقات ہوگی اور ہاں یہ حقیقت ہے
کہ زوبیا اپنے وینٹی بیگ میں اعشاریہ دو پانچ کا پستول رکھتی ہے۔ ڈالی نے صحیح اطلاع دی
تھی۔ یہ ڈالی میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"آپ کی سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی کیونکہ وہ جوان بھی ہے اور حسین بھی۔"

"تم اس پر اپنے شبہ کا اظہار نہ ہونے دینا۔"

"وہ تو ہو بھی چکا پچھلی رات۔"

"کیا مطلب......!"

حمید نے اُسے بتایا کہ کس طرح ڈالی سے فون پر جھڑپ ہوئی تھی اور اُس نے اس پر یہ
بات واضح کردی تھی کہ تارجام میں کوئی آئرن فیکٹری اس نام کی نہیں ہے جو اس نے اپنے
باپ سے منسوب کی تھی۔

"پرواہ نہ کرو۔ مگر اس کے بعد تم نے ڈالی کے رویہ میں تبدیلی پائی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہیں...... آج وہ ابھی تک مجھ سے ملنے نہیں آئی۔" حمید نے جواب دیا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے پوچھا۔ "کیا زوبیا اس پستول کا لائسنس رکھتی ہے۔"

"ہاں......اور اس کے لئے لائسنس جعفری نے حاصل کیا تھا۔"

''کون جعفری؟''

''وہی بلنچ کا شکار۔ وہ قائم آباد کے متمول خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔لیکن زوبیا بات میرے علاوہ اور کسی پر ظاہر نہیں کی۔''

دوپہر کے کھانے کے بعد حمید ڈالی کی تلاش میں نکلا۔لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ اس ک مقفل تھا۔ وہ پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گیا۔فریدی اب بھی یہیں موجود تھا۔

''قائم آباد سے اطلاع ملی ہے حمید صاحب۔ وہ اکاؤنٹ جس سے زوبیا کو ہر ماہ رو ادا کئے جاتے ہیں کسی ڈاکٹر ناصر کا ہے اب میں زوبیا سے معلوم کروں گا کہ وہ کسی ڈاکٹر نا سے واقف ہے یا نہیں۔''

پھر وہ اٹھ کر جانے لگا۔

''کہاں......؟''

''کسی پبلک کال بوتھ سے زوبیا کو فون کروں گا۔''

وہ چلا گیا اور حمید اُن نیم مردہ آرٹسٹوں کو دیکھنے لگا جو پہیے دار کرسیوں پر ڈائننگ ہال لائے گئے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر انہیں یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنے کمروں کھانا کھا سکتے تھے مگر پھر خیال آیا کہ وہ تو اسطرح ایک دوا ''انرجین'' کی پبلسٹی کر رہے ہیں۔ آرٹسٹ کیساتھ ایک خبر گیری کرنیوالا بھی تھا۔ انکی کرسیاں وہی لوگ دھکیل کر یہاں لائے تھے۔

کچھ دیر بعد حمید نے انہیں نیم مردہ آرٹسٹوں کو کھانا کھلاتے دیکھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کھانا بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ ان آرٹسٹوں کے ساتھ ایک منتظم بھی تھا اور یہ خود بھی ایک شا آرٹسٹ ہی معلوم ہوتا تھا لیکن ان آرٹسٹوں کی طرح وہ نیم مردہ نہیں تھا۔ اس کا سینہ چوڑا تھا اور بازو مچھلیوں سے پُر تھے۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ آرٹسٹوں کی خبر کرنے والے اسے ''ناگری صاحب'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

اس وقت وہ بھی آرٹسٹوں کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ حمید نے اُسے اپنے ساتھ بیٹھ دعوت دی، جو فوراً ہی شکریہ کے ساتھ قبول کر لی گئی۔ حمید کھانا کھا چکا تھا۔ ناگری نے بتایا ک

کھانا کھا چکا ہے۔ آخر بات کافی پر ٹھہری۔ حمید نے کافی کے لئے آرڈر دیا۔ کچھ دیر تک حمید آرٹسٹوں اور اُس عجیب و غریب مشروب پر حیرت ظاہر کرتا رہا پھر بولا۔ ''مگر ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ ان کی حالت اتنی ابتر کیوں رہتی ہے؟''

''اوہ دیکھئے نا جناب...... یہ لوگ دراصل انرجین کے اشتہار ہیں اور یہ مشروب بھی وقتی اثرات کا حامل ہے۔ اس میں انرجین کے وہ اجزاء شامل نہیں کئے گئے جو مستقل طور اعصاب کے لئے صحت بخش ہوتے ہیں۔''

''کیا ان کی یہ کیفیت قدرتی ہے۔''

''نہیں جناب! انہیں ایسی ادویات دی جاتی ہیں جن سے اعصاب بیحد کمزور ہو جاتے ہیں۔''

''مگر یہ تو ظلم ہے اور شاید جرم بھی؟''

''لیکن خود وہ لوگ نہ اُسے جرم سمجھتے ہیں اور نہ ظلم۔ انہیں اس کے لئے بہت بڑے معاوضے دیئے جاتے ہیں اور ان کی زندگیوں کی بھی ضمانت دی گئی ہے۔ ایک معینہ مدت بعد انہیں انرجین کا مکمل نسخہ استعمال کرایا جائے گا اور یہ معمول پر آجائیں گے۔ ہم نے اس لئے باقاعدہ طور پر وزارت صحت سے اجازت نامہ حاصل کیا تھا۔''

''مجھے سخت حیرت ہے۔''

''ڈاکٹر اسفندیار کے لئے سب کچھ ممکن ہے جناب۔''

''میں نے یہ نام بہت سنا ہے لیکن کسی نے آج تک ڈاکٹر اسفندیار کو دیکھا بھی نہیں۔''

''یہ سعادت مجھے حاصل ہو چکی ہے جناب۔ ویسے حکومت کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ ڈاکٹر اسفندیار منظر عام پر کیوں نہیں آتے ہیں۔ اگر وہ منظر عام پر آنے لگیں تو اُن کا ت کتنا برباد ہو۔ ایک جم غفیر ہر وقت اُن کی گرد رہے اور پھر وہ ملک و قوم کی خدمت نہ کرسکیں۔ وہ اب تک کئی وباؤں کا کامیاب علاج دریافت کر چکے ہیں۔ اس لئے وزارتِ صحت نکا ہر وقت ہر قسم کی مراعات دینے پر تیار رہتی ہے۔''

پھر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور ناگری کافی ختم کر کے اٹھ گیا۔ اس کے جاتے ہی

فریدی ہال میں داخل ہوا۔

''کیا رہا......؟'' حمید نے پوچھا۔

''وہ کہتی ہے کہ ناصر تو اسی بوڑھے کا نام تھا جو گونگی عورت کی موت کے بعد اس کی
گیری کرتا تھا لیکن وہ نہیں جانتی کہ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔''

''یہ آخر ہے کیا چکر۔'' حمید اپنا سر سہلا کر بولا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔

لاری کی چھت پر

مقامی سی آئی ڈی انسپکٹر ابھی تک اسی چکر میں تھا کہ کسی طرح حمید کو ماخوذ کر لے
اسے یہ ثابت کر دینے میں ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا کہ بلیغ کے حملے کے وقت حمید حوض
پاس ہی کہیں موجود تھا۔ حمید کو اُسے چھیڑنے میں بڑا لطف آتا۔

ڈالی اب بھی حمید کے گرد منڈلا رہی تھی۔ اس نے بڑے خلوص کے ساتھ اعتراف
کہ وہ اپنی اصلیت کے بارے میں اس سے جھوٹ بولی تھی۔

''میری عادت ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں اپنے متعلق کسی کو صحیح بات نہیں بتاتی۔''

''تب پھر تمہارا نام بھی سالی ہوگا۔''

''کیوں......؟''

''سالی کو ڈالی میں تبدیل کر دینا مشکل کام نہیں ہے۔''

''نہیں میں نے اپنا نام غلط نہیں بتایا۔''

''لیکن تم ایک ایسے آدمی سے ملتی ہی کیوں ہو، جس کی نگرانی پولیس کر رہی ہے؟''

''تم مجھے بہت پُراسرار معلوم ہوتے ہو۔''

''ہاں کسی حد تک۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

پھر بات آگے نہیں بڑھی۔ حمید اب اس میں صرف اسی حد تک دلچسپی لے رہا تھا کہ وہ
یدی کی نظروں میں مشتبہ تھی لیکن وہ زوبیا کے متعلق ہر وقت سوچتا رہتا۔ کبھی کبھی خیال آتا کہ
ز فریدی نے اس کے بیان کو سچ کیسے تسلیم کر لیا۔ ممکن ہے وہ بھی مجرمہ ہی ہو اور کسی مخالف
روہ سے اس کے گروہ کی ٹھن گئی ہو اور مرنے والے کا تعلق بھی زوبیا ہی کے گروہ سے ہو۔

اس سے پہلے بھی کئی بار وہ ایسے ہی حالات سے دوچار ہو چکا تھا۔ دو گروہوں میں جنگ
تی اور کمزور پڑنے والے گروہ کے کچھ آدمی پولیس کے ہاتھ لگ جاتے اور یہ لوگ پولیس پر
ہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ بے ضرر اور امن پسند شہری ہیں۔ لیکن وہ اس سے لاعلمی ہی
اہر کرتے کہ وہ کس کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اپنے دشمنوں کی نشان دہی
کر دینے پر خود ان کی اصلیت ظاہر ہو جانے کا بھی خطرہ رہتا تھا۔

حمید سوچتا ہی رہا کیونکہ فریدی سے اس مسئلے پر بحث کرنا فضول ہی ہوتا۔ اس کی بات تو
ر کی لکیر ہوتی تھی۔ وہ زوبیا کے متعلق جو نظریہ رکھتا تھا اسے تبدیل کرا دینا کم از کم حمید کے بس
ا روگ نہیں تھا۔ وہ صبح سے شام تک فریدی کی بھاگ دوڑ دیکھتا رہتا لیکن نہ تو اس سے کچھ
چھتا اور نہ ہی اس پر زور دیتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ رام گڈھ کی خاک چھانے گا۔

جب سے بلیغ والا کیس ہوا تھا اس نے ہوٹل سے باہر قدم نہیں نکالے تھے۔ حالانکہ فریدی
نے اس قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔

ویسے حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھی کہ حمید کا موڈ ہی چوپٹ ہو گیا تھا۔ وہ یہاں
آیا تو تفریح کی غرض سے لیکن اس کیس نے لفظ ''تفریح'' ہی کی مٹی پلید کر کے رکھ دی تھی۔

وہ شام کو بھی اپنے کمرے سے نہ نکلا۔ لیکن تقریباً سات بجے کسی نے اس کے دروازے
پر دستک دی۔ آنے والا وہی تھا جن پر خار کھا کھا کر حمید ببول کا درخت بن چکا تھا۔

فریدی نے کوٹ اتار کر ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی اور ایک آرام کرسی پر گر کر سگار سلگانے لگا۔

پے در پے تین کش لینے کے بعد اس نے حمید سے پوچھا۔ ''آج کا تفریحی پروگرام کیا ہے۔''

''کیپٹن حمید ہمالیہ سے بحرِ عرب میں چھلانگ لگائے گا۔''

"موڈ خراب ہے۔" فریدی اس کی جھلاہٹ پر مسکرایا پھر آہستہ سے بولا۔ "وہ
شاید آج کوئی دوسرا کارنامہ پیش کریں گے۔"

"خدا انہیں معاف کرے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیونکہ وہ دوسروں کے
تفریح مہیا کرتے ہیں۔"

"چلو اٹھو! یہاں بہت گھٹن ہے۔"

"کہیں جھونکنا ہے۔"

"نہیں! میں آج تمہاری بارات نکالوں گا۔"

وہ شاید اُسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا تھا۔ طوعاً و کرہاً حمید اٹھا اور لباس تب
کر کے کھڑے اونگھنے لگا۔

"کیا تمہیں بھی انزجین کا ایک ڈوز دیا جائے؟" فریدی اسے دروازے کیطرف دھکیلتا ہوا ب

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کسی اڑیل گدھے کی طرح آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

"آج ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آج وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں اور ان کی تعداد تیرہ سے کم نہیں ہے

"وہی جنہوں نے زوبیا کو اغواء کیا تھا۔"

"ہاں...... آں...... اُن کے علاوہ اور کون ہوگا۔"

"تو کیا وہ یہاں موجود ہیں۔"

"قطعی...... کیا تم اپنے پیچھے قدموں کی آواز سن رہے ہو...... نہیں...... مڑ کر د
ضرورت نہیں ہے۔ بس چلتے رہو۔ فی الحال یہ صرف ایک آدمی ہے لیکن جیسے ہی ہم
پہنچیں گے تعداد بڑھ جائے گی۔"

"اچھا تو آپ اپنے کمرے میں جائیے میں ان سے سمجھ لوں گا۔ صرف آپ کسی
پہچان کرا دیجئے۔"

"اونچے اڑ رہے ہو فرزند۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے نہیں الجھنا چاہتا۔ مجھے تو
دی چاہیے جس نے انہیں اغواء کے لئے تیار کیا تھا۔"

"لیکن اگر وہ انتقامی کاروائی کر بیٹھے تو......؟ ظاہر ہے کہ آپ نے ان کا کھیل بگاڑا تھا۔"

"تب ہو سکتا ہے میرا ہاتھ ان پر اٹھ جائے۔ لیکن اس سے پہلے ممکن نہیں۔"

وہ دونوں عمارت سے باہر آ گئے اور اب وہ رقص گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

"بس تم اس طرح چلتے رہو جیسے تمہیں اس بات کا علم نہیں۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ رات ڈھول دھپے کیلئے تو قطعی موزوں نہیں
۔ آج دن بھر موسم بہت اچھا رہا تھا...... لہٰذا رات بھی خوشگوار تھی۔ پھر پیراڈائیز کا ماحول۔

وہ رقص گاہ پہنچ گئے۔ مائیکروفون سے ہلکی ہلکی موسیقی منتشر ہو رہی تھی لیکن ابھی آج
رام نہیں شروع ہوا تھا۔

موسیقی کا ریکارڈ ختم ہو جانے کے بعد معلن کی آواز آئی۔ "بال سے پہلے آج پھر نیم
ہ رقاص آپ کی خدمت میں ایک پروگرام پیش کریں گے۔ انزجین کا ایک اور حیرت انگیز
شمہ ملاحظہ فرمائیے۔ انزجین جو بہت جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہوگی۔ انزجین جو آپ کو
دوافروش سے حاصل ہو سکے گی۔ اس انزجین کا کرشمہ......!"

دفعتاً لاؤڈ سپیکر کی آواز خراب ہو گئی اور پھر معلن نے جو کچھ بھی کہا وہ کسی کی سمجھ میں نہ آ سکا۔

"پبلسٹی کا کتنا شاندار طریقہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جہنم میں جھونکیئے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"یہیں ہیں اور سبھوں پر میری نظر ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ انزجین کا نیا کرشمہ دیکھو۔"

حمید کچھ نہ بولا اور پائپ سلگا کر سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نیم مردہ رقاصوں کا پروگرام شروع ہو گیا۔ آج وہ "محبت اور نفرت" پر
ایک رقص پیش کرنے والے تھے۔ آرکسٹرا موسیقی بکھیر رہا تھا۔ رقاصوں پر چار جانب سے
مختلف رنگوں کی روشنیاں پڑنے لگیں۔

رقص شروع ہو گیا۔ دو لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ دونوں ہی اس سے محبت کرتی ہیں
مگر لڑکا صرف ایک طرف مائل تھا۔ دونوں اسے اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کرتی ہیں
کامیابی صرف ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی رقص کرتی ہوئی لڑکے کو رقص گاہ سے نکال
جاتی۔ پھر شکست خوردہ لڑکی تنہا رہ جاتی ہے۔ حقیقتاً اس کا رقص ماسٹر پیس تھا جس میں وہ شکست
کے بعد غصے اور نفرت کا اظہار کرتی ہے اس پر آہستہ آہستہ وحشت سی طاری ہوتی جاتی ہے
پھر یک بیک ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے اسکا دماغ بالکل ہی الٹ گیا ہو۔ وہ فرش پر پڑے ہوئے
پتھر چبانے لگتی ہے اس وقت اس پر چاروں طرف سے بہت ہی تیز قسم کی روشنیاں ڈالی جاتی
نزدیک و دور کے لوگ اسے پتھر چباتے دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً مائیکروفون سے آواز
"یہ انزجین کا دوسرا کرشمہ ملاحظہ فرمائیے جن صاحب کو بھی ان پتھروں کی اصلیت پر شبہ
قریب سے دیکھ سکتے ہیں انہیں پرکھ سکتے ہیں۔"

رقص ختم ہو چکا تھا لیکن رقص کرنے والی اب بھی وہیں موجود تھی۔ وہ جاتی بھی
کیونکہ ایک جم غفیر نے اسے گھیر لیا تھا...... لوگ اسے تحائف پیش کر رہے تھے۔ کچھ ان
کا معائنہ کر رہے تھے جو کچھ دیر پہلے مصری کی ڈلیوں کی طرح چبائے گئے تھے۔ حمید
بھیڑ میں شامل تھا لیکن فریدی نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔

ذرا ہی سی دیر میں رقاصہ کے آگے تحائف کے ڈھیر لگ گئے۔ کچھ لوگ اس
گراف بھی چاہتے تھے۔

دو یا تین منٹ کے بعد مائیکروفون سے آواز آئی۔ "اب براہِ کرم آرٹسٹ کے
ہٹ آئیے۔"

بھیڑ ہٹ گئی لیکن حمید چپ چاپ سر جھکائے کھڑا رہا۔

"فرمائیے...... جناب۔" رقاصہ نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایک تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"جلدی کیجئے...... میں اب تھکن سی محسوس کر رہی ہوں۔"

"میری طرف سے شمال کا عظیم پہاڑی سلسلہ تحفتاً قبول فرمائیے۔" حمید نے اتنی سنجیدگی
سے کہا کہ رقاصہ ہکا بکا رہ گئی۔ شاید یہ مزاح اس کے لئے غیر متوقع تھا۔ اس نے بہت برا سا
منہ بنایا اور سر کو پر غرور سا جھٹکا دے کر دوسری طرف مڑ گئی۔

حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنی میز کی طرف واپس جا رہا تھا لیکن دفعتاً اس کے قدم رک
گئے اس نے فریدی کو دیکھا جو دو اجنبیوں کے بازوؤں کا سہارا لئے ایک طرف جا رہا تھا۔ انداز
بالکل ایسا ہی تھا جیسے اس نے بہت زیادہ پی لی ہو۔

حمید اسے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ دونوں اجنبی اسے بیرونی
پھاٹک کی طرف لے جا رہے تھے۔ یکایک حمید کو خیال آیا کہ فریدی نے یہاں آتے وقت چند
تعاقب کرنے والوں کا تذکرہ کیا تھا۔ تو پھر...... کیا وہ اس پر قابو پا گئے ہیں، لیکن یہ صرف دو
آدمی ہیں...... صرف دو...... آدمی اور فریدی کو اس طرح لے جائیں؟ یقیناً انہوں نے کوئی
خاص طریقہ اختیار کیا ہے۔ ممکن ہے اُسے کوئی چیز دھوکے سے دے دی گئی ہو۔ جس سے ذہن
قابو میں نہ رہ جائے۔ پھر اسے یاد آیا کہ فریدی نے تعاقب کرنے والوں کی تعداد تیرہ بتائی تھی
تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ دوسرے آدمی بھی یہیں موجود ہوں گے...... لیکن......؟"

حمید نے مزید غور کرنا بیکار سمجھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا رخ باغات کی طرف
ہو گیا۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔ ویسے وہ باغات سے گذرتا
ہوا پھاٹک تک بھی پہنچ سکتا تھا اور شاید ان لوگوں کو پیچھے بھی چھوڑ سکتا تھا، جو فریدی کو پھاٹک کی
طرف لے جا رہے تھے۔ حمید کی رفتار بہت تیز تھی۔ پھاٹک پر پہنچنے سے قبل ہی وہ مطمئن ہو گیا
کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے وہ دونوں آدمی نظر آئے جو فریدی کو سہارا دیئے ہوئے کہیں لے
جا رہے تھے۔

دفعتاً اس نے فریدی کو کہتے سنا۔ "بھائی ذرا آہستہ...... مجھے دکھائی نہیں دیتا۔"

وہ دونوں اس پر کچھ بولے نہیں، البتہ حمید نے محسوس کیا کہ وہ آہستہ چلنے لگے ہیں۔ ان

کا رخ ادھر ہی تھا جہاں گاڑیاں پارک کی جاتی تھیں۔

حمید بھی خود رو جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اسی طرف بڑھنے لگا تھا۔ وہ لوگ ایک لاری کے قریب رک گئے۔ حمید جھاڑیوں سے نکل کر پارک کی ہوئی کاروں کے درمیان آ گیا۔ پھر فریدی کو لاری میں بٹھایا گیا پانچ آدمی اور لاری کے قریب پہنچ گئے۔ اب وہ تعداد میں سات ہو گئے جب وہ بھی لاری میں بیٹھ چکے اور انجن اسٹارٹ کر دیا گیا تو حمید نے ایسی حیرت انگیز پھرتی دکھائی جو شاید فریدی کے لئے بھی غیر متوقع ہوتی۔ یعنی لاری کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی وہ اس کی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اوپر پہنچ جانے کے بعد غیر متوقع طور پر کسی نئی مصیبت سے دوچار ہو گیا ہو۔ وہ داہنی کروٹ لیٹا ہی تھا کہ کوئی سخت چیز اس کے سینے میں آ لگی اور ساتھ ہی کسی نے سرگوشی کی۔ ''خبردار...... اگر آواز نکلی تو گولی دوسری طرف نکل جائے گی۔''

حمید دم بخود رہ گیا۔ اس نے جلدی میں اُس لمبی اور سیاہ سی چیز پر دھیان ہی نہیں دیا جو پہلے ہی سے لاری کی چھت پر موجود تھی۔

لاری کی رفتار تیز ہو گئی اور حمید اپنے سینے پر ریوالور کی نال کا دباؤ محسوس کرتا رہا۔ مگر خوشبو کتنی دلکش تھی جس کی مہک اس کے ذہن کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خوشبو اس کے لئے نئی نہ ہو۔ وہ چپ چاپ پڑا رہا۔ لاری دوڑتی رہی لیکن شاید حمید کا ذہن اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری پر مائل تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کتنے چالاک ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ اس سے لاری کی چھت پر ملاقات ہو گی۔ لہٰذا انہوں نے اس کے تعاقب کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی اور اب صرف ایک ہی آدمی اس کے لئے کافی تھا۔ حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

''کیا تمہارے پاس ایک کمبل بھی ہوگا دوست...... میں سردی محسوس کر رہا ہوں۔''

''چپ پڑے رہو۔'' حمید کے سینے پر ریوالور کا مزید دباؤ ڈالتے ہوئے کہا گیا۔ اس کی آواز سرگوشی سے کچھ بلند تھی لیکن حمید کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا کیونکہ وہ کسی عورت کی تھی۔ پھر اس نے سوچا ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو، لہٰذا اسے چاہئے کہ ایک بار پھر اسے اسی طرح بولنے پر مجبور کرے، اگر وہ کوئی عورت ہی ثابت ہوئی تو......؟

''اگر میں سو جاؤں تو تمہیں اس پر اعتراض تو نہ ہوگا۔'' حمید نے کہا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''چپ چاپ لیٹے رہو۔ کیا تم نے سنا نہیں۔'' اس بار پھر اس کی آواز سرگوشیوں کے پچاک سے نکل آئی تھی۔

حمید نے معلوم کر کے کہ وہ کوئی عورت ہی ہے ایک طویل سانس لی اور پھر پے در پے ٹھنڈی سانس لیتا رہا۔ لیکن پستول یا ریوالور اس کے سینے سے نہیں ہٹایا گیا۔

''تم کون سا سینٹ استعمال کرتی ہو؟'' حمید نے پوچھا۔

عورت کچھ نہ بولی۔ لیکن حمید کے سینے پر دباؤ کچھ اور بڑھ گیا۔

''کیا تم مجھے اپنی عمر بتانے کی زحمت گوارا کرو گی؟''

''کیوں؟''

''اگر عمر زیادہ ہوئی تو میں تمہارے ہاتھوں مرنے پر یہاں سے چھلانگ لگا کر جان دینے کو ترجیح دوں گا۔''

عورت نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور حمید بے ساختہ چونک پڑا۔ یہ ہنسی بھی جانی پہچانی ہوئی سی تھی۔

''ڈالی۔'' اس نے متحیرانہ انداز میں دہرایا اور ریوالور کا دباؤ یک بیک بہت کم ہو گیا۔

حمید احمق ہی تھا۔ اگر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے ریوالور اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

''تم...... تم...... کون ہو۔'' عورت نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

''وہی پرانا غوطہ خور...... پرویز......!''

عورت نے ایک طویل سانس لی۔

دوسری جھڑپ

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش رہے پھر ڈالی نے کہا۔ "تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"ظاہر ہے کہ تمہارے سات آدمی نیچے موجود ہیں۔" حمید بولا۔

"تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ میں ان سے واقف نہیں ہوں۔"

"پھر کیا تم یہاں لیٹی مونگ پھلیاں کھا رہی تھیں۔"

"نہیں...... میں نے چند آدمیوں کو آج گفتگو کرتے سنا تھا وہ یہاں سے کسی کو زبرد
لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"کیا تم انہیں پہلے سے جانتی تھیں؟"

"تمہیں اس سے کیا سروکار...... لیکن میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ "وہ کسے پکڑ کر لے جا رہے ہیں؟"

"میں یہ بھی نہیں جانتی...... مجھے تو ان کی قیام گاہ معلوم کرنی ہے۔"

"کیوں؟"

"تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"کیوں نہ ہونا چاہئے۔ کیا وہ ساتوں میرے ساتھی نہیں ہیں۔"

"نہیں......!" ڈالی کی آواز میں خوف تھا۔

"ہاں میری مکھن کی مورتی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"میرے بھی مددگار ہیں۔" ڈالی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہوں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم انہیں اسی وقت بلا لو۔ د
ہوسکتا ہے کہ تم کو کچھ دیر بعد کسی دیگ میں ڈالی کو بھون ڈالا جائے۔"

ڈالی کچھ نہ بولی، البتہ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ حمید نے کہا۔ "تم اب تک مجھے د
دیتی رہی ہو۔"

"مگر کیا تم دھوکا کھا گئے۔ کیا تمہیں پہلے ہی سے مجھ پر شبہ نہیں تھا؟" ڈالی نے کہا۔

"اسی وقت سے جب تم نے اس لڑکی کے وینٹی بیگ میں پستول کی موجودگی کا تذکرہ کیا
میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مرنے والا تمہارے ہی ہاتھوں ختم ہوا تھا۔ پھر تم زہر کی شیشی میرے
میں ڈال گئی تھیں، تاکہ میں......!"

"تم نشے میں تو نہیں ہو۔" ڈالی بول پڑی۔ "یہ سب بکواس ہے۔ تم نے ابھی جو کچھ کہا
اس میں ذرا برابر بھی سچائی نہیں ہے۔ میں آخر اُسے زہر کیوں دینے لگی۔"

"اپنے مددگاروں کی خاطر۔"

"میرا کوئی مددگار نہیں ہے۔"

"پھر تم یہاں کیوں نظر آ رہی ہو۔"

"بس یونہی مجھے ایڈونچر کا شوق ہے۔"

"اگر میں تمہیں نیچے دھکیل دوں تو کیسی رہے؟"

"کک...... کیوں......!" ڈالی ہکلائی۔

"بس یونہی...... ایڈونچر کی خاطر۔ میں بھی ایڈونچر کا عاشق زار ہوں۔"

"تمہیں میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ میرا خیال ہے کہ تم ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے۔"

"پھر میرا تعلق تمہارے مددگاروں سے ہوگا۔"

ڈالی کچھ نہ بولی۔ لاری کی رفتار کم ہوگئی۔ حمید سوچنے لگا کہ کہیں نیچے والوں نے آواز نہ
سن لی ہو۔ ویسے لاری کا انجن تو اتنا شور مچا رہا تھا کہ ان کی آوازوں کے سن لئے جانے کا
امکان نہیں تھا۔

حمید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اندھیرے میں کچھ سجھائی نہ دیا لیکن یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ وہ
آبادی میں نہیں ہیں۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ لاری کسی طرف مڑ رہی ہے۔ ویسے اگر وہ اٹھ کر
بیٹھ سکتا تو اس کی ہیڈ لائیٹس میں کم از کم یہ تو دیکھ ہی سکتا تھا کہ یہ سفر کس علاقے میں کیا جا رہا
ہے۔ رام گڈھ اس کا بھی کئی بار کا دیکھا ہوا تھا۔

لاری کی رفتار پھر تیز ہوگئی۔ وہ شاید مڑنے ہی کے لئے آہستہ چلنے لگی تھی۔

"ہاں......اب بتاؤ تم کیا کہہ رہی تھیں۔" حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔

"تم حقیقتاً کون ہو؟"

"حقیقتاً میں ڈیم فول ہوں اور اس فکر میں ہوں کہ کسی طرح پولیس کو مطمئن کر سکوں سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا جغرافیہ کیا ہے۔"

"اگر تم ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے تو یہاں نظر کیوں آرہے ہو۔" ڈالی نے حمید جملہ دہرایا۔

"ایڈونچر، مائی سویٹ پی ہنی ڈیو مایلڈ اسموک۔"

"کبھی کبھی تم لفنگوں کے انداز میں گفتگو کرنے لگتے ہو۔"

"پتہ نہیں کب کیسے آدمیوں کا ساتھ ہو جائے۔ اسی لئے میں بھانت بھانت کی بولیو ماہر ہوں۔"

لاری کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ بالآخر وہ رک ہی گئی۔

پھر کھڑکی کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ حمید خاموش ہی رہا۔ ڈالی کو بھی جیسے سونگھ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے سر اٹھایا۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیوں اور گھنے درختوں کے بکھرے ہوئے تھے۔ ایک جگہ خشک لکڑیوں کے ڈھیر سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں او وجہ سے کم از کم اتنی جگہ تو اچھی طرح روشن ہوگئی جہاں وہ ساتوں فریدی سمیت خاموش کھڑ تھے۔ فریدی اب ہوش میں نظر آرہا تھا لیکن اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

"ارے......تو یہ تمہارا ساتھی تھا۔" ڈالی نے ایک طویل سانس لی۔

لاری ایک گھنیرے درخت کے نیچے کھڑی کی گئی تھی جس کی شاخیں اس کی چھت ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ دونوں دیکھ لئے جانے کے احتمال سے بے پروا سر اٹھائے دیکھ تھے۔ دفعتاً ایک طرف جھاڑیوں سے ایک نقاب پوش نمودار ہوا۔

اسے دیکھ کر وہ ساتوں الگ ہٹ گئے۔ نقاب پوش فریدی کے سامنے کھڑا اسے گھورتا پھر بولا۔ "زوبیا کہاں ہے؟"

"جہاں بھی ہوگی باخیریت ہوگی۔ تم مطمئن رہو۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"زوبیا......زوبیا......!" ڈالی مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔ "یہ تو اسی لڑکی کا نام تھا۔"

"خاموش رہو۔" حمید نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف نقاب پوش فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اگر تم نے زوبیا کا پتہ نہ بتایا تو میں ں اسی الاؤ میں بھون کر رکھ دوں گا۔"

"برفیلے میدانوں میں جب ہم سفید بھیڑیوں کا شکار کرتے ہیں تو آگ ہمارے لئے نعمت سے کم نہیں ہوتی۔" فریدی کا جواب تھا۔

نقاب پوش نے ہاتھ اٹھایا۔ شاید وہ فریدی کے منہ پر تھپڑ مارنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن رے ہی لمحے میں فریدی کے دونوں پیر اس کے سینے پر پڑے اور وہ دور جا پڑا۔

"میرے خدا۔" ڈالی آہستہ سے بولی۔ "کتنا پھرتیلا ہے۔"

پھر اُن ساتوں نے فریدی پر یلغار کر دی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے یکن حمید ششدر رہ گیا کیونکہ وہ ابھی تک اس سے بے خبر تھا کہ فریدی صرف پیروں سے لڑ سکتا ہے۔ وہ اچھل اچھل کر انہیں لاتیں رسید کر رہا تھا اور ان میں سے کوئی بھی ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگا پایا تھا۔ ڈالی نے حمید کو جھنجھوڑ کر کہا۔ "تم یہاں پڑے کیا کر رہے ہو۔"

"عیش کر رہا ہوں۔ مزہ آرہا ہے۔ ایسی لڑائیاں روز روز نہیں نظر آتیں۔ ذرا دیکھو ے شیر کو۔ ہاتھ بندھے ہونے کے باوجود انہیں کس طرح ٹھیک کر رہا ہے۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ وہ بیچارہ تنہا ہے۔ لاؤ میرا پستول مجھے دو۔ میں اُن نمٹ لوں گی۔"

"ٹھہرو! جلدی نہ کرو۔"

"کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی خطرناک سچویشن ہو سکتی ہے۔"

"ارے...... یہ بھی کوئی سچویشن ہے۔ بات تو تب تھی کہ یہ اسکے پیر بھی باندھ دیتے۔"

"اوہ...... دیکھو...... اُس نقاب پوش نے ریوالور نکال لیا ہے۔" ڈالی حمید کو جھنجھ
بولی۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور نقاب پوش چیخ مار کر زمین پر
گیا۔ گولی اس کے داہنے ہاتھ پر لگی تھی۔ پھر وہ سب بھی بوکھلا گئے جو فریدی پر قابو پا
کوشش کر رہے تھے۔

"خبردار! کوئی بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔" حمید دہاڑا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو
وہ سب جہاں تھے، وہیں رک گئے۔

"سلیم کے ہاتھ کھول دو۔" حمید نے پھر انہیں للکارا۔ "جلدی کرو...... تم سب
نظروں میں ہو۔ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

نقاب پوش نے زمین سے اٹھنا چاہا لیکن حمید نے ایک ہوائی فائر بھی کر دیا۔ اُس
دانست میں ہوائی فائر کیا تھا لیکن اتفاق سے گولی نقاب پوش کی فلٹ ہیٹ پر پڑی اور و
کر الاؤ میں جا پڑی...... نقاب پوش کھڑا سر سہلا رہا تھا۔

"چلو...... جلدی کھولو......!" حمید پھر دہاڑا۔

"تم کون ہو۔" نقاب پوش چیخ کر کراہا۔ اُس کے داہنے ہاتھ سے خون ٹپک رہا تھا

"پیراڈائیز میں دو شکاریوں کے علاوہ تیسرا کون تھا۔" حمید نے جواب دیا۔

وہ اُن لوگوں کی طرف مڑ کر چنگھاڑنے لگا جو دوسرے شکاری کو اپنے ساتھ لگا لائے
دفعتاً حمید نے فریدی کو نقاب پوش پر چھلانگ لگاتے دیکھا۔ اُسے اُس کے دونو
بھی آزاد نظر آئے۔ شاید اسی جدوجہد کے دوران میں رسی کی بندش ڈھیلی ہوگئی تھی اور
ہاتھ کھول لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

حمید نے بھی لاری کی چھت سے چھلانگ لگائی۔ دوسری طرف نقاب پوش
جھکائی دے کر ایک طرف بھاگ نکلا تھا۔ لیکن وہ ساتوں اب بھی وہیں کھڑے تھے ا
نظریں حمید کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور پر تھیں۔ فریدی نقاب پوش کے پیچھے دوڑا

"ڈالی۔" حمید نے آواز دی۔ "آؤ...... مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔" اُن میں سے ایک آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ تو
ہی گیا۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔"

"وہ میرا چھوٹا بھائی تھا۔ تم اس کی فکر مت کرو۔" حمید نے جواب دیا۔

ڈالی لاری کی چھت سے پہلے ہی اُتر آئی تھی۔ حمید کے آواز دینے سے قریب آ گئی۔

"تم ذرا پستول لے کر ان پر نظر رکھو۔" حمید نے اس کا پستول اُسے واپس کرتے ہوئے
۔ "تاکہ میں انہیں پیک کر سکوں۔"

ڈالی نے پستول کا رخ اُن کی طرف کر دیا اور حمید ہر ایک کی ٹائی کھول کر اُسی سے اُس
ہاتھ باندھنے لگا۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر اس نے ساتوں کے ہاتھ باندھ کر انہیں ذبح
جانے والے مویشیوں کی طرح زمین پر گرا دیا۔

"خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے رہو۔" اس نے کہا اور اپنی جیب میں تمباکو
پاؤچ ٹٹولنے لگا۔

"ہم...... بالکل......!" ایک آدمی نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن حمید نے ٹھوکر مار کر اُسے
وش کر دیا۔

"اب ان کا کیا کرو گے؟" ڈالی نے پوچھا۔

"کسی اونچی چٹان سے نیچے پھینک دیں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔"

"اخاہ! تم اس طرح بول رہی ہو جیسے قانون کی نواسی یا بھتیجی ہو۔"

"انہیں میرے حوالے کر دو۔"

"یا تمہیں ان کے حوالے کر دوں۔"

"میرا پستول اس وقت میرے ہاتھ میں ہے یہ نہ بھولو۔"

"اوہ......!" حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"اب ایک ایک کر کے انہیں اٹھاؤ اور لاری میں لے چلو۔" ڈالی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"بب...... بہت اچھا۔" حمید خوفزدہ سی آواز میں ہکلایا۔ لیکن پھر یک بیک ڈالی کے پرے دوسری طرف دیکھتا ہوا پُر مسرت لہجے میں چیخا۔ "پکڑ لیا نا......!"

ڈالی بے ساختہ اُدھر مڑی لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید کا ہاتھ اس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑ چکا تھا۔

ڈالی کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح پلٹ پڑی۔ مگر پستول تو اب حمید کی جیب میں پہنچ چکا تھا۔

"راوی اس کہانی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب کالے دیو نے نیلم پری کے ہاتھ سے پستول چھین لیا تو......!" حمید نے کہا۔ وہ کھانسنے لگا اور ساتھ ہی ڈالی کے حملے بھی روکتا جا رہا تھا۔ یہ کھیل چند منٹ تک جاری رہا پھر ڈالی تھک ہار کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"تمہیں پچھتانا پڑے گا" وہ اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"میں پچھتاوے کا عادی ہو چکا ہوں۔ کیونکہ مجھے دن میں سرکاری...... اور...... مطلب یہ ہے کہ مجھے دن میں کئی بار پچھتانا پڑتا ہے...... آؤ...... قریب آؤ" حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

"چھوڑ دو مجھے۔"

"اس رات کو یادگار بنانے کیلئے ہم رمبا ناچیں گے۔ ریتم تیم...... ری تم...... ری ٹیتم...... ویتم...... ٹی...... تم۔" وہ اسے اپنی طرح کھینچ کر سچ مچ ناچنے لگا تھا۔

"ہٹو...... گدھے...... کمینے...... مجھے چھوڑ دو...... ورنہ۔" ڈالی اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے مچلتی رہی لیکن حمید ناچتا ہی رہا۔ یہی نہیں بلکہ وہ قیدیوں سے کہہ رہا تھا "تم گاؤ...... گاؤ ورنہ تمہاری شکلیں ایسی کردوں گا کہ برسوں پہچانے نہ جا سکو گے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ڈالی دانت پیس کر بولی۔

"اگر تم یہی سمجھتی ہو تو تمہارا غصہ فضول ہے، حقیقتاً میرا دماغ الٹ گیا ہے اور اب میں ناچتے ناچتے تمہیں لے کر کسی کھڈ میں کود جاؤں گا۔ تمہاری جیلی بن جائے اور میرا جام۔"

"ارے...... بچاؤ...... بچاؤ" یک بیک ڈالی بوکھلائے ہوئے انداز میں چیخنے لگی۔

"ارے...... بچاؤ...... بچاؤ" حمید بھی بالکل اسی انداز میں چیخا اور پھر دفعتاً انہوں نے پتھریلی زمین پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ جھاڑیاں سرسرائیں اور دوسرے ہی لمحے فریدی اُن کے سامنے کھڑا انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

حمید اسی طرح ناچتا رہا۔

"بچائیے...... مسٹر سلیم...... مجھے بچائیے۔" ڈالی تقریباً روتی ہوئی بولی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" فریدی ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید خاموشی سے ڈالی کو ادھر ادھر دھکیلتا پھر رہا تھا۔ فریدی نے زبردستی انہیں الگ کیا۔ حمید آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "میں کام لے رہا ہوں۔ یہ لڑکی انہیں کی ساتھی ہے۔"

"یہ سراسر بکواس ہے۔" ڈالی نے کہا۔

"چلو......!" فریدی حمید کی گردن پکڑتا ہوا بولا۔ "انہیں لاری میں لے چلو۔"

حمید ایک ایک کو ٹھوکر مار کر اٹھانے لگا اور تھوڑی دیر بعد وہ سب لاری میں پہنچ گئے۔ حمید کو راستے کا اندازہ تھا لیکن خود اس نے گاڑی ڈرائیو کرنے کی پیش کش نہیں کی کیونکہ وہ ڈالی پر لحظہ نظر رکھنا چاہتا تھا۔

فریدی ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید اور ڈالی قیدیوں کے ساتھ رہے۔ فریدی نے بتایا کہ وہ نقاب پوش کو پکڑنے میں ناکام رہا تھا۔

حمید نے اُسے جرمن زبان میں ڈالی کے متعلق بتاتے ہوئے پوچھا۔ "آپ اتنی آسانی سے ان کے ہاتھ کیسے آ گئے تھے۔"

"بس اتفاق۔ وہ کافی جو میں نے منگوائی تھی نشہ آور کر دی گئی تھی اور یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ تم اپنی پیالی بھرے بغیر اٹھ کر رقاصہ کی طرف چلے گئے تھے۔ مگر تعجب ہے کہ انہوں نے تمہیں بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔"

دفعتاً فریدی نے پورے بریک لگا دیئے اور لاری ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ سامنے

سڑک پر تین آدمی اس طرح لیٹے ہوئے تھے کہ انہیں بچا کر لاری نکال لے جانا ناممکن تھا۔

وہ کون تھی

حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا اور ریوالور سمیت باہر آیا۔ شاید فریدی کے تو ریوالور تھا ہی نہیں۔ اُس نے بڑی تیزی سے گاڑی کی تمام روشنیاں گل کر دیں۔

"تڑاک......تڑاک......تڑاک۔" تین گولیاں لاری کے مختلف حصوں سے ٹکرا

حمید نے ڈالی کا پستول فریدی کو دیتے ہوئے کہا۔ "سنبھالئے۔"

"اوہ......شکریہ......مگر خواہ مخواہ گولیاں صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"خود کو ہمارے حوالے کر دو۔" باہر سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "ورنہ کوئی بھی زندہ نہ بچے

"تم شوق سے فائرنگ کرو۔" فریدی نے جواب دیا۔ "ہر کھڑکی پر تمہارا ہی ایک موجود ہے۔"

"نہیں......نہیں۔" ساتوں قیدی بیک وقت چیخے اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ڈالی کانپ رہی ہے۔ اُس نے حمید کا بازو پکڑ لیا تھا۔

"بس دم نکلنے لگا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "ایڈونچر کے عاشقوں کے لئے رائفلیں نہیں اگلتیں۔"

"میں تو ہنس رہی تھی۔" ڈالی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کیا تم سمجھے تھے کہ میں رہی ہوں۔"

"ذرا زور سے ہنسو ڈیئر تا کہ وہ گولیاں چلانے کی بجائے شاعری کرنے لگیں۔"

پھر کچھ گولیاں لاری سے ٹکرائیں اور قیدی پھر چیخنے لگے اور اسی اثناء میں لا حرکت میں آ گئی۔ مگر فریدی نے اس کی ہیڈ لائٹس نہیں روشن کی تھیں۔

فائر برابر ہوتے رہے تھے۔ حمید نے بھی اندازاً دو تین راؤنڈ چلائے۔ لیکن فریدی کے خیال کے مطابق وہ گولیاں ضائع کرنا ہی تھا۔ اچانک یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے اور لاری پچھلے پہیوں کے بل سڑک پر گھسٹنے لگی۔ حملہ آوروں نے اُس کے دونوں پچھلے پہیے بیکار کر دیئے تھے۔

مجبوراً لاری روک دینی پڑی لیکن حمید باہر قدم بھی نہیں رکھ سکا تھا کہ اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ صرف وہی نہیں بلکہ لاری میں بیٹھے ہوئے سبھی آدمی بُری طرح کھانس رہے تھے فضا میں ایک بوجھل سی بُو رقص کرتی پھر رہی تھی۔ ایسی بو جس سے دم گھٹتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ ڈالی کی گرفت حمید کے بازو پر سخت ہوتی گئی۔ شاید وہ کھانستے کھانستے تشنجی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔ حمید فریدی کو بھی کھانستے سن رہا تھا۔

حمید کا سر چکرا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ اپنے ذہن کو قابو میں نہ رکھ سکے گا۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہونے لگے۔ پھر فضا میں چکرانے والی بو کا احساس بھی فنا ہو گیا۔ اس کا جسم بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔

پھر دوبارہ جب اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت واپس آئی تو وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا کیونکہ اس کا سارا جسم رسی سے جکڑا ہوا تھا۔ وہ زبان بھی نہ ہلا سکا کیونکہ منہ میں حلق تک کپڑا ٹھسا ہوا تھا اور سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ سفر ہنوز جاری ہے۔ لیکن گاڑی میں اندھیرا تھا۔ ویسے بھی معلوم ہی کیا جا سکتا تھا کہ گاڑی بہت زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف جا رہی ہے۔ حمید فریدی اور ڈالی کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا وہ بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ اس نے کروٹ لینے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ چت پڑے رہنے سے اس کی پیٹھ بہت شدت سے دکھنے لگی تھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے وہ کسی لاری کی پتلی سی سیٹ پر پڑا ہو اور کروٹ لیتے ہی نیچے جا گرے۔ رسی بُری طرح اس کے جسم میں چبھ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح وہ بیہوش ہو گیا؟ اُسے وہ بدبو یاد آئی۔ غالباً وہ کسی قسم کی گیس تھی۔ جس کے ذریعہ انہیں بیہوش کیا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد پھر تکلیف کا احساس ہونے لگا اور اس کا ذہن پھر تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

دوسری بار ہوش آنے پر اس نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ اب وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی کر سکتا تھا اور ضرورت پڑنے پر فلمی گیت بھی گا سکتا تھا۔ کیونکہ نہ تو اب اس کا جسم رسی جکڑا ہوا تھا اور نہ ہی منہ میں کپڑا موجود تھا۔ کمرے میں ہلکی روشنی کا ایک بلب روشن تھا۔ ا فریدی اور ڈالی بھی نظر آئے۔ فریدی ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا سگار پی رہا تھا اور ابھی بیہوش تھی۔ حمید بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کمرے میں فرنیچر قسم کی کوئی چیز نہیں تھی دیواروں پر تصویروں کے متعدد فریم نظر آ رہے تھے۔

فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید ڈالی کی طرف دیکھ کر سر ہلانے لگا۔

"یہ کہاں آ پھنسے!" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہم اس آدمی کی قید میں ہیں جس نے زوبیا کو اغواء کرایا تھا۔

"اور مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ زوبیا کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

حمید نے ایک طویل سانس لیکر ڈالی کے چہرے پر نگاہ گاڑ دی۔ پھر فریدی سے بو

"کیا میں اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کروں۔"

"کیا ضرورت ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"یعنی یہ یوں ہی بیہوش پڑی رہے؟"

"یہی مناسب ہے ورنہ تم میری کھوپڑی کام کرنے کے قابل نہ رہنے دو گے۔"

حمید اٹھ کر ڈالی کے پاس پہنچ گیا اور فریدی اسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا۔ لی

کچھ نہیں...... حمید نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کر دیں۔

فریدی سگار کے کش لیتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے گھر ہی کے کسی کمر بیٹھا ہو۔ چہرے پر تشویش کا شائبہ تک نہیں تھا۔ آنکھوں سے لاپروائی مترشح تھی۔

کچھ دیر بعد حمید ڈالی کو ہوش میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھی پھر کچھ دیر بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے

وں کو کچا ہی چبا جائے گی۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے۔" وہ گرج کر بولی۔ "اس کی سو فیصدی ذمہ داری پرویز پر ہے۔"

"وہ کس طرح مائی بٹر فلائی؟" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"شٹ اپ...... تمیز سے گفتگو کرو۔"

"ٹھہرو......!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر ڈالی سے کہنے لگا۔ "میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا ہتی ہو۔"

"میں نے پرویز سے کہا تھا کہ ان قیدیوں کو میرے حوالے کر دو۔ مگر یہ حضرت شرارت ہو گئے۔"

"تم کیا کرتیں ان قیدیوں کو......!"

"پولیس کے حوالے کر دیتی۔"

"یہ کام ہم بھی کر سکتے تھے؟"

"میرے کام کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔" ڈالی نے کہا۔

"ارر...... ٹھیک......!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اب میں سمجھ گیا۔ یہ انہیں آنکھ مار کر مار ا۔ نہ کہیں جنازہ اٹھتا اور نہ کہیں مزار ہوتا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔"

"پھر تم بدتمیزی کرنے لگے۔" ڈالی غرائی۔

"یہی تو مصیبت ہے۔" حمید فریدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بھائی کی گی میں...... میں بدتمیزی نہیں کر سکتا ورنہ تم دیکھتیں۔"

"خاموش رہو۔" فریدی نے ڈانٹا۔

"بھائی سلیم۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مجھے بور نہ کرو۔ یہ ہماری زندگی کا آخری دن ہے۔ کہ دن ہے یا رات۔"

دفعتاً انہوں نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی۔ آواز شاید برابر ہی کے کمرے سے آئی ا۔ وہ دروازہ جو اُن دونوں کے درمیان حائل تھا مقفل تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے

ہلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ پھر جھک کر وہ کنجی کے سوراخ کو دیکھنے لگا۔ "
طرف کمرہ ہی تھا اور آواز اسی کمرے سے آرہی تھی لیکن کراہنے والا کنجی کے سوراخ سے نظر
آسکا۔ فریدی اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شاید اسے کسی چیز کی تلاش تھی۔

"کیا تم مجھے تھوڑی دیر کے لئے ہیئر پن دے سکتی ہو۔" اس نے ڈالی سے پوچھا۔

"کیوں......؟" ڈالی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پتہ نہیں کس گدھے نے تمہیں محکمہ سراغ رسانی کے لئے منتخب کیا تھا۔"

"کیا مطلب......؟" حمید یک بیک اچھل پڑا اور ڈالی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں

"آپ قائم آباد برانچ کی ایک سب انسپکٹر ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "
مونا گراہمس......!"

"اخاہ۔" حمید باچھیں پھاڑ کر بولا۔ "تب تو ان کے کباب بے حد لذیذ ہوں گے۔"

"ہیئر پن۔" فریدی ڈالی کی طرف ہاتھ بڑھا کر خشک لہجے میں بولا۔

ڈالی نے سر سے ہیئر پن نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے کب سے جانتے ہو؟"

"اسی رات سے جب تم نے اپنے کاغذات پیراڈائیز کے پارک میں ایک جگہ چھ
تھے۔ اس لئے چھپائے تھے کہ کہیں وہ رام گڑھ کے سراغ رسانوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں
اس کارنامے میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتی تھیں۔"

"کیسا کارنامہ......؟"

"انزجین۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو۔" ڈالی خوفزدہ آواز میں بولی۔

"شکاری......تمہارے کاغذات میرے پاس محفوظ ہیں۔"

"تمہارے پاس کیوں؟"

"میں نے انہیں وہاں نہیں رہنے دیا تھا جہاں تم نے چھپایا تھا۔"

"تمہیں اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔ یہ قانوناً جرم ہے کہ تم کسی سرکاری سراغ رسا

ؤ میں رہو۔"

"سرکار سراغ رساں۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "ہم اس کمرے
میں جانا چاہتے ہیں، کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہے لہٰذا اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کرو۔
سرکاری سراغ رساں تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

"اوہ......ہیئر پن۔" ڈالی نے بیساختہ کہا اور کنجی کے سوراخ کی طرف دیکھنے لگی۔

"کوشش کرو۔" فریدی نے ہیئر پن اُسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

ڈالی ہیئر پن لے کر قفل پر جھک پڑی۔ لیکن تقریباً پانچ منٹ تک کوشش کرنے کے
باوجود بھی قفل کھولنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

"چلو......ادھر ہٹو......ہیئر پن مجھے دو۔"

فریدی نے ہیئر پن لے کر حمید کی طرف بڑھا دیا اور حمید نے قفل کھولنے میں دو منٹ
سے زیادہ نہیں لگائے۔

"اس طرح قفل کھول لینا چوروں اور اٹھائی گیروں کا کام ہوتا ہے۔" ڈالی بُرا سا منہ بنا
کر بڑبڑائی اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔ پھر فریدی نے دروازہ کھولا۔ اس کمرے میں نیلے رنگ کا
بلب روشن تھا۔ فرنیچر معمولی قسم کی ایک میز، دو کرسیوں کا ایک شلف اور ایک پلنگ پر مشتمل تھا۔
پلنگ پر ایک بوڑھا آدمی سوتا نظر آیا۔ یہ کچھ بیمار سا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی نے ایک اچٹتی ہوئی
سی نظر چاروں طرف ڈالی اور آہستہ آہستہ پلنگ کی طرف بڑھنے لگا۔

دفعتاً بوڑھا جاگ پڑا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن تینوں کو دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم کون ہو؟"

"چور......؟" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "لیکن تم شور نہیں مچاؤ گے......
یہ پہلی اور آخری وارننگ ہے۔"

"چور......؟" بوڑھے نے آہستہ سے دہرایا اور نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر مسرت
کی لہر نظر آنے لگی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور آہستہ سے بولا۔ "بھائی چور مجھے یہاں سے کسی طرح

نکال دو۔ اس کام کی منہ مانگی قیمت ادا کروں گا۔"

"اوہ...... تو کیا تمہیں کسی نے قید کر رکھا ہے؟"

"ہاں...... ایک احسان فراموش کتے نے۔ تم مجھے کسی طرح یہاں سے نکال دو۔ ویسے میرا خیال ہے کہ تمہیں یہاں کوئی قیمتی چیز نہ مل سکے گی۔ کیونکہ یہ صرف میرا قید خانہ ہے۔"

"یہ شاید پاگل ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"نہیں میں قطعی صحیح الدماغ ہوں۔" بوڑھے کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"اچھا تو تم یہی بتا دو کہ تم اس وقت کہاں ہو۔ کس شہر...... کس محلے میں اور اس عمارت کا کیا نام ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"عمارت یا محلے کا نام نہیں بتا سکتا۔ البتہ یہ قائم آباد ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

فریدی نے ایک طویل سانس کھینچی اور پھر پوچھا "تمہارا نام؟"

"ناصر...... لوگ مجھے ڈاکٹر ناصر کہتے ہیں۔"

"تمہیں کس نے قید کیا ہے؟" ڈالی پوچھ بیٹھی۔

"اسے یہاں سے لے جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیا؟ قطعی نہیں۔" ڈالی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ ساری ع

جیل میں سڑوا دوں گی۔"

"ارے بس آؤ بھی۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسی کمرے میں لے آیا جہاں وہ کچھ دیر پہلے تھے۔

"تم لوگوں کے ساتھ ذرہ برابر بھی رعایت نہیں کی جائے گی۔" ڈالی دانت پیس کر بولی۔

"اس سے پہلے ہی میں تمہارے کباب لگاؤں گا۔ ہم دونوں شکاری آدم خور ہیں۔"

"تم اپنے ہاتھوں اپنی قبریں کھود رہے ہو۔"

"تب تو ہم کمال کر رہے ہیں۔ تم کوئی ایسی مثال نہیں پیش کر سکتیں جب کسی نے اپنی قبر کھودی ہو۔ ویسے تم خواہ مخواہ بور ہو رہی ہو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے بائیں جانب والا دروازہ کھولا۔

آنے والے چار آدمی تھے اور ان کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آ رہے تھے۔ لیکن دو ازے ہی پر ٹھٹک گئے۔ شاید ان کی حیران آنکھیں فریدی کو تلاش کر رہی تھیں۔

"تیسرا کہاں ہے؟" ان میں سے ایک نے گرج کر پوچھا۔

اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دوسرے کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ں ڈالی اس دروازے کی طرف نہ دیکھنے لگے جسے کھول کر وہ دوسرے کمرے میں پہنچے مگر ڈالی نے اس قسم کی کوئی حماقت سرزد نہیں کی۔ حمید ان چاروں کو بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ انہیں نیم مردہ رقاصوں میں سے تھے جنہیں وہ پیراڈائیز میں دیکھ چکا ڈالی بھی کم متحیر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ دفعتاً ایک آدمی اور اندر آیا۔ یہ وہی منتظم ناگری تھا ں کے ساتھ حمید نے ایک بار پیراڈائیز میں کافی پی تھی۔

"اوہ...... مسٹر ناگری۔" حمید نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

"ہاں...... میں ہی ہوں۔" ناگری خشک لہجے میں بولا۔ "صبح ہونے سے پہلے ہی تم ں...... ار...... وہ کہاں ہے۔" ناگری چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر ہاتھ ہلا کر دہاڑا۔ "وہ اں ہے۔ ورنہ میں تمہاری دھجیاں اڑا دوں گا۔"

"مائی ڈیئر...... مسٹر ناگری یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ انرجین تین گلاس پی گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھواں بن کر روشندانوں سے باہر نکل گیا۔" حمید نے ہا اور ڈالی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیوں ڈارلنگ......؟"

ڈالی جھلا گئی اور انتہائی غصے کے عالم میں اس نے ناگری سے کہا۔ "وہ اُس کمرے میں ہے۔"

پتہ نہیں الفاظ تھے یا ناگری کیلئے بجلی کا ہنٹر۔ کیونکہ وہ بیساختہ اچھل کر دروازے سے جا لگا۔

زوبیا کا راز

وہ اس طرح دروازے کو ہلا رہا تھا جیسے اُسے خبر ہی نہ ہو کہ وہ دوسری طرف سے بند کر دیا گیا ہے۔ دفعتاً وہ چیخنے لگا۔ "اے...... باہر آؤ...... ورنہ میں ان دونوں کو جان سے مار دوں گا۔"

"میں اس بوڑھے کا گلا گھونٹ کر تمہارا کھیل ہی اس وقت ختم کر دوں گا۔" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی اور ناگری سناٹے میں آ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا جسم سے خالی ہو گیا ہو۔

"تم کون ہو......؟" اس نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایک شریف آدمی...... جس کی بسر اوقات کا ذریعہ تم جیسے کمینے لوگ بن جاتے بولو...... زوبیا کیلئے کتنی رقم دے سکو گے۔ اس اسٹیج پر اگر ہمارا سودا طے ہو جائے تو زیادہ بہتر رہے گا"

ناگری نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں اور وہ طرح ہانپ رہا تھا جیسے بہت دیر تک دوڑتا رہا ہو۔

"تم اپنا اندازہ بتاؤ کہ مجھے اس سلسلے میں کتنی رقم صرف کرنی چاہئے۔" اُس نے کچھ دیر بعد

"پچیس ہزار سے کوڑی کم نہ لوں گا۔"

"یہ بہت زیادہ ہے...... اچھا چلو دس ہزار پر معاملہ کر لو۔"

"پچیس ہزار......!" فریدی نے جواب دیا۔ "ورنہ دوسری صورت میں ہم شاید اس سے بھی زیادہ کما سکیں۔"

"چلو...... منظور ہے باہر آؤ۔"

"یوں نہیں...... تم سب اپنے ریوالور میرے ساتھی کے حوالے کر دو۔ میں اناڑی تو نہیں ہوں"

"ریوالور تو نہیں دیئے جا سکتے۔"

"تب پھر مجبوری ہے۔ تم بھی صبر کرو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

ناگری کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اپنے ریوالور اسے دے دو۔"

"پہلے تم اپنا نکالو۔" حمید نے کہا۔

"میرے پاس نہیں ہے۔"

"میں تلاشی لئے بغیر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ تم اپنا داہنا ہاتھ استعمال نہ کر سکو گے کیونکہ وہ پہلے ہی زخمی ہو چکا ہے۔ لیکن بائیں ہاتھ کو کون روک سکے گا۔"

"تم میری جامہ تلاشی لے سکتے ہو۔" ناگری نے کہا۔

حمید نے آگے بڑھ کر اُسے نیچے سے اوپر تک ٹٹولا اور پھر اس کے دوسرے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔ انہوں نے اپنے ریوالور اس کے حوالے کر دیئے۔ ڈالی خاموش کھڑی اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔

"انہوں نے ریوالور میرے حوالے کر دیئے ہیں۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ناگری کے داہنے ہاتھ پر پڑی جو بینڈیج سے ڈھکا ہوا تھا۔

"تو وہ نقاب پوش تم ہی تھے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کام کی بات کرو۔" ناگری خشک لہجے میں بولا۔ "چیک لو گے یا کیش؟"

"کیسا چیک اور کیسا کیش۔" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔ "میں بالکل نہیں سمجھا۔"

"کیا مطلب......؟" ناگری بوکھلا گیا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھا۔ لا نے دو ریوالور تو جیبوں میں ڈال لئے تھے اور دو ریوالور میں سے ایک کا رخ ناگری کی طرف کر دیا تھا اور دوسرے کا اس کے چاروں ساتھیوں کی طرف۔

"دھوکا۔" ناگری آہستہ سے بڑبڑایا۔

"مجبوری ہے دوست۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اتفاق سے یہاں ایک سرکاری سراغ رساں بھی موجود ہے۔ ورنہ میں اتنا اچھا بزنس کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ اس سے ملو یہ ہیں

مس مونا گراہمس قائم آباد کی ایک سرکاری جاسوس۔ یہ دراصل تمہاری ازجین کی فکر میں
لیکن اس کے ساتھ ہی زوبیا کا قصہ نکل آیا۔"

"اوہ...... اسے جہنم میں جھونکو۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی کہ یہ کہاں گئی۔ میں تم
لگاتا ہوں۔ زوبیا کا پتہ بتادو۔"

"نہیں پہلے میں اسے ازجین کے متعلق بتاؤں گا۔" فریدی نے ڈالی کی طرف د
کہا۔ "ہاں مس گراہمس! ازجین ایک نشہ آور مشروب ہے۔ جو دماغ ماؤف کر کے جسم
بجلیاں سی بھر دیتا ہے۔ اس کی پبلسٹی کھلے عام کی جاتی ہے لیکن اس کا بزنس اسی طرح ہوتا
جیسے کوکین وغیرہ کا بیوپار کیا جاتا ہے۔ لوگ نیم مردہ رقاصوں کے کمالات دیکھ کر ان کی ط
متوجہ ہوجاتے ہیں۔ انہیں ان سے اتنی زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی، جتنی کہ اس مشروب
بہرحال وہ ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اس مشروب کی بہت سے بڑی پہچان ی
کہ آدمی اس کا عادی ہوجانے کے بعد اس کے بغیر منٹ بھی نہیں رہ سکتا۔ اور اگر وہ خود
کر کے اسے ہاتھ نہ لگائے تو کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ
چاق وچوبند رکھنے کے لئے اس مشروب کا استعمال جاری رکھے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" ناگری نے کہا۔ "ازجین بہت جلد بازار میں آجائے گی

"ہوسکتا ہے لیکن وہ تمہارے اس مشروب سے بالکل مختلف ہوگی۔"

"ختم کرو۔" ناگری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں زوبیا کی قیمت پچاس ہزار لگا رہا ہوں۔"

"کیوں! تمہارا کیا خیال ہے۔" فریدی نے ڈالی سے پوچھا۔

"آپ ہر حال میں قانون کی مدد کیجئے سلیم صاحب۔" ڈالی نے کہا۔

"دیکھا......!" فریدی نے ناگری کو مخاطب کیا۔ "اب بتاؤ میں کیا کروں۔"

"ارے واہ......!" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "گویا میرے ہاتھ میں ریوالور نہیں پٹاخے ہیں"

"میرے لئے وہ پٹاخوں سے بھی کمتر ہیں۔"

"شاید تم نے ازجین پی رکھی ہے۔"

"ان لوگوں نے ضرور پی رکھی ہے۔" ناگری چاروں رقاصوں کی طرف اشارہ کر کے
بولا۔ "ان کے دماغ قابو میں نہیں ہیں۔ یہ صرف میرے اشاروں پر چل رہے ہیں۔ اگر میں
انہیں حکم دے دوں تو تمہاری بوٹیوں کا بھی پتہ نہ چلے۔"

"اچھا تو انہیں حکم دے دو۔ میں بھی دیکھ لوں کہ اس مشروب میں کتنا زور ہے۔" فریدی
نے لاپروائی سے کہا اور حمید سے بولا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو لیکن اس دروازے پر اڑے
رہو۔ کوئی باہر نہ جانے پائے اور اگر کوئی باہر سے اندر آنے کی کوشش کرے تو اُسے بے دریغ
گولی مار دینا۔ نہیں مس گراہمس تم احتجاج کرنے کے لئے منہ نہ کھولو۔"

حمید دروازے کے پاس جم گیا۔ لیکن اس نے ریوالور جیب میں نہیں ڈالے تھے۔
اچانک وہ چاروں فریدی پر آپڑے۔ ناگری نے انہیں حملہ کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ فریدی نے
ان کی کنپٹیاں سہلانی شروع کردیں۔ جس کنپٹی پر بھی گھونسہ پڑا وہیں ڈھیر ہوگیا۔ شاید دس ہی
منٹ میں وہ چاروں فرش پر بے حس وحرکت پڑے ہوئے تھے۔

"آؤ......!" فریدی ناگری کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تمہارے لئے بھی میدان صاف ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو چلو...... ایک لاکھ لے لو۔"

"ایک کروڑ پر بھی معاملہ طے نہیں ہوسکتا۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ تم قاتل ہو۔ زوبیا کے
تین دوستوں کا خون تمہاری گردن پر ہے اور ہاں...... ہاں...... ٹھہرو کیا تم مجھے ڈاکٹر اسفندیار کا
پتہ بتا سکو گے۔"

"وہ کسی سے نہیں ملتے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بوڑھے ناصر نے اپنی زبان بند کر رکھی ہوگی۔"

"یہ قاتل ہے۔" دوسرے کمرے سے بوڑھا چیخا۔ "ڈاکٹر اسفندیار کا قاتل ہے اور مجھے
اس نے سالہا سال اپنی قید میں رکھا ہے۔ زوبیا اسفندیار کی لڑکی ہے۔ ایک بہت بڑی دولت
کی مالک۔ یہ اُس سے شادی کر کے قانونی طور پر اس دولت پر متصرف ہونا چاہتا تھا۔"

"اور...... اسی لئے تم نے اتنے دنوں تک انتظار کیا تھا۔" فریدی ناگری کی طرف دیکھ کر

بولا۔ ''تم چاہتے تھے کہ زوبیا بالغ ہو جائے تو تم کسی طرح اس سے شادی کر لو۔ لہٰذا اُ
جس دوست پر تمہیں شبہ ہوا اُسے تم نے قتل کر دیا۔ تمہاری خواہش تھی کہ تم اس سے دو
آہستہ آہستہ اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہو جاؤ، لیکن تمہیں مایوسی ہی ہوئی۔ تم اسے اپنی
متوجہ نہ کر سکے۔ تمہارا آخری شکار وہ آدمی تھا جس پر بطخ نے حملہ کیا تھا۔ یقیناً تم نے یا تم
کسی آدمی نے پنڈلی کے زخم پر کوبرا کا زہر لگا دیا اور اسی زہر کی ایک شیشی پرویز کے کمر
ڈلوا دی۔ تمہیں شبہ ہوا تھا کہ زوبیا پرویز کی طرف بھی جھک رہی ہے۔ لہٰذا اس طرح
ایک ہی حملے میں دو شکار کرنے چاہے۔ پرویز پر شبہ کیا جانا ضروری تھا کیونکہ ایک دا
دونوں میں لڑائی ہو چکی تھی۔''

''یہ سب بکواس ہے۔'' ناگری نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔ ''تم کسی حالت
ثابت کر سکو گے۔''

''میں ثابت کر دوں گا۔'' بوڑھے ناصر نے کہا۔ جواب اسی کمرے میں آ چکا تھا۔

''جاؤ لیٹو...... تم پاگل ہو گئے ہو...... دفع ہو جاؤ۔'' ناگری ہاتھ ہلا کر دھاڑا۔

''نمک حرام کتے تو پاگل ہے! اُس کا قاتل جس نے تجھے خاک سے اٹھا کر آسمان
دیا تھا۔ ڈاکٹر اسفندیار کی روح انتقام کیلئے تڑپ رہی ہے اور خدا کا انصاف دور نہیں ہے''

''آپ آرام کیجئے ناصر صاحب۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ بیمار ہیں، تھوڑی دی
ہم آپ کو کھلی ہوا میں لے چلیں گے۔''

پھر اس نے حمید سے کہا۔ ''ناگری کے ہاتھ باندھ دو اور مس گراہمس اب تم ج
چاہتی ہو کرو۔ تمہاری واپسی تک ہم یہیں ٹھہریں گے۔''

دوسرے دن فریدی اور حمید قائم آباد کے سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر ناصر
اسفندیار کی کہانی سن رہے تھے۔

''ڈاکٹر اسفندیار۔'' ناصر کہہ رہا تھا۔ ''ایک عظیم آدمی تھے۔ انہوں نے خود کو قوم
وقف کر دیا تھا۔ نہ جانے کتنے لاعلاج امراض کے کامیاب علاج انہوں نے دریافت

20بر
بے حد اعتماد کرتے تھے اور میں نے کبھی ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگنے دی۔ وہ بے حد
ن آدمی تھے۔ ان کی لیبارٹری ہی اُن کے لئے سب کچھ تھی۔ اکثر وہ وہیں سو رہتے تھے۔
مردنیت نے انہیں کسی حد تک پُراسرار بھی بنا دیا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وہ منظر عام پر
تو انہیں کام کرنے کا موقع نہیں ملے گا یہی وجہ ہے کہ لوگ صرف ان کا نام ہی سنتے رہے،
آشنا نہ ہو سکے۔ یہ ناگری ایک یتیم اور لاوارث لڑکا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی پرورش کی
اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی اور کوشش کی تھی کہ وہ ان کا داہنا بازو بن سکے۔''

''میں اس لڑکی زوبیا کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اُسکی پرورش اتنے پُراسرار طریقہ
ں ہوئی۔ اُسے یہ کیوں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ڈاکٹر اسفندیار کی لڑکی تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''اس پر بھی وہ ایک تجربہ کر رہے تھے۔'' ناصر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''دراصل اس
پیدا ہوتے ہی ڈاکٹر کی بیوی چل بسی تھی۔ اس سے پہلے ہی سے ڈاکٹر کسی ایسے بچے کی
میں تھے جسے اپنے والدین کے متعلق کچھ بھی علم نہ ہو۔ ہاں ٹھہرئیے...... ساتھ ہی یہ بھی
ل کہ خود ڈاکٹر کی بیوی کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کا شوہر حقیقتاً کون ہے۔ وہ انہیں ڈاکٹر
یار کی حیثیت سے نہیں جانتی تھیں۔ یہ فخر صرف دو آدمیوں کو حاصل تھا۔ مجھے اور ناگری
بہر حال ان کی بیوی صرف اتنا جانتی تھیں کہ ان کا شوہر ایک خاندانی رئیس ہیں اور اس
ت پر متصرف ہیں جو انہیں ترکے میں ملی تھی۔''

''لیکن وہ ایک ایسا بچہ کیوں چاہتے تھے جسے اپنے والدین کے متعلق کچھ بھی نہ معلوم
'' حمید نے پوچھا۔

''وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ایسے بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کیسے ہوتی ہے۔ ان
کے اعصاب پر اس احساس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ وہ نامعلوم والدین کی اولاد ہیں۔ اس طرح وہ
نفسیات میں کسی نئے باب کا اضافہ کرنا چاہتے تھے۔ ہاں تو سب سے پہلے زوبیا کی پرورش
ایک گونگی عورت کے ذمہ ڈالی گئی جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ گونگی کے پڑوسی جانتے تھے کہ وہ
اس کی لڑکی نہیں ہے۔ زوبیا نے ہوش سنبھالا تو یہی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں کہ وہ گونگی

کی لڑکی نہیں ہے لیکن اُسے یہ بتانے سے قاصر تھی کہ وہ کس کی لڑکی ہے۔ گونگی کی موت کے
یہ ذمہ داری مجھ پر آ پڑی۔ میں نے زوبیا کو بتایا کہ میں گونگی کا بھائی ہوں، لیکن مجھے بھی علم
ہے کہ اس نے اسے کہاں سے حاصل کیا تھا۔ اس دوران میں ڈاکٹر اسفندیار اس ذہنی
جسمانی حالت کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے اور زوبیا کو میں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی
مجھے اس کی صحت کا بے حد خیال رہتا ہے۔ اس لئے میں ہر ہفتہ اس کا طبی معائنہ کرا
ہوں۔ یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ڈاکٹر اسفندیار کو صرف تجربات کی دھن رہتی تھی اور
انہوں نے اپنا سارا سرمایہ بھی میرے نام منتقل کرادیا تھا۔ میرے ہی دستخط پر بینکوں سے
دین ہوتا تھا۔ ویسے ڈاکٹر نے زوبیا کے حق میں ایک وصیت نامہ بھی مرتب کیا تھا اور اس
اعتراف پر میرے بھی دستخط تھے کہ یہ سارا سرمایہ ڈاکٹر اسفندریار کا ہے جو اس کی موت کے
انکی لڑکی زوبیا کے نام منتقل کردیا جائیگا۔ وصیت نامہ ڈاکٹر کے قانونی مشیر کے پاس محفوظ

"لیکن تجربہ مکمل ہوجانے کے بعد بھی زوبیا کو اندھیرے میں کیوں رکھا گیا۔" حمید نے

"اوہ...... واقعی یہ ایک بہت بڑی ٹریجڈی تھی۔ ڈاکٹر نے تجربہ مکمل ہوجانے کے
تھا کہ زوبیا پر سب کچھ ظاہر کردے مگر ناگری نے انہیں یہ سمجھایا کہ زوبیا ان سے نفرت
لگے گی۔ وہ سوچے گی کہ اس کا باپ کتنا ظالم ہے کہ محض ایک تجربے کی خاطر اسے بچپن
اب تک ایک قسم کی بے بسی میں رکھا۔ یہ بات ڈاکٹر کے دل میں اتر گئی اور انہوں نے
کرلیا کہ اب اُن کی موت کے بعد ہی زوبیا کو اپنی حقیقت کا علم ہو۔ اُسی وقت انہوں
ناگری ہی کے مشورے پر وہ وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ وصیت نامہ مرتب ہوجانے کے
ناگری نے انہیں زہر دے دیا اور مجھے اپنا قیدی بنالیا۔ مجھ پر جبر کرکے وہ چیکوں پر دستخط
اور اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح زوبیا کو اپنی طرف مائل کرلے۔ اگر وہ اس میں کا
ہوجاتا تو پھر ڈاکٹر کی دولت اُسی کی ہوتی۔ ویسے بھی وہ ڈاکٹر کے ایجاد کردہ نشہ آور مشروب
ناجائز تجارت سے کافی بڑی بڑی رقمیں بنا رہا تھا۔ ڈاکٹر کی وہ ایجادات دوسرے مقاصد
تھیں لیکن اس نے انہیں غلط طریقہ پر رواج دینے کی کوشش کی۔"

ڈاکٹر ناصر نے بولتے بولتے تھک کر آنکھیں بند کرلیں اور وہ دونوں کچھ دیر بعد اٹھ
ہسپتال کے پھاٹک پر ڈالی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"میں آپ دونوں سے بے حد شرمندہ ہوں۔" اُس نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی
کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ابھی ابھی سپرنٹنڈنٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ کون
خدا کے لئے مجھے معاف کردیجئے۔ میں نے بہت بدتمیزیاں کی ہیں۔"

"اوہ...... اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "بہرحال یہ تمہارا کیس ہے۔ شام
ریڈ ہوٹل میں آکر مکمل رپورٹ لے جانا۔ ہاں ناگری کا کیا رہا۔"

"اس نے اعتراف جرم کرلیا ہے جناب۔ اب زوبیا کو تار دیا گیا ہے کہ وہ قائم آباد پہنچ جائے۔
لڈہ کی پولیس سے بھی استدعا کی گئی ہے کہ زوبیا کو یہاں تک پہنچنے میں مدد دی جائے۔"

حمید بے حد سنجیدہ ہوگیا تھا اور اب اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

"آپ کو تو میں نے بہت کچھ کہا ہے کیپٹن۔" ڈالی نے اُسے مخاطب کیا۔

"کیا آپ مجھے معاف کردیں گے؟"

"دو چار دن اس پر غور کرنے کے بعد۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا۔

پھر ڈالی ہسپتال چلی گئی اور وہ سڑک پر آگئے۔

"اب میں بُری طرح تنگ آگیا ہوں، اپنے محکمے سے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔
یعنی کہ اب کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہونے پر سب سے پہلے یہ پوچھنا پڑے گا کہ اس کا تعلق
سراغ رسانی سے تو نہیں ہے...... خدا کی مار......؟"

ختم شد

پیشرس

"پُر اسرار موجد" اپنے نام ہی کی طرح پُر اسرار ہے۔ اس کی سب سے اہم
[اہ]میت یہی ہے کہ ابتداء سے انتہا تک یہ پتہ نہیں چل پاتا کہ مجرم کون ہے؟ اور
[ناو]ل کے برعکس اس میں کوئی گروہ نہیں ہے، بلکہ مجرم ایک ہی ہے! وہ اتنا ہوشیار ہے
[کہ]جب فریدی اس پر ہاتھ ڈالتا ہے تو ذہن کو یک بارگی جھٹکا لگتا ہے۔ ابن صفی کی دیگر
[کہا]نیوں میں بھی یہ خوبی پائی جاتی ہے مگر اس کہانی میں ایک نئے حسن کے ساتھ ہے۔
جاسوسی کہانیوں کے برعکس اس میں "جسمانی مشقت" کم ہے یعنی مار پیٹ گھونسے
[با]ل اور دندان شکن سوال و جواب وغیرہ اس کے بجائے ذہنی ورزش سائنٹیفک طریقہ
[تحقیق]ات، کرید، چھان بین پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی بناء پر پُر اسرار موجد کی کہانی
[ہما]ری روزانہ زندگی میں ہونے والے بہت سے جرائم سے ملتی جلتی ہے۔

حمید اس بار بھی بہت چاک و چوبند نظر آتا ہے۔ "بکرائیت" کی تبلیغ اور برخوردار
[قاسم] خاں کا ساتھ اس کے ذہن کی منجمد تہیں کھول دیتا ہے اور ہم بے اختیار قہقہہ لگانے
[پر مجبو]ر ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ مجھے جو بات سب سے زیادہ پسند
[آئی] ہے وہ صوفیہ نجمی کا کردار ہے۔

ابن صفی عظیم ناول نگار ہونے کے ساتھ بہت بڑے ماہر نفسیات ہیں۔ انہوں نے
[بے شما]ر نفسیاتی شہ پارے تخلیق کئے ہیں۔ ان کے نام کہاں تک گنواؤں۔ یہاں صرف
[اتنا کہہ دیجئ]ے کہ صوفیہ کا کردار ان کرداروں میں ایک درخشندہ ستارے کی حیثیت رکھتا
[ہے]۔ "اس کی معصومیت اور اس کی گھبراہٹ" باپ سے اس کی محبت ان انسانی
[قدر]یات کو ظاہر کرتی ہے جن سے انسانیت عبارت ہے۔ اس کی ماں کا کردار، جو
[اس ک]ا تضاد ہے۔ بڑی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے۔

پبلشر

جاسوسی دنیا نمبر 66

پُر اسرار موجد

(مکمل ناول)

لاش

کیپٹن حمید نے ٹائی کی گرہ درست کرنے کے بعد آئینے پر الوداعی نظر ڈالی اور دروا
کی طرف بڑھا۔ اتوار کی صبح تھی اور فریدی بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اس کی واپسی ۔
ہی کھسک جانا مناسب تھا۔

ایک قدم کمرے میں تھا اور دوسرا دروازے سے باہر کہ فون کی گھنٹی بجی۔

حمید جھلاہٹ میں سلیپر اٹھا کر فون کی طرف دوڑا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اگر کہیں
وقت اُلو کی آواز سنائی دے، بلی راستہ کاٹ جائے یا فون کی گھنٹی بج اٹھے تو اس کا مطلہ
نحوست۔ یعنی پھر کہیں جانے کا ارادہ ہرگز پورا نہیں ہو سکتا۔

"ہالو......!" وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

"میں رمیش ہوں......حمید بھائی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تم لنکا کے راون ہو......خدا تمہیں غارت کرے۔"

"خواہ مخواہ مجھے تاؤ نہ دکھاؤ۔ میں نے کرنل صاحب کے حکم کے مطابق آپ کو فون کیا

"مگر کیوں کیا ہے۔"

"یہاں سینٹ جوزف کالونی میں ایک کیس ہو گیا ہے۔"

"یہ اتوار کو کیس کیوں ہوا کرتے ہیں۔ کیا کوئی مجھے بتائے گا۔" حمید دانت پیس کر

"پتہ نوٹ کرو اور کرنل صاحب کے حکم کے مطابق یہاں پہنچ جاؤ......نمبر ۳۲۱ سینٹ
کالونی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور کو کریڈل
لتے ہوئے اپنے مقدر کو دو چار سلواتیں سنائیں اور......اور پھر اب اس کے علاوہ چارہ
ا تھا کہ وہ سینٹ جوزف کالونی کی طرف روانہ ہو جاتا۔ ویسے اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ
ے سیدھا "خاموش کالونی" کی طرف دوڑتا چلا جائے۔ لیکن اس نے چپ چاپ موٹر
اٹھائی اور سینٹ جوزف کالونی کی طرف روانہ ہو گیا۔

"اتواری کیسوں سے اسے بڑی نفرت تھی۔ وہ دل ہی دل میں جھلتا ہوا راستہ طے کرتا
بھی پچھلی ہی رات کو وہ فریدی کے ساتھ اس کے بعض فائلوں میں دو بجے تک سر کھپاتا رہا
ض کاغذات کو دوبارہ ترتیب دینے میں بہت وقت خراب ہوا تھا۔ خدا خدا کر کے ڈھائی
ا نصیب ہوا تو صبح تفریح کے بجائے یہ مصیبت......گویا یہ کیس اتوار کے انتظار میں
لگائے بیٹھے ہی رہا کرتے ہیں۔

حمید نے لفظ کیس پر سات بار لعنت بھیجی، لیکن موٹر سائیکل دوڑتی ہی رہی۔ کیس پر لعنت بھیجنے
نہ تو موٹر سائیکل ہی رک سکتی تھی اور نہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ جوزف کالونی کا راستہ بھول جاتا۔

آخر کار وہ وہاں پہنچ ہی گیا وہ مکان بھی تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی جس کا نمبر
فون پر بتایا گیا تھا۔ باہر چار کانسٹیبل موجود تھے۔ دو پولیس کاریں کھڑی تھیں اور تیسری
ڑی کی لنکن تھی۔

کانسٹیبل اُسے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئے اور وہ ایک کانسٹیبل کی رہنمائی میں موقعہ
دات کی طرف روانہ ہو گیا۔ عمارت خاصی بڑی تھی اور ساز و سامان کے اعتبار سے اس کا مکین
ی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

وہ کئی راہداریوں سے گزرتا ہوا ایسی جگہ پر پہنچا جہاں دو تین سب انسپکٹر موجود تھے ایک
عمر کی یوریشین عورت اور ایک نوجوان لڑکی بھی تھی۔ وہ سب خاموش تھے۔

ایک سب انسپکٹر نے ایک کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

حمید اندر آیا لیکن کمرے کا منظر اتنا متاثر کن تھا کہ وہ سناٹے میں آ گیا۔ وہ سب دیکھ سکتا تھا لیکن خوبصورت لڑکیوں کی لاشیں اس سے نہیں دیکھی جاتی تھیں۔

اور وہ لاش تو یقیناً دل ہلا دینے والی تھی۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس سال ر ہوگی۔ ایک نازک سی یوریشین لڑکی جس کے خدوخال موت کے بعد بھی دلآویز تھے۔ اس کی دا کنپٹی سے خون بہہ بہہ کر فرش پر پھیل گیا تھا اور آنکھیں کھلی ہوئی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھیانک خواب دیکھ کر جاگ پڑی ہو اور اعصابی اختلال نے پلکیں جھپکانے سے باز رکھا ہو۔

داہنے ہاتھ کے قریب ایک ریوالور پڑا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں اور کسی قسم کی نہیں نظر آئی۔ ساری چیزیں قاعدے سے اپنی جگہوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ کمرہ غالباً خوا کی حیثیت سے استعمال ہوتا رہا تھا۔ یہاں کے سازوسامان سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔

محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر پوشیدہ نشانات کے چکر میں تھے اور کرنل فریدی ا شیشے سمیت ایک میز پر جھکا ہوا تھا۔ حمید کی آہٹ پر وہ چونک کر مڑا اور پھر میز پر جھک گیا۔

حمید لاش کے قریب آیا۔ جھک کر گولی کا زخم دیکھا اور پھر کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھ

"قتل......!" اس نے فریدی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے پوچھا۔

"فی الحال خودکشی ہی سمجھو۔"

"یعنی قتل بھی ہو سکتا ہے۔"

"شاید......!" فریدی کی آنکھوں سے بے یقینی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ سید ہو کر فوٹو گرافروں کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اس میز پر بھی پاؤڈر ڈالو۔"

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کیمرے کی شکل کی ایک چھوٹی سی مشین کا بٹن دبایا ج ایک سوراخ سے بھورے رنگ کا غبار نکل کر میز کی سطح پر منتشر ہونے لگا۔ فریدی نے اُ اور مطمئن ہو کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔ فوٹو گرافر میز کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فریدی نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ دونوں ایک خالی کمرے میں جا

"یہ......!" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "پروفیسر نجمی کا مکان ہے۔ کیا تم نے بھی یہ نام سنا ہے۔"

"نہیں......!"

"نہ سنا ہوگا۔ بہرحال یہ اپنی ایجادات کے خبط کی بناء پر تھوڑی بہت شہرت بھی رکھتا مرنے والی اس کی سیکریٹری تھی۔ آج صبح اس کی لاش نجمی کی بیوی نے دریافت کی۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "واضح رہے کہ اس کی بیوی سے اس کے ات اچھے نہیں ہیں اور وہ اسکے ساتھ نہیں رہتی۔ آج صبح وہ اس سے جھگڑا کرنے تھی۔"

"کس سے۔"

"پروفیسر سے......اس نے باہر کا دروازہ کھلا پایا اور بے دریغ اندر گھستی چلی آئی۔ یہ حال اس کے شوہر کا مکان ہے۔ دونوں کے تعلقات خواہ کیسے ہی ہوں اس نے اندر کچھ اس م کا سناٹا محسوس کیا جیسے یہاں کوئی موجود نہ ہو۔ وہ مختلف کمروں میں اپنے شوہر کی تلاش کرتی رہی تھی۔ اچانک اس کمرے میں اس نے لڑکی کی لاش دیکھی۔ اس کے بعد بھی اس نے فیسر نجمی کی تلاش کا سلسلہ جاری رکھا لیکن وہ کہیں نہ مل سکا۔"

"نوکر بھی موجود نہیں تھے۔"

"نہیں......وہ تو اس وقت آئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ وہ صرف دن کو یہاں رہتے یں۔ رات کیلئے ان کی چھٹی ہوتی ہے اور وہ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ پروفیسر کی بیوی نے یہیں سے فون پر اس حادثے کی اطلاع پولیس کو دی اور پھر اس وقت سے وہ یہیں ہے۔"

"وہ عورت تو نہیں، جو باہر ملی تھی۔"

"ہاں......وہی!"

"وہ تو یوریشین ہے اور اس کے ساتھ ایک یوریشین لڑکی بھی تھی۔"

"وہ نجمی کی بیوی ہے اور دوسری اس کی لڑکی۔ لڑکی نجمی ہی سے ہے۔"

"اوہ......! تو یہ نجمی کوئی بوڑھا آدمی ہے۔"

"ہاں...... غالباً۔"

"کیا آپ ذاتی طور پر اسے نہیں جانتے۔"

"نہیں۔"

"وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"اوہ......!" حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "میں نے ابھی تک ٹھیک سے اس عورت کا نہیں لیا۔ تم اسے یہاں بلاؤ۔"

حمید اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھاری بھرکم یوریشین عورت کمرے میں داخل ہو

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

عورت بیٹھ گئی۔ موٹاپے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی اور آنکھیں بھوکی بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

فریدی نے عورت سے پوچھا۔ "کیا صاحبزادی بھی آپ کے ساتھ تھیں جب آپ لاش......!" وہ کہتے کہتے قصداً رک گیا۔

"نہیں جناب۔" عورت اپنے چہرے پر رومال جھلتی ہوئی بولی۔ "میں تنہا تھی۔ پولیس فون کر دینے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اب میں اس وقت تک یہاں سے ہل بھی نہیں سکتی تک پولیس نہ آ جائے۔ لہٰذا میں نے اُسے بھی فون کر کے یہیں بلا لیا۔"

"آپ کا قیام اور کہیں ہے۔"

"ہم ہوٹل ڈی فرانس میں مقیم ہیں۔" عورت نے جواب دیا۔

"مستقل طور پر۔"

"جی نہیں! ہم پچھلی رات نصیر آباد سے آئے تھے۔ مستقل قیام وہیں ہے۔"

"اوہ...... اچھا...... کیا آپ بتا سکیں گی کہ نجمی صاحب کہاں ہیں۔"

"میں کیا بتا سکوں گی۔ یہ بات تو آپ کو نوکروں سے معلوم ہو سکتی ہے۔"

"آپ نے پوچھا۔"

"نہیں۔"

"آپ کو پوچھنا چاہئے تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا یہ فعل غیر فطری نہ ہوتا۔"

"جی ہاں...... قطعی فطری ہوتا لیکن ایسے حالات میں احتیاط بھی ضروری ہے۔ میں زیادہ ٹوہ کر کے پولیس کو اس بات کا موقعہ نہیں دینا چاہتی کہ وہ مجھ پر ہی شبہ کرنے لگے۔"

"آپ پر کیوں؟" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"دنیا جانتی ہے کہ ہماری ناچاقی کے اسباب کیا ہیں۔"

"پھر شاید میں دنیا میں نہیں ہوں۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"اوہ...... دیکھئے...... ہم دونوں کے صرف تعلقات خراب ہیں۔ ہم نے قانونی طور پر دگی اختیار نہیں کی، لہٰذا میں پروفیسر کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہتی۔"

"ایسے کسی موقع پر بھی آپ اپنی زبان بند رکھیں گی۔ مجھے حیرت ہے۔"

عورت کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔ "فرض کیجئے! پولیس آپ پر شبہ کرنے لگے تو۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں۔" عورت نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"آپ نصیر آباد سے کیوں آئی تھیں۔"

"یہ ایک بالکل نجی معاملہ ہے لہٰذا......!"

فریدی اس کے جواب کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ نجمی صاحب کی سیکریٹری کو آپ شبہے کی نظر سے دیکھتی رہی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ پچھلی رات کو یہاں آئی ہوں...... اور...... پھر صبح بھی آئی ہوں۔"

عورت کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی تھی ہماری ناچاقی کے اسباب سے پولیس بھی واقف ہو گی۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ میں نے اُسے قتل نہیں کیا۔ میرے خدا قتل؟ میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''میرے تعلقات اسی بناء پر خراب ہو گئے ہیں کہ
آوارہ عورتوں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ خوبصورت لڑکیاں رکھتا ہے۔ اب یہی لڑکی جو اِن کی
گریجویٹ تھی۔ سائنسی تحقیقات کے سلسلے میں اس کی کیا مدد کر سکتی ہو گی۔''
''اوہ، تو آپ اسی لڑکی کے سلسلے میں پروفیسر سے جھگڑا کرنے آئی تھیں۔''
''یہ قطعی غلط ہے۔ میں اس سے یہ کہنے آئی تھی کہ اگر ہم ساتھ نہیں رہ سکتے تو پھر قا
طور پر ہی علیحدگی کیوں نہ ہو جائے۔''
''لیکن جب آپ یہاں آئیں تو سیکریٹری سے آپ کا جھگڑا ہو گیا۔'' فریدی نے کہا
''اوہ میرے خدا۔'' عورت آنکھیں بند کر کے اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔ ''کیا آ
سچ مچ مجھے پھانسی دلوانا چاہتے ہیں۔''
''جھگڑا نہیں ہوا تھا آپ کا اس سے۔''
''ہرگز نہیں...... میں نے پچھلی رات اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔ آپ ہوٹل ڈی فر
سے معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم نے پچھلی رات وہیں گزاری تھی۔ البتہ میں بہت سویرے یہاں
لئے روانہ ہو گئی تھی۔ خیال یہ تھا کہ پروفیسر سے ملاقات ہو جائے۔''
''یہ لڑکی ان کے پاس کب سے تھی۔''
''شاید پچھلے سال سے۔''
''کیا آپ کسی ایسے آدمی سے بھی واقف ہیں جو اس لڑکی کو کسی بناء پر قتل کر سکتا ہو۔''
''یوں تو خود...... پروفیسر...... اوہ...... نہیں دیکھئے مسٹر۔ میری ذہنی حالت اس
ٹھیک نہیں ہے۔''
''کوئی بات نہیں۔ آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہیں صاف صاف کہئے اس سے صحیح نتا
پکڑنے میں مدد ملتی ہے۔ ضروری نہیں کہ پروفیسر نے اسے قتل ہی کر دیا ہو، لیکن
ہر زاویئے سے اس کیس پر نظر ڈالنی پڑے گی۔''
''نجمی......!'' عورت نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں
وہ ایک عورت سے بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ خود میری موجودگی میں نہ جانے کتنی عورتوں
کے مراسم رہے اور ختم ہو گئے۔''
''تو وہ اتنا ہی اکتا سکتا ہے کہ اپنی کسی داشتہ کو قتل کر دے۔''
''اسکا جواب تو وہی دے سکے گا۔'' عورت نے بیزاری سے کہا۔ ''میں کیا بتا سکتی ہوں۔''
''اچھا شکریہ۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔'' فریدی نے کہا اور حمید کی
متوجہ ہو گیا۔ لیکن عورت دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچی تھی کہ وہ اسے روک کر بولا۔
''پولیس کو اطلاع دیئے بغیر اس شہر سے باہر نہیں جا سکیں گی۔''
''کب تک۔'' عورت جھلا کر مڑی۔
''جب تک پولیس اس کی ضرورت سمجھے۔''
''میں یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہر سکتی۔''
''مجبوری ہے محترمہ۔'' فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ ''کسی ایک نوکر کو بلاؤ۔''
عورت فرش پر پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔
''اس کی لڑکی کو کیوں نہ لاؤں۔'' حمید نے تجویز پیش کی۔
''جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔''
حمید چپ چاپ باہر کو چلا آیا اور پھر ایک نوکر کے ساتھ واپسی ہوئی۔
فریدی نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ ملازمت کی مدت معلوم کی اور پھر پروفیسر نجمی کے
سوال کر بیٹھا۔
''وہ تو دو ماہ سے یہاں نہیں ہیں جناب۔''
''کہاں ہیں۔''
''ہمیں پتہ نہیں...... مس صاحب کو معلوم ہوگا۔''
''کون مس صاحب۔''

"وہی جن کی لاش......!" نوکر کی آواز بھرا گئی۔

"یہ سیکریٹری یہاں رات رہتی تھی۔"

"جی ہاں جناب! صاحب کی موجودگی میں سب کچھ مس صاحبہ کی نگرانی میں رہتا تھا۔"

"پچھلی رات تم کس وقت یہاں سے گئے تھے۔"

"نو بجے۔"

"اس وقت سیکریٹری کیا کر رہی تھی۔"

"پیانو بجا رہی تھیں۔"

"اور کون تھا اس کے ساتھ۔"

"کوئی بھی نہیں......وہ تنہا تھیں۔"

"اس کے مرد دوست بھی یہاں آتے رہے ہوں گے۔"

"میں نے آج تک کسی کو بھی نہیں دیکھا۔" نوکر نے جواب دیا۔ "وہ خود بھی بہت کم جاتی تھیں۔"

"تم میں سے کس کو زیادہ پسند کرتی تھی۔"

"جج......جی......!" نوکر ہکلا کر رہ گیا۔ "وہ فریدی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔"

"مطلب یہ کہ وہ کس پر سب سے زیادہ اعتماد کرتی تھی۔"

نوکر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "یہ بتانا بہت دشوار ہے۔"

"پروفیسر نجمی کس ملازم پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔"

"ارشاد پر جناب۔"

"کیا وہ یہاں موجود ہے۔"

"جی ہاں!"

"ارشاد کو بلاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا اور نوکر سے بولا۔ "تم جا سکتے ہو۔"

کچھ دیر بعد ارشاد وہاں موجود تھا۔

فریدی نے سب سے پہلے پروفیسر نجمی ہی کے متعلق سوال کیا لیکن اس نے بھی وہی جواب دیا جو اسے اس سے پہلے بھی مل چکا تھا۔ یعنی تقریباً دو ماہ سے پروفیسر غائب تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم بھی پروفیسر کے متعلق واضح طور پر کچھ نہیں بتا سکتے۔ جبکہ تمہارے بارے میں سنا جاتا ہے کہ تم پروفیسر کے نجی معاملات میں بھی دخیل ہو۔"

"یہ درست ہے جناب مگر انہوں نے مجھ سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔"

"روانگی کے وقت تم موجود تھے۔"

"نہیں جناب! وہ رات کو کسی وقت گئے تھے دوسرے دن مجھے مس صاحب سے معلوم ہوا کہ صاحب کہیں باہر گئے ہیں، لیکن شاید مس صاحبہ کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں کے لئے گئے ہوئے ہیں۔"

"پچھلی رات تم کس وقت یہاں سے گئے تھے۔"

"میں سب کے بعد گیا تھا۔ وقت شاید......شاید دس بج رہے ہوں گے۔"

"اچھا تو وہ تمہارے سامنے ہی گیا تھا۔"

"کون جناب۔" نوکر نے حیرت سے پوچھا۔

"سیکریٹری کا دوست......؟"

"نہیں جناب! میری موجودگی میں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ مس صاحب تنہا تھیں۔"

"اچھی طرح یاد کرو۔"

"اچھی طرح یاد ہے جناب۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ان کا دوست نہیں تھا یا پھر میں ہی کسی آدمی سے واقف نہ ہوں گا جسے ان کا دوست کہہ سکوں۔"

"کیا وہ یہاں رات کو تنہا رہتی تھی۔"

"جی ہاں!"

"اب میں جو کچھ پوچھنے جا رہا ہوں اس کا جواب سوچ سمجھ کر دینا۔" فریدی نے اس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا وہ صرف سیکریٹری تھی۔''

نوکر نے جواب میں کچھ کہنا چاہا مگر پھر ہونٹ بند کر لئے اور فریدی بولا۔ ''ہاں اچھی طرح سوچ لو۔''

مگر وہ صرف سوچتا ہی رہا۔ زبان نہیں کھولی۔

''کتنی دیر تک سوچو گے۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''میں اس سوال کا کیا جواب دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا...... حضور۔''

''کیا وہ صرف سیکریٹری تھی۔'' فریدی نے پھر سوال کیا۔

''اس کا جواب...... صاحب ہی دے سکیں گے۔''

''پولیس تمہیں جواب کے لئے مجبور بھی کر سکتی ہے۔''

''جی نہیں...... وہ صرف سیکریٹری نہیں تھیں۔''

''تمہیں اچھی طرح علم ہے۔''

''جی ہاں۔''

''کیا پروفیسر کی روانگی سے قبل دونوں میں جھگڑا ہوا تھا۔''

''مجھے علم نہیں ہے جناب...... ویسے صاحب جھگڑالو آدمی نہیں ہیں اور نہ میں نے صاحب ہی کو غصے میں دیکھا ہے۔''

''پروفیسر کہاں ہے...... تم یہ بھی جانتے ہو؟''

''نہیں حضور مجھے علم نہیں ہے۔ ممکن ہے صاحب کے وکیل کو علم ہو۔''

''وکیل...... وکیل کون ہے۔''

''تنویر صمدانی۔''

''پتہ......!''

''اٹھارہ گرین اسکوائر......!''

حمید نے نوٹ بک میں پتہ نوٹ کر لیا۔

نمبر 20

فریدی نے کرسی کی پشت سے ٹک کر سگار سلگایا اور نوکر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''تم جا سکتے ہو۔''

پھر فریدی نے فرداً فرداً دوسرے نوکروں سے بھی سوالات کئے لیکن ان سے بھی کوئی نئی بات نہ معلوم ہو سکی۔ وہ چند لمحے سگار کے کش لیتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ''اگر یہاں ٹیلی فون ڈائریکٹری مل سکے تو تنویر صمدانی کے نمبر تلاش کرو۔''

حمید کمرے سے نکل آیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری اُسے جلد ہی مل گئی لیکن تنویر صمدانی کے نمبر تلاش کرنے میں ضرور دشواری پیش آئی کیونکہ نمبر تنویر صمدانی کے نام سے نہیں تھے بلکہ فرم کے تھے۔ بہر حال وہ آدھے گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے بعد اس میں کامیاب ہو سکا۔ اس نے فریدی کو اطلاع دی اور فریدی پھر لاش والے کمرے میں واپس آ گیا کیونکہ فون یہیں تھا۔ لاش اٹھوائی جا چکی تھی لیکن فرش پر خون کے دھبے اب بھی باقی تھے۔ اس نے تنویر صمدانی کے نمبر ڈائیل کئے۔ کال خود اسی نے ریسیو کی۔ فریدی نے پوچھا۔ ''آپ پروفیسر نجمی کے قانونی مشیر ہیں۔''

''جی ہاں...... آپ کون صاحب ہیں۔''

''میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر کرنل فریدی ہوں۔''

''اوہ...... کرنل صاحب...... فرمایئے...... فرمایئے۔''

''میں پروفیسر نجمی کی قیامگاہ سے بول رہا ہوں۔ یہاں اسکی سیکریٹری کی لاش پائی گئی ہے۔''

''نہیں......!'' تنویر متحیرانہ انداز میں چیخا۔ ''سیکریٹری کی لاش۔''

''آپ فوراً یہاں تشریف لایئے۔'' فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ پھر تجسس آمیز نظریں چاروں طرف ڈال رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی جس کا ایک گوشہ فون کے نیچے دبا ہوا تھا۔ شاید دوسرے اس کاغذ کے ٹکڑے کو نظر انداز کر دیتے کیونکہ اس پر کچھ نمبر درج تھے۔ ممکن ہے فون کے ہی نمبر رہے ہوں۔ لیکن فریدی انہیں ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ انہیں دیکھ کر کسی الجھن میں پڑ گیا ہو۔

بالآخر اس نے پھر ریسیور اٹھا لیا اور انکوائری کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً

ہی جواب ملا۔ فریدی نے بتایا کہ وہ کون ہے۔ پھر اس نے کاغذ پر لکھے ہوئے نمبر دہ
ہوئے کہا۔ ''مجھے ان نمبروں کے نمبر اور پتے درکار ہیں۔''

''آپ کس نمبر کے فون سے گفتگو کر رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

فریدی نے نیچے جھک کر پروفیسر کے نجمی کے نمبر دیکھے اور آپریٹر کو بتاتا ہوا بولا ''ا
پر مجھے آگاہ کیا جائے۔''

''پندرہ منٹ ضرور صرف ہوں گے جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل میں رکھ دیا۔

''خدا کے لئے اُسے خودکشی ہی رہنے دیجئے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''کیوں......؟''

''اتنی خوبصورت لڑکی کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔''

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے صرف بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کا
پنسل سنبھال لیا۔ اس نے بڑی تیزی سے پانچ نام اور پتے نوٹ کئے۔

موجد کی کہانی

ایک نوکر نے تنویر صدانی کی آمد کا اعلان کیا۔ وہ ایک دراز قد اور دُبلا پتلا آدمی تھا۔
داڑھی مونچھوں سے بے نیاز اور سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ صرف نچلے حصے
نشیب میں تھوڑے سے بال تھے۔ جنہیں بڑی احتیاط سے گدی پر جما لیا گیا تھا۔

''غالباً ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں۔'' فریدی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے
مسکرا کر کہا۔

''یقیناً...... یقیناً......!'' وہ اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''لیکن یہ واقعہ...... ڈوروتھی کی
میرے خدا...... یقین نہیں آتا...... لاش کہاں ہے۔''

''ہٹوادی گئی ہے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''قتل......!'' وہ فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

''یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا۔'' فریدی نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ بھی نہیں کہا جاسکتا
ت کے اسباب قدرتی ہوں گے کیونکہ اس کی کنپٹی میں ایک سوراخ ہے اور فرش پر
پاس ہی ایک ریوالور پڑا ہوا ملا ہے۔''

''مگر اُسے کس نے قتل کیا۔'' تنویر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ بڑی نیک لڑکی تھی کرنل
ب، خاموش اور سنجیدہ۔ ایسی نہیں تھی کہ اسکے قتل کا محرک کسی کا انتقامی جذبہ قرار دیا جاسکے۔''

''ہوسکتا ہے۔ اس نے خودکشی کی ہو۔'' فریدی بولا۔ ''مگر ٹھہریئے! میں فی الحال اس
یں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجھے تو دراصل پروفیسر نجمی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔''

''اوہ......!'' دفعتاً تنویر کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آنے لگے پھر اس نے
ل پر زبان پھیر کر پوچھا۔ ''کس قسم کی معلومات......!''

''وہ کہاں ہے! مجھے اس کا موجودہ پتہ چاہئے۔''

''اوہ...... پتہ...... دیکھئے...... میرے خدا مجھے کیا کرنا چاہئے۔'' تنویر اسی طرح بڑبڑایا
خود سے مخاطب ہو۔

''ہاں...... یہ بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کو اس کا موجودہ پتہ معلوم ہو تو براہِ کرم قانون
امداد فرمایئے۔''

''میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔'' تنویر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ وہ بُری طرح نروس نظر
نے لگا تھا۔

''کیوں آپ کیوں الجھن میں پڑ گئے۔'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

''دیکھئے...... آپ جانتے ہیں کہ بزنس کا معاملہ کتنا نازک ہوتا ہے۔''

''میں صرف قانون جانتا ہوں۔ بزنس کے نازک مسائل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں
ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''پانچ منٹ......!'' تنویر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے صرف پانچ منٹ دیجئے سوچنے کے لئے''

''آپ دس منٹ تک سوچئے لیکن میں آپ کے صرف اسی فیصلے کی قدر کرسکوں گا
آپ ہر حال میں قانون کی مدد کریں گے۔''

''میں قانون اور اس کی اہمیت سے واقف ہوں۔'' اس کے لہجے میں بھی تلخی کی
جھلک پائی گئی۔

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اشارے سے اسے روک دیا۔
تنویر نے کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور آہستہ سے بولا۔ ''واقعی مجھے بتا دینا چاہئے۔ جب
حالات ایسے ہوں تو......!'' وہ پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید کو پھر اس پر غصہ آ گیا۔ اسے اس کی یہ حرکت کھل رہی تھی کہ وہ خواہ مخواہ اس گفتگو کو
طول دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

''آپ وقت برباد کر رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''ٹھہرئیے جناب!'' تنویر آہستہ سے بولا۔ ''میں جس پوزیشن میں ہوں وہ......!''

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ تو جھلا
کے آثار تھے اور نہ الجھن کے۔ اس نے حمید کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی زبان بالکل بند رکھے۔

وہ تھوڑی دیر سر جھکائے کھڑا رہا پھر فریدی کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی
بولا۔ ''نجمی صاحب کی ہدایت تھی کہ ان کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔ وہ کچھ دن گھر سے
رہنا چاہتے ہیں...... کیوں؟ یہ میں بتاؤں یا نہ بتاؤں۔''

''وہ ہے کہاں؟'' فریدی نے پوچھا۔

''دیکھئے ٹھہرئیے میں بتاتا ہوں۔'' تنویر اس انداز میں دیکھنے لگا جیسے بیٹھنے کے لئے
مناسب جگہ تلاش کر رہا ہو...... یہ واردات ہی والا کمرہ تھا۔

''آئیے میرے ساتھ۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ بہت زیادہ تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔''

''جی ہاں...... میں کئی دنوں سے علیل ہوں۔''

وہ اسی کمرے میں آئے جہاں فریدی نے نجمی کی بیوی وغیرہ سے گفتگو کی تھی۔
تنویر بیٹھ گیا۔ حمید پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ میں بھرنے لگا۔

تنویر نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''ان کے خطوط روپ نگر سے آتے ہیں جنکے جواب میں روپ
ے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے بھجواتا ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ انکا قیام کہاں ہے۔''

''اتنی راز داری۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''پھر خط و کتابت ہی کرنیکی کیا ضرورت ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ مجبوراً خط و کتابت کرتے ہیں ورنہ شاید مجھے بھی اطلاع نہ ہوتی کہ
انے کس لئے روپوشی اختیار کی ہے۔''

''مجبوری کیسی......!''

''وہ اپنے ساتھ زیادہ رقم نہیں رکھ سکتے لہٰذا ان کے چیک میرے پاس آتے ہیں اور
ہیں کیش کرا کے رقم روپ نگر کے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے انہیں بھیج دیتا ہوں۔''

''اوہ...... مگر انہوں نے روپوشی کیوں اختیار کی ہے۔''

''یہی تو ایک مصیبت ہے۔'' تنویر ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ ''ان کی ہدایت ہے کہ
کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔''

''خدارا اسے اپنی ہی حد تک رکھئے گا۔'' اس نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے فریدی سے کہا۔

''آپ بہت دیر کر رہے ہیں۔'' فریدی بولا۔

''آپ جانتے ہی ہوں گے کہ نجمی صاحب موجد ہیں۔ اب تک انہوں نے بہتیری چھوٹی
ئی ایجادات کی ہیں۔ آج کل بھی وہ ایک نئی ایجاد...... کی فکر میں ہیں لیکن......!''

''خدا کے لئے مجھے ''لیکنوں'' کی تعداد پہلے سے نوٹ کرا دیجئے۔'' حمید بول پڑا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

''میں مجبور ہوں۔ اس سلسلے میں میری زبان نہیں کھلتی۔'' تنویر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"براہِ کرم گفتگو کو مختصر کیجئے۔" اس بار فریدی نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا۔

"آپ نے کیپٹن برجیس قدر کا نام سنا ہوگا۔" تنویر اس کے لہجے سے متاثر ہو
بولا۔ "میں مجبوراً آپ کو سب کچھ بتا رہا ہوں۔ ورنہ یہ میرے ایک مؤکل کا راز ہے۔ میر
اگر آپ ہوتے تو آپ کا بھی یہی رویہ ہوتا۔ ہاں تو یہ برجیس بھی بہترین چھوٹی موٹی چیز
موجد ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے پروفیسر نجمی اور کیپٹن برجیس قدر مشترکہ طور پر کام
تھے۔ لیکن ایک بار برجیس قدر نے بے ایمانی کی اس نے پروفیسر کی ایجاد چوری سے ا
پیٹنٹ کرالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طویل جھگڑے کے بعد دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ لیکن
قدر نے پروفیسر کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ایک بار وہ تنہا ایک مشین کے سلسلے میں کچھ نئے ت
کر رہے تھے۔ مشین کا ڈھانچہ مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن ایک رات پروفیسر کی وہ مشین چرالی
پھر کچھ ہی دن بعد تھوڑی سی تبدیلیوں کے ساتھ اسے برجیس قدر کے نام سے پیٹنٹ
سنا گیا اور پھر جلد ہی وہ بازار میں فروخت کے لئے بھی آ گئی۔ اب آپ خود ہی فیصلہ
ایسا مظلوم ایسے اوقات میں روپوشی کے علاوہ اور کس چیز کا سہارا لے گا۔"

"پروفیسر نے اس کے خلاف قانونی کارروائی کیوں نہیں کی۔" حمید نے کہا۔

"قانونی کارروائی کیونکر ممکن تھی جب کہ...... ہاں سنئے۔ پروفیسر نے چوری کی
درج کرادی تھی۔ انہوں نے اپنی مشین کے متعلق جو تفصیل دی تھی اس کے اعتبار
دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ برجیس قدر کی مشین کچھ تبدیلیوں کے ساتھ آئی تھی۔ ڈھا
شکل تو بالکل ہی بدل گئی تھی۔"

فریدی چند لمحے وکیل کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مسٹر صمدانی...... کیا
کی بیوی کا گذارہ آپ ہی کی وساطت سے ادا کیا جا رہا ہے۔"

"جی ہاں...... قطعی......!"

"کیا وہ اس دوران میں آپ سے ملتی تھی۔"

"نہیں شاید پچھلے سال ان سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"آپ کو یہ بھی نہ معلوم ہوگا کہ لاش کی اطلاع بھی مسز نجمی ہی نے پولیس کو دی تھی۔"

"کیا......!" صمدانی یک بیک کھڑا ہو گیا۔ ان کا منہ کھل گیا تھا۔ "کک...... کچھ......!"

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے کہا۔ "آپ کو ان کی موجودگی پر اتنی حیرت کیوں ہے۔"

صمدانی ہکلاتا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

"حیرت!" وکیل بُری طرح نروس نظر آنے لگا تھا۔ "حیرت...... دراصل اس بات پر
انہوں نے لاش کی اطلاع کیسے دی...... کک...... کیا...... وہ یہاں، اس گھر میں آئی
۔"

"ہاں اس کا بیان ہے کہ وہ پچھلی رات کو یہاں آئی۔ رات بھر ہوٹل ڈی فرانس میں قیام
صبح وہ اس گھر میں آئی۔ وہ نجمی سے ملنے آئی تھی۔"

"اوہ...... اچھا......!" وکیل کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ
بولا۔ "وہ...... میرا مطلب یہ ہے کہ میری موجودگی میں دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ
دوسرے سے دور رہیں گے۔ اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ معلوم تھا وہ بتا چکا ہوں۔"

"خیر...... میں آپ کو مجبور نہیں کرتا لیکن براہِ کرم پروفیسر نجمی کو بذریعہ تار مطلع کیجئے کہ
ان کی موجودگی ضروری ہے۔ اشد ضروری۔"

"میں مطلع کر دوں گا۔"

صمدانی اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی فریدی اور حمید بھی اٹھے۔ انہیں باہر جانے کے لئے اس
کمرے کے سامنے سے گزرنا پڑا جس میں واردات ہوئی تھی۔

"ایک منٹ اور مسٹر صمدانی۔" فریدی نے اُسے کمرے کے دروازے کے سامنے روکتے
ہوئے کہا۔ "کیا اس لڑکی کی خودکشی کی بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔"

وکیل چونک کر رک گیا۔

"خودکشی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "اگر ہو بھی تو مجھے کیا علم ہو سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اس لڑکی کو قریب سے جانتے تھے۔"

''اسی حد تک کہ میں نجمی صاحب کا قانونی مشیر ہوں اور وہ نجمی صاحب کی سیکریٹری تھ

''آپ اس کے کسی دوست سے بھی واقف ہیں۔''

''نہیں! میرا خیال ہے کہ وہ کوئی دوست نہیں رکھتی تھی۔ نجمی صاحب......!''

''آپ جملہ پورا نہیں کرتے، مجھے بڑی شکایت ہے۔'' حمید پھر بول پڑا۔

''جی کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں، دراصل اس حادثے نے مجھے حواس باختہ کردیا ہے

''نہ صرف حادثے نے بلکہ کچھ انہونی باتوں نے بھی۔'' فریدی اسکی طرف دیکھتا ہوا

''میں نہیں سمجھا۔''

''یہی کہ مسز نجمی صبح یہاں آئی تھی اور اس نے لاش کے بارے میں پولیس کو مطلع کیا

''ج...... جی ہاں۔''

''پھر آپ......!'' فریدی کہتے کہتے رک گیا۔ وہ صمدانی کو گھور رہا تھا۔

صمدانی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''یہاں مجھے مسز تنویر کی موجودگی الجھن میں
رہی ہے۔''

''کیوں......؟ اوہ...... آپ نقاہت محسوس کررہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم بیٹھ
کریں۔'' فریدی نے کہا اور پھر اسی کمرے کی طرف مڑ گیا جہاں سے کچھ دیر قبل اٹھا تھا۔
وہ پھر وہیں آبیٹھے۔ تنویر صمدانی کچھ توقف کے ساتھ بولا۔ ''وہ ایک انتہائی غصہ
ہے۔ غصے کی حالت میں وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتی ہے۔ ایک بار اس نے غصے ہی کی
میں پروفیسر نجمی پر گوشت کاٹنے کی چھری پھینک ماری تھی اور پروفیسر بال بال بچے تھے۔

''شکریہ۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اب آپ کام کی باتیں کررہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ مگر میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ سیکریٹری کی قاتل وہی ہیں۔''

''ضروری نہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''پروفیسر خود بھی اس سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے۔ وہ بہت چالاک عورت ہے
طور پر علیحدگی کیلئے تیار نہیں ہوتی اور برابر چیختی رہتی ہے کہ گذارے کی رقم میں اضافہ کیا جا

''ویسے پروفیسر تو اس بات کا خواہش مند ہوگا کہ وہ اس کے ساتھ رہے۔''

''ہرگز نہیں...... مسز نجمی ایک بیماری ہے۔ کون پسند کریگا کہ کوئی بیماری اس سے چمٹی رہے۔''

''ایک منٹ......!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''کیا مسز نجمی کو سیکریٹری پر بھی غصہ آسکتا ہے۔''

''کیوں نہیں۔ یقیناً آسکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ پروفیسر محض خوبصورت سیکریٹریوں کی
ے اس میں دلچسپی نہیں لیتے اور وہ کئی بار کھلے ہوئے الفاظ میں پروفیسر پر آوارگی اور
ی کا الزام لگا چکی ہے۔''

''آپ کی دانست میں پروفیسر کیسے کیریکٹر کا آدمی ہے۔''

''جیسے دنیا کے سب آدمی ہوتے ہیں۔ دنیا کے ہر آدمی کی رال خوبصورت عورتوں کے
ٹپکتی رہتی ہے۔''

''تب پھر میں دنیا ہی میں نہ ہوں گا۔'' حمید اپنی نبض ٹٹولتا ہوا بولا۔

''یہ ایک عام بات ہے کیپٹن۔ ویسے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ دنیا میں ایسے آدمی نہ
جنہیں عورت سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔''

''چلئے ٹھیک ہے...... ہاں تو پھر۔'' فریدی نے کہا۔

''پروفیسر کو بھی خوبصورت عورتوں سے دلچسپی ہے۔ مجھے اس کا علم ہے لیکن سیکریٹری سے
ے تعلقات تھے اس کا علم مجھے نہیں ہے۔''

''بہرحال مسز نجمی سیکریٹریوں کو ہمیشہ بُری نظروں سے دیکھتی رہی ہے اور یہ بھی کہتی رہی
ہے کہ آخر وہ مرد سیکریٹری کیوں نہیں رکھتے۔''

''سیکریٹری اس گھر کی مختار کل تھی؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں...... وہ اسی پر سارا گھر چھوڑ گئے تھے۔''

''عدم موجودگی کی بات نہیں کررہا ہوں۔ کیا پروفیسر کی موجودگی میں بھی اسے گھریلو
معاملات میں دخل رہتا تھا۔''

''اس کے متعلق تو ملازمین ہی بہتر بتاسکیں گے۔''

فریدی نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ اسکی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور حمید اکتایا اکتایا سا نظر آرہا تھا۔ دفعتاً تنویر صمدانی خود ہی بولا۔ ''میں نے مسز نجمی کے متعلق جو کچھ بتایا ہے اس میں ذرا برابر بھی مبالغہ نہیں ہے۔ غصے کی حالت میں اس سے دیوانوں کی سی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں۔''

''ہوں......!'' فریدی بہت غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا مسٹر صمدانی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے حتیٰ الامکان میری مدد کی اور مجھے توقع ہے کہ آپ آئندہ بھی میرا ہاتھ بٹائیں گے۔ براہِ کرم پروفیسر کو جلد از جلد حالات سے مطلع کرکے یہاں بلوایئے۔''

''میں آج ہی انہیں تار دوں گا۔'' تنویر نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید واپس ہو رہے تھے۔ تنویر جا چکا تھا۔ کار کی رفتار زیادہ نہیں تھی۔ البتہ حمید ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جرائم اور مجرموں کو گالیاں دے رہا تھا۔

فریدی خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسکی بکواس سن ہی نہ رہا ہو۔

پھر حمید خود بخود ہی آزاد ہوگیا۔ فریدی نے سول ہسپتال کے قریب کار روکی اور یہ کہہ کر اتر گیا۔ ''تم گھر جاؤ...... میں ابھی آرہا ہوں۔''

لیکن حمید نے سوچا کہ وہ گھر کیوں جائے۔ ہوٹل ڈی فرانس کیوں نہ جائے۔ جہاں پروفیسر نجمی کی بیوی اپنی لڑکی کے ساتھ مقیم تھی۔ اگر وہ تنہا مقیم ہوتی تو حمید اُسے معاف کر دیتا مگر ایسی صورت میں جبکہ وہ ایک خوبصورت لڑکی کی ماں تھی۔ حمید اس پر قاتلہ ہونے کا شبہ کرکے اس کی لڑکی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتا تھا۔

اس نے کار اسٹارٹ کی اور گھر جانے کی بجائے ہوٹل ڈی فرانس پہنچ گیا۔ آدمی قدر کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اگر تقدیر گھر پہنچانے کی بجائے کسی خوبصورت لڑکی کی طرف دھکیل دے تو وہ کیا کرسکتا ہے۔

مسز نجمی شاید اسے دور ہی سے پہچان گئی تھی۔ کیونکہ اسے دیکھتے ہی اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی حمید کو ڈائننگ ہال میں دوپہر کے کھانے کی میز پر نظر آئیں۔

ایک خالی میز پر بیٹھ کر کھانا ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔

دفعتاً مسز نجمی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہیں آجایئے نا۔''

حمید اٹھا اور شکریہ ادا کرکے اس کی میز پر جم گیا۔

''کیا آپ لنچ کر چکے ہیں۔'' مسز نجمی نے پوچھا۔

''جی ہاں شکریہ۔'' حمید نے کنکھیوں سے اس کی لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو اب لنچ میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔

''دیکھئے مسٹر......!'' اچانک مسز نجمی نے آگے جھک کر غیر متوقع طور پر کہا۔ ''آپ خواہ مخواہ اپنا اور دوسروں کا وقت برباد کر رہے ہیں۔''

''کیوں......؟''

''مجھ پر قتل کا شبہ کرکے ثبوت کے لئے جھک مارنا وقت کی بربادی ہی ہے جبکہ تین بجے خود پروفیسر ہی گھر میں موجود تھا۔''

''کیا مطلب......؟''

''میرے پاس اس کے لئے کافی ثبوت ہے کہ پروفیسر نجمی تین بجے گھر آیا تھا۔''

حمید متحیرانہ انداز میں اسکی طرف دیکھنے لگا۔ اب وہ اسکی لڑکی میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔

قتل یا خودکشی

''ممی...... پلیز......!'' اس کی لڑکی بڑبڑائی لیکن مسز نجمی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتی رہی۔ ''مکان کی پشت پر ایک دیسی عیسائی عورت رہتی ہے اس نے پروفیسر کو پچھلی رات عقبی دروازے سے عمارت میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔''

''کیا وہ تین بجے پروفیسر کا انتظار کر رہی تھی۔'' حمید نے کہا۔

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"مطلب یہ کہ وہ تین بجے رات کو کیا کر رہی تھی کہ پروفیسر اسے اس طرح نظر آیا۔"

"یہ آپ اسی سے پوچھئے گا۔" مسز نجمی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "اس کا نام م
لاڈیل ہے۔ ہمارے مکان کی پشت پر اس کا چھوٹا سا مکان ہے۔"

"خیر ہم اسے بھی چیک کریں گے۔" حمید نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مسز ن
سر جھکائے کھاتی رہی۔ دفعتاً لڑکی نے حمید کو کچھ اشارہ کیا لیکن حمید نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا
چاہتی ہے۔ اس نے دوبارہ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس بار اس کی سمجھ
آ گیا کہ وہ کچھ کہنے کے لئے اسے وہاں روکنا چاہتی ہے۔ حمید پھر مسز نجمی کی طرف دیکھنے
جواب بھی اُسی طرح سر جھکائے کھا رہی تھی۔

"اس اطلاع پر میں آپ کا مشکور ہوں مسز نجمی...... میں دیکھ لوں گا کہ آپ کا بیان کہ
تک صحیح ہے۔"

"مسز لاڈیل سے ضرور ملئے۔"

"اوہ...... ہاں ایک بات اور...... پروفیسر کا قانونی مشیر صمدانی کیسا آدمی ہے۔"
اٹھتے اٹھتے رک گیا۔

"میں سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ کیا وہ قابل اعتماد آدمی ہے۔"

"اوہ...... تو کیا وہ آپ لوگوں کو میرے خلاف بہکانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔"

"نہیں! ابھی تک ہم اس سے ملے بھی نہیں۔" حمید نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ میرے خلاف زہر اُگلنے کی کوشش کرے کیونکہ وہ صرف مشیر قانو
نہیں بلکہ پروفیسر کا دوست بھی ہے۔ وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتا رہا ہے کہ ہم دونوں میں
طور پر علیحدگی ہو جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔" حمید نے کہا اور اٹھ گیا...... بظاہر

ت میں ہوٹل سے چلا جانا چاہتا تھا۔ وہ باہر نکل کر دوسری طرف سے ہوٹل کی اوپر والی
پر چلا گیا۔ اوپر کی گیلری میں بھی کچھ کیبن تھے جن میں سے کسی ایک میں بیٹھ کر وہ ان
پر بخوبی نظر رکھ سکتا تھا۔

لنچ ختم کر کے لڑکی اٹھ گئی۔ لیکن مسز نجمی بدستور بیٹھی رہی۔ حمید سوچنے لگا کہ وہ وہیں بیٹھے
کے پیچھے جائے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے وہیں بیٹھنا چاہئے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے لڑکی کو واپس آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا
ب تھا۔

وہ میز کے قریب آئی۔ مسز نجمی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے اس کے ہاتھ سے
لے لیا۔ شاید وہ تنہا کہیں جانے کے لئے تیار تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اٹھی اور ڈائننگ ہال
اہر نکل گئی۔ لڑکی وہیں کھڑی چاروں طرف دیکھتی رہی۔ پھر حمید نے کیبن کے پردے سے
ل کر اسے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

نیچے آ کر اس نے کہا۔ "فرمایئے...... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"میرے ساتھ آیئے۔" وہ تیزی سے ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ حمید اس کے ساتھ
لگا وہ اسے اس کمرے میں لائی جہاں ان کا قیام تھا۔

"میں نے آپ کو...... اس لئے...... روکا تھا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی اور
ش ہو گئی۔ حمید خاموش رہا۔ لڑکی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ممی بہت غصہ ور ہیں۔ غصے کی
ت میں ان کی عقل سلب ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں سمجھتیں کہ وہ کیا کر رہی ہیں یا کیا کہہ رہی
ا۔ پاپا سے ان کی لڑائی ہے اور وہ ہمیشہ ان پر خار کھاتی رہی ہیں اسلئے ابھی انہوں نے جو
و بھی کہا ہے آپ اس پر یقین نہ کیجئے گا۔"

"آپ کو پاپا سے ہمدردی ہے۔"

"کیوں نہ ہو! کیا دنیا کے کسی آدمی کو اپنے باپ سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔"

"پھر آپ ان سے علیحدہ کیوں ہو گئی ہیں۔"

"میں علیحدہ نہیں ہوئی اس کی تمام تر ذمہ داری ممی پر ہے۔ میں ان سے بہت ڈرتی ہو
اس لئے مجھے وہی کرنا پڑتا ہے جو وہ کہتی ہیں۔ انہوں نے علیحدگی اختیار کی اور مجھے بھی ا
ساتھ گھسیٹ لے گئیں۔"

"تو انہوں نے مسز لاڈیل کی جو کہانی سنائی ہے اسے میں غلط سمجھوں۔"

"ممکن ہے مسز لاڈیل کو دھوکہ ہوا ہو۔ وہ کوئی اور ہو جسے وہ پاپا سمجھ بیٹھی ہو۔"

"کیا مسز لاڈیل آپ کی ممی کی گہری دوست ہے۔"

"مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ویسے، میں اتنا جانتی ہوں کہ ممی دیسی عورتوں سے بہت نفر
کرتی ہے۔ مسز لاڈیل دیسی ہی عورت ہے۔ لہٰذا میری دانست میں اس سے دوستی کا سوال
پیدا نہیں ہوتا۔"

"شکریہ۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "آپ بہت ذہین معلوم ہوتی ہیں۔"

"کیوں......؟"

"یہ آپ کا انداز گفتگو کہتا ہے ہم لوگوں کو اپنے سوالات کے اتنے واضح جواب نہ
ملتے۔ دیکھئے سوالات کو سمجھنا اور مناسب جواب دینا بھی بڑا مشکل فن ہے۔ اسی لئے میں آپ
بہت زیادہ ذہین سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اس کے برخلاف آپ کی ممی...... مگر ہاں وہ غصہ ور ہیں
جواب دیتے وقت انہیں غصہ آ جاتا ہے اس لئے ان کے جوابات واضح نہیں ہوتے۔"

"جی ہاں...... یہی بات ہے۔ انہیں بہت شدت سے غصہ آتا ہے۔"

"اب اس سے زیادہ شدت اور کیا ہوگی کہ ایک بار انہوں نے نجمی صاحب پر چھری ک
ماری تھی۔" حمید نے کہا اور لڑکی دفعتاً زرد ہوگئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور ا
نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بدقت کہا۔ "کسی نے آپ کو غلط اطلاع دی ہے۔"

"مگر یہ اطلاع ایک بہت ہی معتبر آدمی سے ملی تھی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"یہ...... یہ...... آخر کس نے یہ بات کس سلسلے میں آپ کو بتائی تھی۔" لڑکی نے کہا۔ ا
کے چہرے کی زردی بدستور قائم تھی۔

"یونہی برسبیل تذکرہ...... کس نے بتائی تھی یہ میں نہ بتا سکوں گا۔"

لڑکی سوچنے لگی۔ پھر اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "نہیں یہ غلط ہے کسی نے آپ کو
اپر لگانے کی کوشش کی ہے۔ غالباً وہ اس قتل کو ممی کے سر منڈھنا چاہتا ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔"

"کیوں نہیں...... جب وہ غصے میں پاپا پر چھری پھینک سکتی ہے تو غصے کی ہی حالت میں
بڑی کو بھی قتل کر سکتی ہیں۔"

"آپ واقعی بے حد ذہین ہیں لیکن ہم ان لائنوں پر نہیں سوچ رہے ہیں آپ کی ممی تو
رات آپ کے ساتھ ہی رہی تھیں۔ صرف اس بناء پر انہیں قاتل تو نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ
رہیں۔ دنیا کے بہتیرے آدمی بہت زیادہ غصہ ور ہیں۔ لیکن وہ قتل تو نہیں کرتے پھرتے۔ میں
ت اتفاقاً ادھر آ نکلا تھا مقصد یہ نہیں تھا کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں سے گفتگو کی جائے۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ اس وقت اسے لڑکی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن وہ
نہیں لگا سکا وہ کس قسم کی لڑکی ہے۔

لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "آخر پاپا اس طرح کسی کو اطلاع دیئے بغیر کہاں غائب ہوگئے ہیں۔"

"پتہ نہیں۔" حمید بولا۔ پھر اس نے تھوڑے توقف سے کہا۔ "آپ میرا فون نمبر نوٹ
لیجئے ممکن ہے کبھی آپ مجھے کوئی نئی بات بتا سکیں۔"

لڑکی نے فون نمبر نوٹ کرلیا اور حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اجازت دیجئے۔"

لڑکی کے چہرے سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر حمید سے مصافحہ کیا لیکن
اسے تک چھوڑنے نہیں آئی۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں الجھنیں دیکھی تھیں۔

ہوٹل سے نکل کر اس نے ایک دوا فروش کی دوکان سے فریدی کو فون کیا۔

سب سے پہلے اس نے سول ہسپتال ہی کے نمبر ڈائیل کئے۔ فریدی اب بھی وہیں تھا
انہیں کچھ دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ پھر فریدی کی آواز سنائی دی۔

"آپ ابھی تک یہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں میں کوشش کر رہا ہوں کہ پوسٹ مارٹم جلد ہو جائے۔ کیوں کیا بات ہے۔"

"پچھلی رات پروفیسر تقریباً تین بجے اپنے مکان کی پشت پر دیکھا گیا ہے۔"

"یہ خبر کہاں سے لائے۔"

"پروفیسر کے مکان کی پشت پر کوئی مسز لاڈیل رہتی ہے اس نے دیکھا تھا۔"

"بھئی یہ اطلاع کس سے ملی ہے۔"

"پروفیسر کی بیوی سے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ ہوٹل ڈی فرانس میں مقیم ہے بس ا ملاقات ہوگئی۔"

"ہاں! اگر وہ تنہا ہوتی تو شاید اس قسم کا اتفاق کبھی نہ ہوتا۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں

"مسز لاڈیل کو میں چیک کروں۔"

"نہیں میں اسے چیک کرلوں گا۔ تم فنگر پرنٹ سیکشن کو دیکھو۔ مجھے بہت جلد رپورٹ چا

"اچھی بات ہے، لیکن اب آپ کو کہاں فون کیا جائے۔"

"تم ریکھا کو فون کر کے اس سے معلوم کرسکو گے، میں اسے اپنے متعلق اطلاع دیتا ہوں

"یہ خدمت آپ نے کسی مرد کے سپرد کیوں نہیں کی۔"

لیکن فریدی نے اس کا جواب دیئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید دوا فروش کی دوکان سے نکل کر آفس کی طرف روانہ ہوگیا۔ فریدی کا مقصد شا تھا کہ حمید فنگر پرنٹ سیکشن والوں کے سر پر سوار ہو کر جلد از جلد رپورٹ تیار کرائے۔

رپورٹ مل گئی لیکن ساتھ ہی حمید کی باچھیں بھی کھل گئیں کیونکہ یہ سو فیصدی خودکشی کیس تھا۔ ریوالور کے دستے پر مرنے والی ہی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔

اس نے فون پر ریکھا کے نمبر ڈائیل کیے۔

"ہیلو......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اُف وہی آواز ہے...... بالکل وہی آواز ہے۔" حمید نے آواز بدل کر کہا۔

"کون ہے۔" ریکھا غرائی۔

"ڈنگی ٹیل......!" حمید نے قہقہہ لگایا۔

"ایک شعر سن لو...... تم اچھی خاصی اردو جانتی ہو۔"

ہزار جانِ گرامی فدا بہ ایں نسبت
کہ اپنی ذات سے میرا پتہ دیا تو نے

"بکواس مت کرو۔ کرنل صاحب تھری سکس ایٹ ناٹ پر ملیں گے۔"

"آج شام کو کہیں ملو۔ میں نے قوم کی بدنصیبی پر ایک تقریر تیار کی ہے۔"

ریکھا نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا۔ حمید نے اس کے بتائے ہوئے نمبر ائے۔

"کرنل فریدی...... پلیز......!" حمید نے کال ریسیو کرنے والے سے کہا۔

"ہولڈ آن کیجیے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد کہا گیا۔ وہ نائین لس ایٹ پر ملیں گے۔

اب حمید نے ان نمبروں پر رنگ کیا۔ لیکن یہاں سے بھی ایک تیسرا نمبر بتا دیا گیا۔ آخر ریباً پانچ مختلف نمبروں پر رنگ کرنے کے بعد فریدی سے رابطہ قائم ہوسکا۔

حمید نے اُسے فنگر پرنٹ سیکشن کی رپورٹ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس اب واپس آجایئے۔ کھیل ختم ہوگیا۔"

"کھیل تو اب شروع ہوا ہے فرزند۔" فریدی نے جواب دیا۔ "میں اب گھر ہی آرہا ...... وہیں چلو۔"

حمید نے سلسلہ منقطع کر کے گھر کی راہ لی۔ اس کے ذہن میں فریدی کا جملہ کھیل تو اب ع ہوا ہے۔ یار بار گونج رہا تھا۔ کبھی اس کے ہونٹ سکڑتے اور کبھی وہ دانت پیسنے لگتا۔ وہ ہا تھا کہ اب ایک بات زبان سے نکل گئی ہے خواہ ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے وہ بات پتھر لکیر کی طرح اٹل رہے گی۔ اگر وہ خودکشی ہی کا کیس ہوگا تب بھی اسے کھینچ تان کر قتل کے ڑھایا جائے گا۔

گھر پہنچ کر اس نے لباس تبدیل کیا اور ریڈیو کھول کر فرانسیسی موسیقی سے دل بہلانے لگا۔

جب اس سے بھی دل نہ بہلا تو جرمنی پر طبع آزمائی کی لیکن آخر کار بی بی سی کی نوبت
آ ہی گئی کچھ دیر تک تو وہ سنتا رہا مگر جب مینڈھے سے لڑنے لگے تو اس نے ریڈیو بند کر کے اس
سے سر ٹکرا دینے کا ارادہ کیا۔ پتہ نہیں ریڈیو کا کیا حشر ہوتا لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی آ گیا۔
اس نے اسے کمرے سے آواز دی۔ حمید طوعاً و کرہاً اٹھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اب اس کا اس کیس
میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

"کیوں بھئی۔" فریدی اُسے دیکھ کر مسکرایا۔ "تمہارے چہرے پر جانکنی کیوں سوار ہے۔"

"ملک الموت سے دوستی کرنے کا نتیجہ بھگت رہا ہوں۔"

"تم نے اس وقت بڑا کام کیا۔"

"کیا......؟"

"مسز لاڈیل کی دریافت...... یہ عورت کام کی معلوم ہوتی ہے۔"

"بڑھیا ہی تو کام کی ہوتی ہیں۔" حمید نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اور ساتھ ہی وہ سیاہ فام بھی ہے۔"

"کر ڈالئے شادی۔ آج کل میرا بکرا بہت اداس رہتا ہے۔"

"مسز لاڈیل کا بیان ہے کہ اس نے تین بجے شب کو اسے دیکھا تھا۔" فریدی نے اس
کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "وہ جیپ سے اتر کر عقبی دروازے کو کھول رہا تھا۔"

"ختم بھی کیجئے۔ ریوالور کے دستے پر مرنے والی ہی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ آ
آپ خواہ مخواہ اسے قتل کا کیس بنانے پر کیوں تل گئے ہیں۔"

"اگر وہ خودکشی ہی ہے تو تین بجے پروفیسر کی موجودگی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کیونکہ
پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق موت تین اور چار بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ نجمی صرف پندرہ منٹ ٹھہر کر واپس چلا گیا ہو اور اس کے جانے کے دس
منٹ بعد اس نے خودکشی کر لی ہو۔"

"پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو!"

بھی کہ اگر اس نے نجمی کی واپسی کے بعد خودکشی کی ہوگی تو اس سے نجمی پر کیا اثر پڑے گا۔"

"کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ایسی صورت میں نجمی کو خودکشی کے اسباب پر روشنی ڈالنی
ہوگی اور اگر اس سے پہلے ہی خودکشی کر چکی تھی تو نجمی نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آخر آپ نے لاڈیل کے بیان پر یقین کیسے
کر لیا۔ ممکن ہے کہ مسز نجمی نے اسے اس غلط بیانی کے لئے تیار کیا ہو۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ ایسا نہ ہوا ہوگا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے پروفیسر کو پھانسی
کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"میں کہتا ہوں کہ اس قصے کو ختم کیجئے۔ ضروری نہیں کہ یہ قتل ہی ہو۔ آپ بھی سیدھے
پر چل ہی نہیں سکتے۔"

"میں یہ بھی نہیں کہتا کہ یہ قتل ہی کا کیس ہے۔ مگر کیا خودکشی کے اسباب کا پتہ لگانا
فرائض سے خارج ہے۔"

"خودکشی کی وجہ معدے کی گرانی بھی ہو سکتی ہے۔" حمید بولا۔ "آپ بینگن کا بھرتا کھا
کر دو گھنٹے بعد یہی دل چاہے گا کہ خودکشی کر بیٹھو۔"

"چلو وہ معدے کی گرانی ہی سہی لیکن پھر آخر تمہارے نکتہ نظر کے مطابق نجمی کی بیوی نے
لاڈیل کو غلط بیانی پر کیوں آمادہ کیا؟"

"ممکن ہے وہ اسی طرح نجمی کا خاتمہ چاہتی ہو۔"

"پھر یہ سازش ہوئی نا...... اگر یہ سازش ہے تو محکمہ سراغ رسانی کا کوئی فرد اس کی طرف
سے آنکھیں کیسے بند کر سکتا ہے۔"

"میری طرف سے آپ آنکھیں بھی کھلی رکھئے اور ضرورت پڑے تو عینک بھی استعمال
کیجئے" حمید جھلا گیا۔ لیکن فریدی اس کی پرواہ کئے بغیر کہتا رہا۔ "سیکریٹری پچھلی رات بڑے
اچھے موڈ میں تھی۔ نوکروں کا بیان ہے کہ وہ اسے پیانو بجاتا ہوا چھوڑ کر گئے تھے۔ اگر خودکشی کسی
الجھن کا نتیجہ ہوتی تو وہ اتنے اچھے موڈ میں نہ پائی گئی ہوتی اور اگر وہ کسی الجھن ہی کا نتیجہ تھی تو بہت

پہلے اسکے ذہن میں خودکشی کے خیال نے سر ابھارا ہوگا۔ ایسی صورت میں خودکشی کا فیصلہ اچانک نہ ہوتا۔ ہفتوں تو خیال ذہن ہی میں پکتا رہتا ہے۔ اگر وہ بہت دنوں سے خودکشی کیلئے سوچ رہی تھی تو اس نے ریوالور کیوں استعمال کیا۔ جب کہ اُسے کئی قسم کے زہر آسانی سے مل سکتے تھے۔"

"زہر آسانی سے نہیں ملا کرتے۔" حمید نے کہا۔

"پروفیسر کی تجربہ گاہ میں پوٹاشیم سائینائیڈ تک موجود ہے اسے خریدنے کیلئے بازار نہ جانا پڑتا۔ پھر دوسری بات یہ کہ بغیر لائسنس کا ریوالور رکھنا زہر حاصل کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔"

"میں سمجھا تھا کہ ریوالور پروفیسر کا ہوگا۔"

"نہیں...... آج تک اس کے نام سے ریوالور کا کوئی لائسنس نہیں ایشو کیا گیا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر میں اسے خودکشی کا کیس تسلیم کرلوں تب بھی پیچھا نہیں چھوٹے گا۔ اس صورت میں ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ اسے ریوالور ملا کہاں سے تھا اور اگر وہ بغیر لائسنس کا ریوالور رکھتی تھی تو اسے یقیناً ایک خطرناک عورت تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"آپ اسے ہٹلر کی چچی تسلیم کیجئے۔ مجھے ذرہ برابر بھی تشویش نہ ہوگی۔"

فریدی کو حمید کی جھلاہٹ پر ہنسی آ گئی اور اس نے کہا "ہر حال میں ہمیں یہ کیس پڑے گا۔ خواہ وہ خودکشی ہو۔ خواہ قتل، بغیر لائسنس کے ریوالور کا مسئلہ ہمیں اس وقت الجھائے رکھے گا جب تک کہ ہم یہ نہ معلوم کرلیں کہ وہ مرنے والی کو کیسے اور کہاں ملا تھا۔"

خستہ حال لڑکی

حمید اس سے الجھتا ہی رہا۔ مگر پھر فریدی نے مزید وضاحت نہیں کی، شائد وہ خود بھی اس مسئلے پر کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکا تھا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح پروفیسر نجمی کا وکیل صمدانی آ گیا۔ اس نے فریدی کے سامنے

دیا جو اسے اپنے تار کے جواب میں پروفیسر کی طرف سے موصول ہوا تھا۔

پیغام تھا "میں نہیں آ سکتا۔ ایک مفصل خط لکھ رہا ہوں۔ کرنل سے کہو کہ دو چار دن مجھے مجبور نہ کریں۔ ورنہ میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔"

فریدی نے پیغام پڑھ کر فارم اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔ "پروفیسر کی واپسی بہت ضروری ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے سختی نہ کرنی پڑے۔"

"میں کیا بتاؤں کرنل۔ پروفیسر بہت ضدی آدمی ہیں۔" صمدانی نے کہا لیکن فریدی نے کچھ نہیں کہا۔ حمید البتہ صمدانی کو کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔

پھر اس نے کہا۔ "کیا آپ ہمیں سیکریٹری کی پچھلی زندگی سے متعلق کچھ بتا سکیں گے۔"

"نہیں جناب! میں بھلا اس کی پچھلی زندگی کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اس کا نام ڈوروتھی تھا۔"

"جی ہاں...... میں اسی نام سے جانتا ہوں۔"

"صمدانی صاحب! کیا ڈوروتھی خودکشی بھی کر سکتی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"دنیا کا ہر آدمی خودکشی کر سکتا ہے، کرنل کیا خودکشی کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔"

"نہیں...... ایک فیصد بھی نہیں۔ حالانکہ ریوالور کے دستے پر صرف اسی کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں اور ریوالور کا ایک ہی چیمبر خالی ہے۔ پانچ میں گولیاں موجود ہیں۔"

"اور آپ اسکے باوجود بھی اسے خودکشی کا کیس نہیں سمجھتے۔" صمدانی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں...... میں اسے خودکشی کا کیس نہیں سمجھتا کیونکہ میں نے ایک گولی کمرے کی دیوار سے بھی نکالی ہے اور زخم کی حالت سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ گولی قریب سے چلائی گئی ہو۔ خودکشی کرنیوالے عموماً ریوالور کی نالی کنپٹی پر رکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں زخم کے گرد بارود کے نشانات لازمی طور پر ملنے چاہئیں۔ لیکن مرنے والی کی کنپٹی کی کھال پر اس قسم کے نشانات نہیں پائے گئے۔ زخم کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ گولی کافی فاصلے سے چلائی گئی۔"

"تب تو...... یقیناً...... مگر آخر اسے قتل کس نے کیا۔" صمدانی نے تشویش کن لہجے میں

کہا۔ ''جہاں تک مجھے علم ہے وہ ایک شریف اور سلیم الطبع لڑکی تھی۔ میں نے آج تک اُ
کسی ملنے والے کو پروفیسر کی کوٹھی میں نہیں دیکھا۔''

''اب آپ نے بھی دوسری راہوں پر بھٹکنا شروع کر دیا مسٹر صمدانی۔'' فریدی مُ
بولا۔ ''حالانکہ کل آپ نے مسز نجمی کے غصے کا تذکرہ کرتے وقت......''

''دیکھئے ٹھہریئے۔'' صمدانی بول پڑا۔ ''مجھے غلط نہ سمجھئے۔ میں نے یونہی برسبیل تذ
بات کہہ دی تھی۔ میرا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ مسز نجمی پر کسی قسم کا الزام رکھوں۔''

''آپ رکھیئے یا نہ رکھیئے وہ پرسوں رات تقریباً ڈیڑھ بجے ہوٹل سے باہر گئی تھی
وہاں چیک کر چکا ہوں۔''

''میرے خدا......!'' یک بیک صمدانی کے ہونٹ خشک نظر آنے لگے۔

اور پھر اس کی واپسی تقریباً ساڑھے تین بجے ہوئی تھی۔ پچھلی رات خود اس نے
اعتراف کرلیا ہے کہ وہ ڈیڑھ سے ساڑھے تین بجے تک ہوٹل ڈی فرانس سے باہر رہی تھ

''اس نے اعتراف کرلیا ہے۔'' صمدانی نے نحیف آواز میں کہا۔

''اگر نہ کرتی تو اس سے بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ میں نے مقامی ہوٹلوں کے
نئے قوانین وضع کرائے ہیں جن کے تحت قیام کرنے والے مسافروں کے لئے لاز
ہے کہ وہ رات گئے باہر جاتے وقت اپنی روانگی ایک رجسٹر میں درج کریں جہاں جا
ہوں وہاں کا حوالہ دیں۔ کسی سے ملنا ہو تو اس کا نام اور پتہ تحریر کریں بہرحال وہ ا
دوست سے ملنے گئی تھی۔ اس نے اس کا نام اور پتہ تحریر کیا تھا۔''

''پھر آپ نے اس ملنے والے کو بھی چیک کیا ہوگا۔''

''یقیناً......وہ دو سے تین بجے تک اس کے ساتھ شراب پیتی رہی۔''

''اوہ......تب تو ٹھیک ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے۔''

''بات دراصل یہ ہے کرنل...... میں پروفیسر کے خاندان کا خیر خواہ ہوں

پروفیسر کے لئے یہ ایک بہت بڑا داغ ہوگا اگر اس کی بیوی کے خلاف اس قسم کا کوئی
ثابت ہوسکا۔''

''اب ہمیں کہاں جانا ہے۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ صمدانی
ٹالنا چاہتا ہے۔

''آفس......!'' حمید بولا۔

''اجازت ہے۔'' صمدانی نے اٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ......ضرور......لیکن ہوسکتا ہے کہ پھر کسی وقت آپ کو تکلیف دی جائے۔''

صمدانی چلا گیا۔ حمید خاموش ہوگیا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''تو اب یہ سچ مچ قتل کا
کیس بن گیا ہے۔''

''ہاں......اب اٹھو۔ آفس جانے سے پہلے مسز لاڈیل سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''اس سے آپ مل چکے ہیں۔''

''ہاں......آج پھر۔'' فریدی بولا۔ ''کل میں نے اس سے یونہی مختصر سی گفتگو کی تھی۔
لیکن آج دیکھوں گا کہ وہ بنائی ہوئی گواہ تو نہیں ہے۔''

''خیر اسے چھوڑیئے۔ آپ کہتے ہیں کہ مرنے والی کے ریوالور کا چیمبر خالی تھا۔ لیکن کیا
وہ گولی جو اس کی کھوپڑی سے نکالی گئی ہے اسی ریوالور کی نہیں تھی۔''

''اسی ساخت کے دوسرے ریوالور کی گولی کہی جاسکتی ہے۔ اس ریوالور کی نہیں ہوسکتی۔''

''تو گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اتفاق سے قاتل کے پاس بھی اسی ساخت کا ریوالور
موجود تھا اور ڈورتھی نے اس پر فائر کیا لیکن گولی دیوار پر لگی پھر قاتل نے فائر کر دیا اور گولی اس
کی کنپٹی پر لگی۔''

''فی الحال میرا یہی خیال ہے۔''

''لیکن قاتل نے خود سے اسے خودکشی کا کیس بنانے کی کوشش نہیں کی۔''

''تمہارا یہ خیال بھی درست ہے ورنہ وہ کم از کم دیوار والی گولی تو نکال ہی لے جاتا اور

کچھ دور کا پلاسٹر اس طرح اکھاڑ دیتا کہ وہ گولی کا نشان معلوم نہ ہوتا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔

"دیکھو......کون ہے۔" فریدی نے کہا۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو......!"

"ہیلو...... ہیلو......!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔ "میں صوفیہ نجمی ہو
پروفیسر نجمی کی لڑکی۔ کل آپ نے مجھے اپنا فون نمبر دیا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ فون پر آپ
ہیں یا اور کوئی ہے۔ میں آپ کا نام نہیں جانتی۔"

"ہاں میں ہی ہوں۔ کل میں نے آپ کو اپنا فون نمبر دیا تھا مجھے کیپٹن حمید کہتے ہیں۔

"اوہ......کیپٹن آپ نے کہا تھا کہ جب ضرورت ہو مجھے فون کر دینا۔"

"جی ہاں......میں نے کہا تھا۔"

"میں بہت شدت سے آپ کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں......فوراً آیئے۔"

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر۔ اس وقت ساڑھے نو بجے ہیں۔ اگر آپ آدھے گھ
آئے تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔"

"بات کیا ہے۔"

"بات فون پر نہیں بتا سکتی۔ ویسے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں آرہا ہوں۔"

"کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نجمی کی لڑکی۔ اس نے مجھے آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر بلایا ہے۔" حمید نے
فریدی کو پوری پچویشن سے آگاہ کردیا۔

"ممکن ہے اس سے کوئی نئی بات معلوم ہو سکے۔ تم جاؤ۔ میں لاڈیل کو چیک کروں

"گاڑی لے جاؤں۔"

"نہیں تم اسٹیشن ویگن نکال لو۔"

"خود لنکن پر چلیں گے اور میں چھکڑا نکال لوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں نکال لوں گا چھکڑا......اب تو دفع ہو جاؤ۔"

حمید نے باہر آکر گیراج سے لنکن نکالی اور ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسے
تھی کہ وہ ڈائننگ ہال ہی میں ملے گی۔ لیکن وہ وہاں کہیں نظر نہ آئی۔ اوپر کی گیلری میں بھی
پھر ان کمروں کی طرف چل پڑا جہاں ان کا قیام تھا اور اسی کمرے کے سامنے رکا جس پر
دن اس نے اس سے گفتگو کی تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک کا جواب بہت ہی دھیمی آواز
ملا۔ پھر حمید نے قدموں کی آواز سنی۔

"کون ہے۔" صوفیہ نے آہستہ سے کہا۔ حمید اس کی آواز پہچان گیا تھا۔

"کیپٹن حمید۔"

"اوہ......کیپٹن!" صوفیہ نے جواب دیا۔ "یہ دروازہ باہر سے مقفل ہے۔ کنجی دیوار سے
ہوگی۔ براہِ کرم قفل کھولئے۔"

حمید نے متحیرانہ انداز میں کنجی کے سوراخ کی طرف دیکھا پھر دیوار سے لٹکی ہوئی کنجی پر
پڑی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

"کیپٹن......!" اندر سے کپکپاتی ہوئی سی آواز آئی۔ "آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"اُو...... ہاں......!" حمید چونک کر بولا۔ "ٹھہریئے! میں قفل کھولنے جا رہا ہوں۔"

"شکریہ! جلدی کیجئے۔ صرف دس منٹ اور رہ گئے ہیں۔"

حمید نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے
ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی کیونکہ یہ پچھلے دن کی حسین صوفیہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بال
الجھے ہوئے تھے۔ چہرے پر خراشیں تھیں اور کہیں کہیں نیل بھی نظر آ رہے تھے اور شاید ٹھوڑی اور
گردن پر کسی نے بڑی بے دردی سے اپنے تیز ناخن چبھائے تھے۔

"لے چلئے۔ خدا کے لئے مجھے یہاں سے کہیں لے چلئے۔" اس نے مضطربانہ انداز میں
کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب صرف آٹھ منٹ رہ گئے۔" لڑکی نے اس کا
ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ حمید راہداری میں آ گیا۔ لڑکی نے بڑی تیزی
سے جھک کر دروازے کو مقفل کیا اور کنجی پھر دیوار سے لٹکا دی۔

"چلئے! خدا کے لئے کسی ایسے راستے سے باہر نکلئے کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ سکے۔" لڑکی نے
اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "میں ایک ایسے راستے سے واقف ہوں۔ وہ راستہ ان دنوں
کھلا ہوگا۔ رات کو بند کر دیا جاتا ہے۔"

وہ تیسری منزل کی ایک راہداری میں چل رہے تھے۔ حمید اس وقت اس کے علاوہ اور کچھ
نہیں سوچ رہا تھا کہ عنقریب وہ کسی بوکھلاہٹ کا شکار ہونے والا ہے۔ صوفیہ اسے اس طرح کھینچ رہی
تھی جیسے کسی چٹیل میدان میں ژالہ باری شروع ہو جانے کے بعد کوئی پناہ گاہ تلاش کر رہی ہو۔
حمید اس راستے سے واقف تھا۔ یہ ہوٹل کی عمارت کی پشت والی سڑک کی طرف لے جاتا تھا۔
دوسری منزل پر پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ دونوں طرف دوسری
منزل کی دو طویل راہداریاں تھیں۔

"میرے خدا......!" دفعتاً اس کے منہ سے نکلا اور وہ حمید کا ہاتھ چھوڑ کر داہنی جانب والی
راہداری میں دوڑتی چلی گئی۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ ہونٹوں تک آنے سے پہلے ہی گھٹ کر رہ گئے۔ کیونکہ
اس نے صوفیہ کی ماں کو اوپر آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے زینے طے کرتی اسی
طرف آ رہی تھی۔ پھر اس کا سر بھی اٹھا اور حمید سے آنکھیں چار ہوئیں۔ حمید تو رک ہی گیا تھا۔
وہ جس زینے پر تھی دفعتاً اسی پر رک گئی۔ اس کے ہونٹ کھلے اور پھر مضبوطی سے بند ہو
گئے۔ اتنی مضبوطی سے کہ جبڑوں پر لکیریں سی ابھر آئیں۔ حمید اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا
رہا۔ ایک بار اس نے داہنی جانب والی راہداری کی طرف بھی نظر دوڑائی لیکن وہ دوسرے سرے
تک سنسان پڑی تھی۔ شاید صوفیہ وہاں سے بھی کسی دوسری راہداری میں مڑ گئی تھی۔

مسز نجمی نے دوسرا قدم اٹھایا اور پانچ یا چھ سیڑھیاں طے کر کے حمید کے قریب پہنچ گئی۔

"کیوں؟" اس نے کچھ بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "آپ مجھے دیکھ کر رکی تھیں اسی لئے میں
بھی رک گیا تھا۔ کیا آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے۔"

"نہیں تو......جی نہیں......میں سمجھی تھی شاید آپ میرے ہی لئے یہاں آئے تھے۔"

"جی نہیں یہ میرا پسندیدہ ہوٹل ہے اور میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔" مسز نجمی نے کہا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آگے بڑھ جائے گی لیکن
وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "یہ بھی ایک مضحکہ خیز اتفاق ہے کہ آپ لوگوں کے
شبہات کو قوی کرنے کے لئے مجھ سے عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"مثلاً واردات والی رات کو میں ڈیڑھ سے ساڑھے تین بجے رات تک اپنے ایک
دوست کے ساتھ رہی تھی۔ خیر میں بھی تن بہ تقدیر ہوں۔"

"مگر یہ ضروری تو نہیں ہے کہ محض اسی بناء پر آپ کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کر دی
جائے۔ دنیا کی کوئی عدالت صرف اتنی سی بات پر آپ کو قاتلہ نہیں قرار دے سکتی کہ آپ قتل
والی رات کو کچھ دیر ہوٹل سے باہر رہی تھیں۔"

"خیر ہوگا۔" مسز نجمی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور آگے بڑھ گئی۔

پھر حمید نے ہوٹل کا ایک ایک گوشہ چھان مارا لیکن صوفیہ کا سراغ کہیں نہ ملا۔ اس نے
سوچا کہ اس کے کمروں کی طرف پھر واپس جائے۔ لیکن پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔

بیان میں اضافہ

کچھ دیر بعد حمید سینٹ جوزف کالونی کی طرف جا رہا تھا اور صوفیہ کی شخصیت ایک سوال بن کر اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ کیا وہ اسے کوئی اہم بات بتانے والی تھی؟ اس کے چہرے پر خراشیں کیوں تھیں؟ گالوں پر نیل کیوں تھے؟ اس کی پلکوں میں ورم کیسا تھا؟ کیا وہ بہت روئی تھی؟ آخر کیوں؟ اسے کمرے میں کس نے قید کیا تھا؟

آخری سوال کا جواب صاف تھا۔ وہ اپنی ماں کو دیکھتے ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر بھاگ نکلی تھی۔ لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے اس کی ہی واپسی کا خوف تھا اور شاید وہ اس کی واپسی سے قبل ہی ہوٹل چھوڑ دینا چاہتی تھی تو کیا اس کی اس خراب حالی کی ذمہ دار اس کی ماں ہی تھی؟ کیا اسی نے اسے نوچ کھسوٹ کر رکھ دیا تھا؟ آخر کیوں؟ اس ”آخر کیوں“ کا حمید کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

پھر یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ وہ اور فریدی ساتھ ہی مسز لاڈیل کے مکان کے سامنے پہنچے۔ فریدی اسٹیشن ویگن ہی میں آیا تھا۔

”کیوں؟ کیا خبر ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”بس اتنی ہے کہ مجھے کوئی خبر نہیں۔“

”کیا مطلب......!“

حمید نے لاڈیل کے مکان میں داخل ہونے سے قبل ہی مختصراً اسے سب کچھ بتا دیا۔

”کہانی دلچسپ ہے۔“ وہ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔ حمید سمجھ گیا اسے اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔

”آپ یقین کیجیے۔“ اس نے کہا۔

”آؤ......پھر سہی......میں کوشش کروں گا کہ مجھے اس کہانی پر یقین آ جائے۔“

حمید خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔

یہ ایک متوسط طبقے کا گھرانہ تھا اس لئے یہاں نہ تو انہیں کال بل کا بٹن ملا اور نہ کوئی ... البتہ وہ ایک چھوٹے سے پائیں باغ سے گزر کر برآمدے تک پہنچے تھے۔ پائیں باغ ... دیوار کی بجائے بانسوں سے حد بندی کی گئی تھی۔ عمارت مختصر سی تھی۔ اس میں زیادہ سے ... تین کمرے رہے ہوں گے۔

فریدی نے انگلی سے ایک دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک سیاہ ...ت نے انہیں خوش آمدید کہا۔ یہ چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ قد ویسے تو ... ہی تھا لیکن بہت زیادہ موٹاپے کی وجہ سے پہلی نظر میں پستہ قد معلوم ہوتی تھی۔

انہیں ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھایا گیا۔ یہاں کی کرسیاں بید کی تھیں اور ان پر کپڑوں کے گدے پڑے ہوئے تھے۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں نے آج پھر آپ کو تکلیف دی۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں جناب...... تکلیف کیسی۔ یہی فخر میرے لئے کیا کم ہے کہ آپ جیسے بڑے آدمی ... اس تک آنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ ورنہ آپ تو مجھے کوتوالی ہی میں طلب کر سکتے تھے۔“

”نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے شرفاء کی عزت کا بڑا خیال رہتا ہے۔“

”یہ آپ کی عالی ظرفی اور نیک نفسی ہے ورنہ پولیس والے تو نہ شاہ کو چھوڑتے ہیں اور نہ ...“

”کل آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ واردات والی رات کو آپ نے پروفیسر کو کیسے دیکھ پایا تھا۔“

”بات دراصل یہ ہے جناب کہ میں نے باہر باغیچے میں اناناس لگا رکھے ہیں لہٰذا مجھے ان ...والی کے لئے بیرونی برآمدے ہی میں سونا پڑتا ہے گو کہ یہاں آس پاس سبھی بڑے لوگ ... ہیں لیکن بعض بوڑھوں کی نیت بھی بچوں کی سی ہوتی ہے۔ میں بھی آپ سے یہ نہیں ...لگی کہ اس کی سزا پر میں اُسے اکثر بلیک میل کرتی رہی ہوں۔“

فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ ”وہ یقیناً بڑا ڈرپوک ہوگا۔ تبھی تو آپ کی دھمکیوں میں آ جاتا ...ورنہ مجھے یقین ہے کہ آپ بہت شریف ہیں اور کسی کو بدنام نہیں کر سکتیں۔“

عورت نے بھی قہقہہ لگایا۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر کسی بگڑے ہوئے سانڈ کی طرح ڈکراتا بھاگتا چلا جائے۔

عورت کہہ رہی تھی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ بلیک میلنگ بڑی شاندار ہے۔ میں اس سے کہتی ہوں کہ ناک سے زمین پر لکیر ڈالو، ورنہ میں سب سے کہہ دوں گی کہ تم میرے انار چرا رہے تھے۔"

"تربوز نہیں لگائے آپ نے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"ضرور لگایئے۔ میں آپ کے تربوز چرانے آیا کروں گا۔"

عورت نے پھر قہقہہ لگایا اور بے ڈھنگے پن سے ہنستی رہی۔ فریدی نے فوراً ہی گفتگو کا رخ موڑ دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں حمید تفریح نہ شروع کر دے۔

"ہاں تو جب اس کی جیپ یہاں پہنچی تو آپ کی آنکھ کھل گئی۔"

"جی ہاں...... اور مجھے حیرت بھی ہوئی کیونکہ اتنی رات گئے یہاں اس لائن میں کوئی اپنی گاڑی نہیں لاتا۔ وجہ یہ ہے کہ اول اس لائن والوں کے پاس گاڑیاں ہیں ہی نہیں۔ کیونکہ ادھر کے سبھی لوگ ہی میری کم حیثیت کے ہیں۔ رہے سامنے والی لائن کے بڑے لوگ تو ان کے گیراج بھی دوسری ہی طرف ہیں لہٰذا ادھر گاڑی لانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"مگر کیا آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں کہ وہ پروفیسر ہی تھا۔"

"جی ہاں...... میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ وہ پروفیسر ہی تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ گلی تاریک ہی رہی ہوگی کیونکہ میں نے پوری گلی میں صرف دو الیکٹرک پول دیکھے ہیں۔ دونوں سروں پر نصب ہیں لہٰذا گلی کا یہ حصہ زیادہ روشن نہ رہا ہوگا۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے جناب! لیکن پروفیسر کا چہرہ میں نے اسی لئے دیکھا تھا کہ اس نے جیپ کا انجن بند کر کے اندر بیٹھے ہی بیٹھے سگریٹ سلگایا تھا۔"

"ممکن ہے آپ کو دھوکہ ہوا ہو۔ آپ سوتے سوتے جاگی تھیں۔"

"پروفیسر کے مضحکہ خیز چہرے کی ایک ہلکی سی جھلک ہی اس کی پہچان کروا سکتی ہے۔ اس کے چہرے پر بڑی بڑی اور بہت زیادہ گھنی مونچھیں ہزار میل کے فاصلے سے صاف نظر آتی ہیں۔"

"خیر......!" فریدی بولا۔ "آپ نے فائر کی آواز بھی سنی ہوگی۔"

"نہیں...... میں نے فائر کی آواز نہیں سنی کیونکہ میں پھر جلد ہی سو گئی تھی۔"

"یہ بڑی عجیب بات ہے کہ فائر کی آواز کسی پڑوسن نے نہیں سنی۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

مسز لاڈیل کچھ سوچنے لگی۔ پھر قبل اس کے فریدی کچھ کہتا اس نے کہا۔ "میں نے کل یہ بات پروفیسر کی بیوی کو بتائی تھی۔ اس وقت وہ صرف سنتی رہی تھی...... لیکن آج؟"

"ہاں...... آج کیا!" فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے وہ یہیں تھی اور مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں اپنے بیان میں تھوڑا سا اضافہ کر دوں۔ اس کے عوض وہ مجھے دو ہزار روپے دے گی۔"

"خوب......!" فریدی آگے جھک آیا۔ "یہ ایک دلچسپ اطلاع ہے کیا اضافہ کرانا چاہتی ہے وہ۔"

"یہی کہ میں نے پروفیسر کے اندر چلے جانے کے تقریباً بیس منٹ بعد فائر کی آواز سنی تھی۔"

"آپ واقعی بہت شریف ہیں۔ آپ کی جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تو مفت ہاتھ آنے والے دو ہزار اسے گراں نہ گزرتے۔"

"میری نظروں میں قانون کا بہت احترام ہے جناب۔"

"ہونا بھی چاہئے۔ ہر شریف شہری قانون کا احترام کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ نے مسز نجمی سے اس کا وعدہ کر لیا تھا۔"

"جی ہاں میں نے وعدہ کر لیا تھا اور وعدہ کرتے وقت ہی یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اپنی پہلی فرصت میں آپ کو اس کی اطلاع دوں گی۔"

"میں بیحد شکر گزار ہوں۔ اچھا اب اتنا اور کیجئے کہ مسز نجمی کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔"

"نہیں...... میں اس سے یہی کہتی رہوں گی کہ میں نے اپنے بیان میں اضافہ کردیا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ اور اس طرح آپ اس سے دو ہزار بھی وصول کر سکیں گی۔"

"نہیں......!" مسز لاڈیل کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس وصول یابی کے بغیر آپ اسے یقین نہیں دلا سکیں گی کہ آپ نے اپنے بیان م اس کا تجویز کردہ اضافہ کردیا ہے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔"

"اگر آپ اس رقم کو اپنے لئے ناجائز تصور کرتی ہوں تو اسے سرکاری تحویل میں د دیجئے گا۔ ورنہ میری طرف سے تو کھلی ہوئی اجازت ہے کہ آپ اس رقم سے اپنے اناسوں کاشت بڑھا سکتی ہیں۔"

"نہیں میں اسے اپنے لئے قطعی ناجائز تصور کرتی ہوں، ورنہ میں آپ کو بتاتی ہی کیوں"

مسز لاڈیل انہیں رخصت کرنے کے لئے گلی تک آئی لیکن فریدی اور حمید گاڑیوں بیٹھنے کی بجائے پروفیسر کے مکان کے عقبی دروازے کی طرف چلے گئے۔ مسز لاڈیل وا جا چکی تھی۔ فریدی نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو اس طرف بھی موجود ہے۔ حالانکہ جب مکان خالی نہیں تھا تو یہ قفل قطعی غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ پروفیسر دوسروں کی لاعلمی میں یہاں اکثر آتا رہا ہے۔"

"قفل کی موجودگی کا یہی مطلب ہے۔ تم ٹھیک سمجھے ہو۔"

"مگر سیکریٹری نے اسکا تذکرہ کبھی کسی سے نہیں کیا ورنہ کم از کم ملازمین کو تو اس کا علم ہی۔ خصوصیت سے وہ ملازم تو لازمی طور پر جانتا ہوتا جس پر پروفیسر کو سب سے زیادہ اعتماد ہے۔"

"تمہارا یہ خیال بھی درست ہے۔ میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

"اچھا تو پھر اب کیا خیال ہے۔"

"مسز لاڈیل سے دو ایک باتیں اور دریافت کروں گا۔"

وہ دونوں پھر کار کی طرف پلٹ آئے۔ مسز لاڈیل ابھی تک بیرونی برآمدے ہی میں موجود

20

جیسے اس نے فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھا خود ہی دوڑتی ہوئی پائیں باغ کی حدود سے آئی۔

"ایک ذرا سی تکلیف اور محترمہ۔" فریدی بولا۔

"ضرور جناب۔ آپ بالکل تکلف نہ فرمایئے۔ میں گھنٹوں اس جگہ کھڑی رہ کر آپ کے ت کے جواب دے سکتی ہوں۔"

"کیا پروفیسر اکثر اسی دروازے کو استعمال کرتا رہا ہے۔"

"نہیں...... پرسوں میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دروازہ تو دراصل مہتر استعمال ہے اور قفل کی کنجی اس کے پاس رہتی ہے۔ یہ تو ایک چھوٹے سے صحن کا دروازہ ہے جس ڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہے اور اس صحن کا اصل عمارت سے اتنا ہی تعلق ہے کہ اس سے ایک دوسری طرف بھی کھلتا ہے۔"

"اچھا شکریہ! اب بالکل تکلیف نہ دوں گا۔" فریدی نے کہا اور اسٹیشن ویگن میں بیٹھ پھر دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گلی سے نکلیں۔

شام تک حمید دفتر میں بور ہوتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ معاملات تیزی سے آگے بڑھیں۔ ہر ئی نئی سنسنی خیز خبر سنائی دے لیکن ایسا نہیں ہوا اور اس کی اکتاہٹ بڑھتی رہی۔ آج نہ نے کیوں اسے بھی سبھی مشغول نظر آرہے تھے۔ اس نے ایک آدھ چکر ریکھا کے کمرے کے لگائے لیکن لفٹ نہیں ملی۔ ریکھا بڑی تندہی سے فائلوں میں سر کھپا رہی تھی۔

چار بجے فریدی میز سے اٹھا اور حمید کی بھی جان چھوٹی۔ وہ دراصل صوفیہ کو تلاش کرنا تھا۔ لیکن فریدی نے ایک بار بھی اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔ حمید کو یقین تھا کہ وہ اسے مذاق ہا ہے ورنہ اس کی طرف سے اتنی لاپروائی نہ برت سکتا۔

آفس سے وہ دونوں گھر واپس آئے۔ فریدی کسی سوچ میں تھا۔

"میں ایک ہفتے کی چھٹی چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اتنی لمبی خاموشی کے بعد اس کی بال اٹھنے لگی تھی۔"

"چھٹی کیوں چاہتے ہو۔" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تاکہ ایک وصیت نامہ مرتب کرسکوں۔"

"بکواس مت کرو۔ کیا تمہیں کوئی کام نہیں ہے۔"

"کام...... ہے کیوں نہیں۔ لیکن اب کام کے ساتھ لفظ "تمام" کا اضافہ بھی ہونے و
ہے۔" حمید جھلا گیا۔

"چلو خاموش بیٹھو۔" فریدی نے کہا۔ غالباً اس وقت وہ صرف سوچنا چاہتا تھا لیکن اس
یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ اسی وقت ایک نوکر نے اطلاع دی کہ پروفیسر نجمی کا وکیل تنویر صمدانی ا
سے ملنا چاہتا ہے۔

"ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"یہ بے وقوف شاید ہماری قبروں میں چھلانگ لگادے گا۔" حمید بڑبڑایا۔ "کسی طر
پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔"

فریدی اٹھ کر ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا اور حمید نے بھی اس توقع پر اس کی تق
کرڈالی کہ ممکن ہے اس وقت بھی وہ کوئی سنسنی خیز خبر لایا ہو۔ وہ اس وقت ڈرائنگ روم
داخل ہوا جب صمدانی ایک لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ خط شام
ڈاک سے ملا ہے۔ پروفیسر نے آپ کو میرے توسط سے بھیجا ہے۔"

فریدی لفافہ لے کر مہریں دیکھنے لگا۔ حمید بھی آگے بڑھ آیا۔ ٹکٹوں پر لگی ہوئی مہر دو
کے پوسٹ آفس کی تھی اور مقامی پوسٹ آفس کی مہر میں آج ہی کی تاریخ تھی۔ فریدی
لفافے سے خط نکالا۔ مضمون انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا اور نیچے نجمی کے دستخط تھے۔

اس میں لکھا تھا۔ "محترمی! میرے وکیل کی وساطت سے آپ کا پیغام ملا۔ میں ڈورو
کے لئے حقیقتاً بہت مغموم ہوں کیونکہ اب وہ ایک اچھی لڑکی بن گئی تھی۔ مگر محترم! مجھے توقع
کہ آپ مجھے سردست معاف رکھیں گے۔ میری نئی ایجاد بہت تیزی سے پایہ تکمیل کو پہنچ رہ
ہے۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے کینسر کا کامیاب ترین طریقہ علاج دریافت کرلیا

لسلہ میں ایک ایسی مشین تیار کرنے میں کامیاب ہوتا جارہا ہوں جس کے ذریعے چاند
کو ریڈیم کی شعاعوں کا بدل بنایا جاسکے گا۔ آپ خود سوچئے اس مشین سے کتنے بنی نوع
کا مفاد وابستہ ہوگا۔ ڈوروتھی کے متعلق جو کچھ میں آپ کو بتاسکوں گا وہ صرف اتنا ہی
ایک ماضی رکھتی تھی۔ ہوسکتا ہے آپ ہیری بلکسٹن گروہ سے واقف ہوں۔ کسی زمانے
کا تعلق اسی گروہ سے تھا لیکن وہ اپنی مجرمانہ زندگی سے تنگ آگئی تھی۔ اُس نے مجھ سے
تھی، جو اُسے مل گئی۔ پھر اس نے تہیہ کیا کہ اب وہ شریف لڑکیوں کی سی زندگی بسر کرے
ر آپ سمجھتے ہیں کہ وہ قتل کی گئی ہے تو اس میں اس گروہ کے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہ ہوگا۔
بلکسٹن دو یوریشین بدمعاش ہیں انہیں دونوں کے نام سے یہ گروہ غالباً اب بھی چل رہا
ں آپ کا انتہائی شکر گزار ہوں گا اگر آپ اس کے قاتل یا قاتلوں کو پکڑ کر قانون کے
رسکیں۔ میں سچ مچ ڈوروتھی کے لئے بے حد مغموم ہوں۔"

ط ختم کرکے فریدی نے اسے حمید کی طرف بڑھا دیا اور یہ خط اس کے لئے کسی حد تک
ز ثابت ہوا لیکن اس نے اس پر رائے زنی کرنے کی بجائے ایک ٹھنڈی سانس لی اور
ہوگیا۔

ریدی بھی خلاء میں گھور رہا تھا اور اس کی پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔

نئی کہانی

تقریباً دو منٹ تک کمرے پر بوجھل سا سکوت طاری رہا پھر تنویر صمدانی نے کھنکار کر پہلو
فریدی کی نظر چینی کے گلدان سے ہٹ کر اس کے چہرے پر جم گئی۔

"کیا آپ نے یہ خط دیکھا ہے۔" اس نے صمدانی سے پوچھا۔

"نہیں جناب! لفافہ تو آپ نے چاک کیا تھا۔"

''اوہ معاف کیجئے گا.....حمید! خط صمدانی صاحب کو دے دو۔''

صمدانی خط لے کر پڑھتا رہا پھر اس نے اسے حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔''
خیال ہے کہ اب ہیری ہکسٹن گروہ اپنی پہلی سی شکل میں موجود نہیں ہے۔''

''یہی میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ پروفیسر کی معلومات سیکنڈ ہینڈ ہیں۔'' حمید بولا۔

''لیکن یہ چیز دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ڈوروتھی کا تعلق پہلے کن لوگوں سے تھا۔ خیر دیکھوں گا۔ ہیری ہکسٹن گروہ میرے ہی ہاتھوں ٹوٹا تھا۔ ہکسٹن پھانسی پا چکا ہے لیکن ہیری اب بھی سنٹرل جیل میں گفتگو کی جاسکتی ہے۔''

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈوروتھی کا تعلق کبھی ایسے آدمیوں سے بھی رہا'' صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس اطلاع سے اُسے گہرا پہنچا ہو۔ اس نے پھر کہا۔''میرے خدا وہ کتنی بھولی، نیک اور شریف تھی۔''

''شاید آپ بھول رہے ہیں کہ وہ پروفیسر کی داشتہ بھی تھی۔'' حمید نے کہا۔

''رہی ہوگی۔'' صمدانی لاپروائی سے بولا۔''پتہ نہیں لوگ کردار کے دوسرے پہلو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ محض باعصمت ہونا ہی آدمی کو آدمی نہیں بناتا۔ میں تو یہاں تک سکتا ہوں کہ اگر وہ صرف کسی ایک کی پابند نہیں تھی تو اسے آبرو باختہ سمجھنے والے غلطی پر ہیں''

''لیکن کیا آپ کسی ایسی عورت کو مرد کے ترکے سے کچھ دلوا سکتے ہیں وکیل صا'' حمید کا لہجہ تلخ تھا۔

''نہیں جناب! میں قانون کی بات نہیں کر رہا۔ یہ میرا اپنا نظریہ ہے۔''

''پروفیسر کو واپس آنا ہی پڑے گا صمدانی صاحب۔'' فریدی بولا۔

''کاش مجھے اس کا صحیح پتہ معلوم ہوتا۔'' صمدانی نے کہا۔

''فکر نہ کیجئے۔'' حمید بولا۔''ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ روپ نگر کے ماسٹر کے توسط سے اپنی ڈاک منگواتے ہیں۔''

''میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو بتائیے گا۔ اب اجازت دیجئے۔'' صمدانی اٹھتا

ضرور......ضرور۔'' فریدی نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔''اس تعاون بے حد شکر گزار ہوں۔''

مدانی چلا گیا۔ حمید اس انداز سے سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے اس پر کوئی بہت بڑا ظلم ہوا ہو۔

''کیوں! کیا بات ہے۔'' فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

''میں اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں، جو میرے ہاتھوں سے نکل گئی۔''

''کیا تم نے حقیقت بیان کی تھی۔''

''آخر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا جبکہ نجمی کی بیوی اتنی زیادہ مشتبہ ہو چکی ہے۔ جب وہ زخمی بیان کے لئے دو ہزار کی پیش کش کر سکتی ہے تو......!''

''تو اپنی لڑکی کو بھی زخمی کر سکتی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''نہیں مجھے یہ کہنا چاہئے تھا جب وہ غصے کی حالت میں اپنے شوہر پر چھری پھینک سکتی لڑکی کو بھی زخمی کر سکتی ہے۔''

''ضروری نہیں ہے۔''

''غصہ منطق شعور کو کھا جاتا ہے۔'' حمید بولا۔''پھر آخر یہ بتائیے کہ وہ اپنی ماں کو دیکھتے راہ اتھ چھوڑ کر بھاگ کیوں گئی تھی۔''

''فی الحال اس قصے کو چھوڑ دو۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔''ممکن ہے تمہارا درست ہو مگر تاوقتیکہ لڑکی سے گفتگو کرنے کا موقع نہ ملے اس کے متعلق سر کھپانا ہی ہوگا۔ نو ادھر بہت دنوں بعد ذہنی جمناسٹک کا موقع ملا ہے۔ ابھی تک صرف دو نفوس ایسے تھے جن پر کیا جاسکتا تھا۔ مگر اب تیسرے کے بھی امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔''

''تیسرا کون۔'' حمید نے کہا۔''میری دانست میں تو اب بھی دو ہی ہیں۔ پروفیسر اور اس کی۔ ویسے پروفیسر کی بیوی کے متعلق امکانات قوی ہیں۔ آخر وہ مسز لاڈیل کے بیان میں کی آواز کا اضافہ کیوں کرانا چاہتی تھی۔ اس کا کھلا ہوا مقصد یہی ہے کہ وہ اپنا جرم پروفیسر تھوپنا چاہتی ہے۔''

"ہاں...... آں...... یہ بھی ممکن ہے۔ ابھی وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں تم
تیسرے کے متعلق پوچھا ہے۔ اگر واقعی اس کا تعلق ہیری ہکسٹن گروہ سے رہا ہے تو اس لائن
بھی ہمیں تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی۔"

"کیوں! ابھی تو آپ نے کہا تھا......؟"

"ہاں وہ صرف ہیری اور ہکسٹن کی بات تھی۔" فریدی نے حمید کا جملہ پورا ہونے سے
کہا۔ ان میں سے ایک پھانسی پا چکا ہے اور دوسرا عمر قید کاٹ رہا ہے۔ مگر گروہ کے کئی افراد
تک لاپتہ ہیں۔ مثال کے طور پر زین ہی کو لے لو۔ کیا وہ کوئی معمولی مجرم تھا۔ آج بھی
زندہ یا مردہ حاضر کرنے والے کو سرکاری اعلان کے مطابق دو ہزار مل سکتے ہیں۔ ممکن ہے
یا گروہ کے کسی دوسرے فرد کو نجمی اور ڈوروتھی کے تعلقات گراں گزرے ہوں۔ اس
دوسری طرح بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ ڈوروتھی کے پاس بغیر لائسنس کے ریوالور کی موجود
وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اسے اس واردات کا خدشہ پہلے ہی سے لاحق رہا ہو۔ اب ان حالات
پروفیسر اور اس کی بیوی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنے کی کوشش کرو۔"

"فیصلہ کیا کروں۔ اس نئی دلیل کی موجودگی میں تو دونوں ہی ہاتھ سے جا رہے ہیں"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ تم آخر ذہن پر زور کیوں نہیں دے رہے ہو۔"

"ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ کسی سڑے ہوئے تربوز کی طرح ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے۔
ذہن میں رہا ہی کیا ہے۔"

"خیر مجھ سے سنو...... اسے واردات کا خدشہ ضرور لاحق تھا لیکن کم از کم اسے یقین
تھا کہ وہ اسی رات کو قتل ہو جائے گی، ورنہ ملازم اسے پیانو بجاتے چھوڑ کر نہ جاتے۔"

"ٹھہریئے......!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر اسے پہلے ہی سے خدشہ لاحق تھا
نے پولیس کو کیوں نہیں اطلاع دی۔"

"اب تم سڑے ہوئے تربوز پر زور دینے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں بھی چاہتا تھا
فریدی مسکرا کر بولا۔

رمایئے نا۔" حمید چہکا۔

چھا...... سنو...... ریوالور کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ اسے پہلے ہی سے خدشہ لاحق
خدشہ پروفیسر کی بیوی کی طرف سے تھا تو اسے لازمی طور پر پولیس کو اطلاع کرنا
اگر پروفیسر سے خائف تھی تب بھی یہی بات ثابت ہونی چاہئے تھی۔ لیکن اس نے
یا؟ پھر اب اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ گروہ کا ہی کوئی آدمی ہوگا۔ پولیس
دیتے وقت اسے یہ بھی ظاہر کرنا پڑتا کہ وہ اس آدمی کو کیسے جانتی ہے۔ دشمنی کی وجہ کیا
؟ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہیری ہکسٹن گروہ والی لسٹ پر ڈوروتھی کا نام کبھی نہیں رہا۔
ہ گروہ سے متعلق بھی تھی تو پولیس کو اس کا علم نہیں تھا ورنہ وہ اس طرح شریف بن کر
ا زندگی بسر نہ کرسکتی۔ کیونکہ اس گروہ کے مفرور افراد کی بو پولیس آج بھی سونگھتی پھر
لہٰذا وہ ایسی صورت میں پولیس کو اطلاع نہیں دے سکتی تھی جب مقابلہ گروہ کے ہی کسی
رہا ہو۔ وہ کیوں خواہ مخواہ خود پر یہ مثل صادق لاتی کہ آسمان سے گرا اور کھجور سے اٹکا۔"

ر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "مگر یہ پروفیسر اپنی گردن کیوں پھنسا رہا ہے۔"

کیوں؟"

کر اسے علم تھا کہ ڈوروتھی ہیری ہکسٹن گروہ سے تعلق رکھتی ہے تو اس نے پولیس کو
ں نہیں دی۔ اگر پہلے اطلاع نہیں دی تھی تو اب کیوں اپنے لئے کنواں کھود بیٹھا ہے۔
بات اب ظاہر ہی نہ کرنی چاہئے تھی کہ ڈوروتھی ہیری ہکسٹن گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔"

ئید تم بہت اچھے جا رہے ہو۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ پھر بولا۔ "تم ذہن سوزی
چراتے ہو۔ بات صرف اتنی ہی ہے۔ اچھا اٹھو! ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔"

کیوں؟ کہاں۔"

سنٹرل جیل...... میں ہیری سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کہیں پروفیسر نے اس سلسلے
بیانی نہ کی ہو۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ قاتل خود کو قانون کی دسترس سے دور رکھنے کے لئے

بڑی بڑی حماقتیں کرگزرتے ہیں اور وہی حماقتیں ان کے لئے پھانسی کا پھندا بن جاتی ہیں۔"

"تم پروفیسر کو قاتل سمجھتے ہو۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک تو میرا یہی خیال ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"پھر اس کی بیوی کو کس خانے میں رکھو گے، جو لاڈیل کے بیان میں محض اس ا
ترامیم کرانا چاہتی ہے کہ اس کا شوہر پھانسی کے تختے تک پہنچ جائے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "چلئے! یہ کیس تو دماغ کی چولیں ہلائے دے رہا ہے۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑے۔

راہ میں حمید نے پوچھا۔ "کیا آپ پروفیسر کے سلسلے میں اس کے سابق پارٹنر برجیس
سے بھی ملے تھے۔"

"ہاں! میں اس سے صرف پروفیسر کی بعض عادتوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا

"کیسی عادتیں......!"

"جیسی بھی ہوں لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں میں کسی عورت ہی کے
میں جھگڑا ہوا تھا۔ برجیس قدر نے بڑی شدت سے اس بات پر زور دیا تھا کہ ڈوروتھی کا
پروفیسر ہی ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے اسے شبہ ہوا ہو کہ ڈوروتھی کسی اور سے بھی تعلقات رکھتی
اس نے یہ بھی بتایا کہ پروفیسر بڑا وہمی آدمی ہے۔ وہ اکثر اپنی مختلف داشتہ عورتوں
دوسروں سے لڑتا رہا ہے۔"

فریدی نے کار روک دی اور نیچے اتر گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ تار گھر میں داخل
ہے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ پھر واپس آ گیا۔

"میں نے پروفیسر کو تار دیا ہے کہ وہ فوراً آئے ورنہ اس کی گرفتاری کے وارنٹ
کئے جاسکتے ہیں۔" فریدی نے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے کہا۔

حمید خاموش رہا۔ کار پھر چل پڑی۔

کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ "مسز لاڈیل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"کیسا خیال......!"

"یہی کہ وہ آپ کو پسند آئی ہو تو گفت و شنید کی جائے۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔ حمید نے پھر کہا "آپ خود بھی عجیب ہیں۔
میں چاہتا ہوں کہ آپ کے بچے بھی عجیب ہوں۔ اگر آپ منظور کریں تو دنیا آدمی کی ایک
نسل سے بھی روشناس ہوسکتی ہے۔"

"بکواس بند کرو۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"اگر آپ اسی کے متعلق سوچ رہے ہیں تو میں ہمیشہ کیلئے بھی خاموش ہونے کو تیار ہوں۔"

فریدی کو حد سے زیادہ سنجیدہ دیکھ کر حمید سچ مچ خاموش ہوگیا۔ کار تیزی سے راستہ طے
رہی تھی۔

سنٹرل جیل پہنچ کر انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ وہاں پہنچا دیئے گئے جہاں
سے ملاقات ہوسکتی تھی۔

کٹہرے کی دوسری طرف ہیری کسی دیو کی طرح کھڑا تھا۔ چوڑا چکلا اور طویل قامت
جس کی ڈاڑھی اور سر کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس کا قد فریدی کے قد سے
نکلا ہوا تھا اور اس ہیئت میں وہ سچ مچ کوئی دیو ہی معلوم ہو رہا تھا۔

اس نے فریدی کو بڑی نفرت سے دیکھا۔

"میں تمہارے لئے ڈوروتھی کا ایک پیغام لایا ہوں۔"

"کون ڈوروتھی؟" ہیری غرایا۔

"سرخ بالوں والی لڑکی جس کے ہونٹ بڑے حسین ہیں۔"

"اسکا پیغام......!" ہیری نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ خود ہی اپنی گردن پھنسا رہی ہے۔"

"شاید تمہیں یہ سن کو خوشی ہو کر وہ ایک شریف لڑکی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔"

ہیری نے اس پر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر وہ ہنستا رہا پھر بولا۔ "ڈوروتھی اور شریف لڑکی۔"

"کیوں! کیا یہ ناممکن ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بات کیا ہے...... کیا اس نے کسی کو کنگال کر دیا۔"

"نہیں...... اس نے بتایا ہے کہ تم نے 1949ء میں سنٹرل بینک کا جو سونا لوٹا تھا وہ آج بھی محفوظ ہے اور تم اس جگہ سے واقف ہو، جہاں اسے رکھا گیا ہے۔"

"اوہ...... وہ شیطان کی بچی۔" ہیری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "وہ یہاں بھی مجھے چین نہیں لینے دیگی۔ وہ جھوٹی ہے۔ مکار ہے۔ ہم نے کبھی لوٹ کا مال سنبھال کر نہیں رکھا، کبھی نہیں۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "تم مجھے دیکھو۔ میں کس طرح تمہارے گروہ کے آدمیوں کو چوہے بلیوں کی طرح کھود کھود کر نکال رہا ہوں۔ اب اسی لڑکی کو لے لو۔ یہ میری لسٹ پر بھی نہیں رہی۔"

"اس کا تعلق میرے گروہ سے کبھی نہیں رہا۔ وہ تو میری محبوبہ تھی۔ میں نے اس سے زیادہ کسی کو نہیں چاہا۔ میں اس کے لئے جان دینے کو بھی تیار رہتا تھا لیکن کاش مجھے صرف ایک دن کے لئے چھوڑ دیا جائے صرف ایک دن کے لئے۔ تاکہ میں اسے قتل کر سکوں۔"

"کیوں! اپنی محبوبہ کو قتل کرو گے۔"

"ہاں...... کیونکہ ہماری تباہی کا باعث وہی بنی تھی۔ اُف میرے خدا اس کے بھولے بھالے چہرے پر جس فتنہ پرور کھوپڑی کا سایہ ہے وہ کسی خبیث روح کو بھی میسر نہیں ہو سکتا۔ وہ تفریحاً دوسروں کو دھوکا دیتی ہے۔ اس سے زیادہ اذیت پسند عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"تمہاری تباہی کا باعث وہ کیسے بنی تھی؟"

"جس رات ہم گرفتار ہوئے ہیں اس نے ہمیں ایسی شراب پلا دی تھی جس میں کوئی خواب آور دوا ملائی گئی تھی۔"

فریدی کو یاد آ گیا کہ وہ سب نشے کی حالت میں گرفتار ہوئے تھے اور اس گروہ کے متعلق اسے ساری معلومات کسی نامعلوم آدمی کے خطوط سے بہم پہنچا کرتی تھیں۔ ممکن ہے وہ نامعلوم ہستی ڈوروتھی ہی رہی ہو۔

"بہر حال اب وہ شرافت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس لئے میں اسے نہیں چھیڑنا چاہتا۔"

"کیا وہ کسی مالدار آدمی کے ساتھ ہے۔"

"ہاں...... وہ ایک مالدار آدمی کی سیکریٹری کے فرائض انجام دے رہی ہے۔"

"سنئے کرنل۔" دفعتاً ہیری غرایا۔ "اس نے آپ کو محض اس لئے یہاں بھیجا ہے کہ آپ نئے مسئلہ میں الجھ جائیں اور اسے اس شریف آدمی پر ہاتھ صاف کرنیکا موقع مل جائے۔ گہری نظر رکھئے، ورنہ آپ کو پچھتانا پڑے گا۔ آپ مجھ سے زیادہ اسے نہیں جان سکتے۔"

"اچھی بات یہ ہے ہیری...... میں دیکھوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہریئے۔" ہیری اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی مجھ سے کوئی سچی بات نہیں کی۔"

"تمہارا خیال بالکل صحیح ہے ہیری۔" فریدی نے جواب دیا۔ "ڈوروتھی کو کسی نے قتل کر دیا۔ میں اس کے متعلق جو کچھ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کر چکا...... شکریہ۔"

"وہ قتل کر دی گئی۔" ہیری نے آہستہ سے دہرایا اور اس کی آنکھیں اس طرح چمکنے لگیں جیسے وہ اس کے لئے بڑی پُر مسرت خبر رہی ہو۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "کرنل تب تو اس کا قاتل وہی آدمی ہو سکتا ہے جس کی وہ سیکریٹری تھی۔ میں نے خود بھی اسے مار ڈالنے کا پروگرام بنایا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی میں گرفتار کر لیا گیا۔ اگر صرف تین دن اور آزاد رہتا تو وہ اس دنیا میں نہ ہوتی......!"

فریدی نے پھر ایک طویل سانس لی۔

ڈاک بنگلہ

دوسری صبح فریدی بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔ حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی

کوشش کی لیکن ناکام رہا آخر اس نے کہا۔ ''اب تو پروفیسر ہی پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔''

''اُوں......!'' فریدی چونک پڑا اور اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُسے اس کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس نے کہا۔ ''کیا کہا تم نے۔''

حمید نے اپنا جملہ دہرایا۔

''بہتیری پیچیدگیاں اب بھی باقی ہیں۔''

''اب بھی پیچیدگیاں باقی ہیں۔'' حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا

''خدا ہر شریف آدمی کو اس پیشے سے دور رکھے۔''

''اگر پروفیسر اس کی اصلیت سے واقف ہوگیا تھا تو پولیس کو اطلاع دے کر بخوبی ا سے اپنی جان چھڑا سکتا تھا۔ آخر اس نے قتل کرنے کا خطرہ کیوں مول لیا۔''

''ابھی تک میں نے اس کے متعلق جو اندازہ لگایا ہے اس کے مطابق وہ مجھے کوئی ع آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''تم جھک کہتے ہو۔ میں تو اسے دیوانہ سمجھتا ہوں۔ اگر اس کے بجائے کوئی اور ہوتا تو فرصت میں یہاں پہنچ کر اپنے خلاف پیدا ہوجانے والے شبہات رفع کرنے کی کوشش کرتا۔''

''پھر آپ کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں۔''

''فی الحال کسی پر بھی نہیں۔ حالات سامنے ہیں مگر بے ترتیب، میں انہیں ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہوں مگر کہیں نہ کہیں سے ایک خلا سی نمودار ہوجاتی ہے اور کڑیاں مربوط نہیں ہوپاتیں۔''

''یہ ٹھیک ہے کہ پروفیسر پولیس کو بھی اطلاع دے سکتا تھا لیکن وہ اگر اس طرف سے قسم کا خدشہ رکھتی تھی تو پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتی تھی۔ کیونکہ پروفیسر اس کا راز فا کرسکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور اپنے پاس بغیر لائسنس کا آ ریوالور رکھنے لگی۔''

''ریوالور کی بات اب چھوڑ دو۔'' فریدی بولا۔ ''ہیری کے بیان سے اس کی اہمیت بھی ہوجاتی ہے۔ اگر وہ اتنی ہی خطرناک عورت تھی تو اس نے یونہی بلا مقصد بھی ریوالور رکھ چھوڑا ہو

''میں دراصل اس کی بیوی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا۔''

''کہو......!'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''بس اتنا ہی کہنا ہے کہ وہ بھی اس کی قاتل ہوسکتی ہے۔''

''کافی پرانی بات ہوچکی ہے۔ لیکن اس قسم کا سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے میں کسی بات پر تکرار ہوگئی ہو اور اس نے غصے کی حالت میں اس پر فائر کردیا ہو۔''

''یہی میرا بھی خیال ہے اور اب وہ مسٹر لاڈیل کے بیان میں ترامیم کراکے پروفیسر کو چاہتی ہو۔''

''مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پروفیسر واردات والی رات کو تین بجے ل موجود تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ممکن ہے یہ قتل اس کی موجودگی ہی میں ہوا ہو اور اس ت کی بربادی کے خیال سے پولیس کو اس کی اطلاع نہ دی ہو۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ فکر مند نظر آنے لگا تھا۔ حمید نے اپنے میں تمباکو بھری اور اُسے سلگا کر آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔

وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا پھر یک بیک سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ ''دیکھئے! میرا خیال یہ پروفیسر...... آسانی سے واپس نہیں آئے گا۔ کیوں نہ میں ہی اسے جا کر کھینچ لاؤں۔''

''اس کی تلاش آسان نہ ہوگی حمید صاحب۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں......!''

''وہ روپ نگر کے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے اپنی ڈاک منگواتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس بائے رہائش کا پتہ آسانی سے معلوم ہوجائے۔''

''میرے خیال سے روپ نگر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لہٰذا وہاں کسی ایسے آدمی کا سراغ انی سے مل جائے گا جو جیپ کار رکھتا ہو۔ مسز لاڈیل نے یہی تو بتایا تھا کہ پروفیسر جیپ کار باتھا۔''

"تمہارا خیال قطعی غلط ہے کہ روپ نگر کوئی قصبہ ہے۔ کبھی کوئی قصبہ ہی رہا ہوگا۔ لیکن پچھلی جنگ عظیم کے دوران میں اس کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے اور اب تم اسے ایک چھوٹا سا شہر کہہ سکتے ہو۔ وہاں زیادہ تر ریٹائرڈ فوجی آفیسر آباد ہیں اور تم وہاں کم از کم پچاس جیپ کاریں ضرور پاؤ گے۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ یہاں سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ روپ نگر شہر سے صرف تیس میل کے فاصلے پر تھا لیکن اسے آج تک وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے ان اطراف کے متعلق یہ ضرور سن رکھا تھا کہ وہاں حسن بکثرت پایا جاتا ہے۔

کچھ دیر خاموشی رہی، پھر دفعتاً فریدی مسکرا کر بولا۔ "ویسے اگر تم اپنی صلاحیتوں کو آزمانا چاہتے ہو تو میں تمہیں روکوں گا نہیں۔"

حمید اٹھا۔ بڑے ادب سے فریدی کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے بوسہ دیا اور جھکا کر بولا۔ "پیرو مرشد آپ کی اس فیاضی اور دریا دلی پر دل چاہتا ہے کہ قوالی شروع کردوں مگر خیر اس تھوڑے سے وقت میں صرف ایک ٹھمری پر اکتفا کروں گا۔"

اس نے الاپنے کے سے انداز میں کان پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فریدی نے کان پکڑ کر اسے کمرے سے باہر کردیا۔

حمید نے اسی وقت وہاں سے روانگی کی تیاری شروع کردی۔ ایک گھنٹے بعد ایک جیپ میں وہ اپنے بکرے سمیت کمپاؤنڈ سے باہر آیا۔ اس کے ساتھ معمولی ضروریات کا سامان تھا۔ شہر سے باہر نکلتے ہی جیپ آندھی اور طوفان کی طرح راستہ طے کرنے لگی لیکن اس سے چلنے سے پہلے حمید نے بکرے کی چاروں ٹانگیں باندھ کر اسے پچھلی نشست پر ڈال دیا تھا۔ وہ حقیقتاً تفریح کے موڈ میں تھا اور یہ سوچ کر گھر سے چلا تھا کہ جس ہوٹل میں قیام کرے گا اس کے عملہ کے لئے بکرا دردِ سر ہو جائے گا۔

مگر روپ نگر سے دو میل ادھر ہی اسے ایک ڈاک بنگلہ نظر آیا اور اس نے بستی میں قیام کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔ نارنجی رنگ کی ٹھنڈی شعاعیں سرسبز میدانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ حمید کا بکرا چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی دیکھ کر بے قابو ہوگیا۔

حمید نے جیپ سڑک سے اتار کر ڈاک بنگلے کی طرف موڑ دی۔ اس نے سوچا کہ رات تو بسر کرنی چاہئے۔ پھر دوسری صبح بستی بھی دیکھ لی جائے گی۔

گاڑی کی آواز سن کر ایک آدمی باہر آیا۔ یہ غالباً یہاں کا ملازم تھا۔ اس نے بڑے ادب سے حمید کا استقبال کیا۔ لیکن گاڑی میں ایک ایسے بکرے کی موجودگی اس کے لئے حیرت انگیز تھی جس کے سر پر فلٹ ہیٹ منڈھا ہوا ہو اور گلے میں ٹائی لٹک رہی ہو۔ پھر اس کے پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔

"اس کے لئے بھی انتظام کرنا پڑے گا۔" حمید نے بکرے کی طرف اشارہ کیا "یہ میرا شریک بھائی ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی بکری کا دودھ پیا تھا۔"

ملازم نے دانت نکال دیئے اور پھر آہستہ سے بولا۔ "صاحب یہاں ابھی ابھی ایک میم صاحب بھی آئی ہیں۔ پتہ نہیں وہ اسے پسند کریں یا نہ کریں۔"

"اے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم اسے لے جاکر میم صاحب کی دم میں باندھ آؤ۔ کیا چرس پیتے ہو۔"

"نہیں حضور......!"

"چلو سامان اتارو۔"

حمید بکرے کے پیر کھول چکا تھا۔ وہ اسے کان سے پکڑے ہوئے اندر لایا لیکن نوکر کی نام نہاد "میم صاحب" کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ بھی جھپٹ کر اس کی طرف بڑھی۔ وہ پروفیسر نجمی کی لڑکی صوفیہ تھی اور اب بھی اس کے چہرے پر جہاں تہاں ہلکے نیل نظر آ رہے تھے۔ بکرے کا کان حمید کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"او کیپٹن حمید تم۔" وہ پرمسرت لہجے میں چیخی۔ "مگر کیا تم میرا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہو۔"

"کسی طرح بھی آیا ہوں لیکن تم یہاں کیسے نظر آ رہی ہو۔"

"میں پاپا کی تلاش میں آئی ہوں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ یہاں ملیں گے۔"

"مم...... میں نے بڑی محنت سے یہ بات معلوم کی ہے۔ پہلے نوکروں کو ٹٹولا لیکن ا
سے کچھ نہ معلوم ہوسکا۔ پھر میں نے سوچا کہ پاپا کے وکیل سے معلوم کروں ممکن ہے وہ کچھ جا
ہو۔ میرا خیال بھی صحیح نکلا۔ اسے پاپا کے متعلق علم تھا۔ اس نے کہا جب میں سرکاری سرا
رساں کو بتا چکا ہوں تو تم سے کیوں پوشیدہ رکھوں۔ اب اس وقت بہت ضروری ہے کہ پروفیـ
واپس آجائیں۔ ورنہ پولیس کو سمجھانا بہت مشکل ہوجائے گا۔ اگر وہ تمہیں مل جائیں تو ا
واپس آنے پر مجبور کرو۔"

"کیا اس نے تمہیں پورا پتہ بتایا ہے۔"

"نہیں اس نے صرف بتایا ہے کہ وہ اپنی ڈاک یہاں کے پوسٹ ماسٹر کے پ
منگواتے ہیں۔"

"خیر ٹھہرو...... تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" حمید نے کہا اور نوکر کو ہدایت د
لگا۔ بکرا وہیں سر جھکائے کھڑا جگالی کررہا تھا۔

"یہ بکرا کیوں ساتھ لئے پھرتے ہو اور اس کا حلیہ۔" صوفیہ کہتے کہتے رک گئی۔

"ارر...... نہیں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ بیٹھنا ورنہ میرے جذبات کو ٹھیس لگے گی
میرا دودھ شریک بھائی یعنی سٹپ برادر ہے۔"

صوفیہ ہنسنے لگی۔

کچھ دیر بعد حمید لباس تبدیل کرکے برآمدے میں آبیٹھا۔ صوفیہ بھی اس کے قریـ
موجود تھی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ ملازم نے ایک لیمپ روشن کرکے برآمدے میں رکھ دیا۔

"ہاں! اب بتاؤ...... کل کیا قصہ تھا۔" حمید نے صوفیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیسا قصہ......!"

"کل تم اس طرح بھاگی کیوں تھیں۔"

20

"اگر میں نہ بتانا چاہوں تو۔"

"تو اپنی ماں کے لئے پھانسی کا پھندا تیار سمجھو۔"

"نہیں......!" وہ خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"کیا یہ غلط ہے تمہاری ماں نے غصے میں تمہیں نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔"

"مم...... میں اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔"

"تم غلطی پر ہو۔ ایسا کرکے تم اپنی ممی اور پاپا دونوں کے حق میں کانٹے بو رہی ہو۔"

صوفیہ خاموش ہوگئی۔ حمید بھی چپ چاپ اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ بہت زیادہ
نظر آنے لگی۔ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی اور چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو
کی کوشش کرنے لگتی۔

"تمہارا فرض ہے کہ مجھے صحیح حالات سے آگاہ کردو۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

"کیسے حالات۔"

"اچھا اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے تم تو خفا ہوگئے۔ پوچھو میں بتاؤں گی۔"

"تمہاری ممی نے تمہیں کیوں مارا پیٹا تھا۔"

"میں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ قتل والی رات کو کہاں غائب رہی تھیں۔"

"نہیں......!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں...... میں نے پوچھا تھا۔"

"مگر تم نے اس دن مجھے تو اس کے متعلق نہیں بتایا تھا۔"

"مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ وہ رات کو غائب رہی تھیں۔ میں تو سو رہی تھی۔"

"پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"کاؤنٹر کلرک نے مجھے بتایا تھا کہ ایک پولیس آفیسر نے اس کے متعلق چھان بین کی
۔ پھر اس نے مجھے وہ رجسٹر دکھایا جس میں ممی نے اپنی روانگی لکھی تھی۔ ہوٹل والے اچھی

طرح جان گئے ہیں کہ ہم کون ہیں۔"

"تو تمہارے دریافت کرنے پر وہ بگڑ گئیں۔"

"ہاں......وہ بہت غصہ ور ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ میں اب ان کیساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"تمہارا کوئی دوست نہیں ہے۔"

"نہیں......!" صوفیہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"اچھا اب مجھے سچ سچ بتاؤ......کیا ایک بار انہوں نے غصے میں پروفیسر پر چھری نہیں کھ
ماری تھی۔"

"یہ بالکل درست ہے۔ ہاں ایسا ہوا تھا۔"

"پروفیسر نے کیا کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ اس کے بعد بھی ہنستے رہے تھے۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ تمہاری ممی......!" حمید اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔ وہ دراصل ا
مسز لاڈیل کے متعلق بتانے جا رہا تھا جس کے بیان میں مسز نجمی نے ترمیم کرانے کی کوشش
تھی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے بات ہی اڑا دی اور بولا۔ "میں خود بھی اسی لئے آیا ہو
تمہارے پاپا کو تلاش کروں لیکن وہ بہت ضدی معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو حقیقت ہے کہ ایک بار جو بات ان کی زبان سے نکل جائے اسے پتھر کی لکیر سمجھ

"ہم لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ صرف ایک دن کے لئے شہر چلے آتے اور پولیس
شبہات رفع کرنے کی کوشش کرتے۔"

"میں انہیں مجبور کروں گی کہ وہ واپس چلیں۔ وہ کم از کم میری بات نہیں ٹال سکیں گے۔"

"پتہ نہیں! تم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتیں کہ جو کچھ سوچ رہی ہو وہی ہوگا۔"

پھر وہ رات کے کھانے کے لئے اٹھ گئے۔ صوفیہ مغموم اور فکرمند نظر آرہی تھی۔

حمید نے کھانے کے دوران میں اس سے پوچھا۔ "کیا تم اپنے پاپا کو بے گناہ سمجھتی

"یقیناً......وہ اتنے برے نہیں ہو سکتے کہ کسی کو قتل کر دیں۔"

پھر کیا تمہاری ممی غصے میں اسے قتل کر سکتی ہیں۔"

می کے غصے کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ غصے میں پاپا پر چھری بھی پھینک سکتی
مجھے بھی اس طرح زخمی کر سکتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ وہ غصے میں اپنے ہوش و حواس کھو
ں۔"

پھر حمید خود ہی اس تذکرے سے اکتا گیا اور کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح صوفیہ بھی ہنس
نے لگے۔ اس نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں لیکن صوفیہ پر بدستور اضمحلال طاری
نے کے بعد وہاں سے میز ہٹا دی گئی۔ کیونکہ اسی کمرے میں انہیں سونا بھی تھا۔ یہ ایک
اور کشادہ کمرہ تھا۔ اس عمارت میں اس کے علاوہ دو برآمدے بھی تھے۔ ایک غسلخانہ تھا
بیت الخلاء۔ ملازم کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کے شناسا
رنہ اُسے ایک الجھن کا شکار ہونا پڑتا لیکن اب اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ وہ کس
ال سونے کے استدعا کرے گا۔ اس نے حمید کے حکم کے مطابق اسی کمرے میں دو پلنگ
یئے اور ان کے بستر لگا کر باہر جاتے وقت بکرے کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش
لگا۔ مگر حمید نے اسے روک دیا۔

پھر جب سونے کی تیاری ہوئی تو حمید بکرے کو اپنے پلنگ پر لٹانے کی کوشش کرنے لگا اور
بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" اس نے پوچھا۔

"میں اسے اپنے پاس ہی سلاتا ہوں۔ ورنہ اُسے برے برے خواب نظر آتے ہیں اور یہ
پھر قوالی ہی الاپتا رہ جاتا ہے۔"

"تم بہت شریر ہو۔ آخر بکرا ساتھ لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بکرے کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"

"تمہاری اوٹ پٹانگ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"مگر یہ خوب سمجھتا ہے۔" حمید نے بکرے کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن بکرا کسی طرح بھی

اس کے پلنگ پر نہ ٹکا۔ آخر کار حمید نے اُسے تین لاتیں رسید کیں اور خود پلنگ پر ڈھیر ہوگیا۔
بکرا ایک گوشے میں بیٹھ کر جگالی کرنے لگا۔

تلاش

دوسری صبح صوفیہ کسی حد تک تروتازہ نظر آرہی تھی۔ حمید نے بھی اسے فکرمند ہونے کا موقع نہیں دیا۔ جاگنے سے ناشتے کے وقت تک تفریحی گفتگو کرتا رہا۔ پھر وہ دونوں قصبے سے باہر جانے کے لئے تیار ہوگئے۔

حمید نے بکرے کو بھی ساتھ لے جانا چاہا لیکن صوفیہ نے شدت سے اس کی مخالفت کی۔

"اگر بکرے کے بجائے کتا ہوتا تو۔" حمید نے کہا۔

"کتے کی دوسری بات ہے۔"

"تو بکرے کی تیسری کیوں ہے۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔"

"تم مجھ سے بھی زیادہ عجیب ہو لیکن میں تمہیں آدمی نہیں کہہ سکتا کیونکہ دنیا کا ہر آدمی معقولیت پسند ضرور ہوتا ہے۔ جب کتے ساتھ رکھے جاسکتے ہیں تو بکرے کیوں نہیں رکھے جاسکتے۔"

"بکرا تمہارے کسی دشمن سے تمہاری جان نہیں بچا سکتا۔"

"دشمن سے مقابلہ کرنے کیلئے میرے بازو کافی ہیں۔ لیکن کتا میرا پیٹ نہیں بھر سکتا۔"

"بکرا کیسے بھر سکتا ہے۔"

"میں اسے ذبح کر کے کھا سکتا ہوں اور اسکی وجہ سے کوئی بکری مجھ پر مہربان ہوسکتی ہے۔"

"بکری کے مہربان ہونے سے کیا ہوگا۔" صوفیہ ہنس پڑی۔

"وہ مجھے اپنا دودھ پینے دے گی۔"

"چلو.....! میں اسے ساتھ نہیں لے جانے دوں گی۔"

"خیر.....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہاری مرضی۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا.....!"

"کچھ نہیں، تم کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ چلو بیٹھو گاڑی میں۔"

وہ دونوں جیپ میں آبیٹھے۔ حمید نے انجن اسٹارٹ کیا اور پھر گاڑی چل پڑی۔

"اگر تمہاری ماں بھی یہاں پہنچ گئیں تو کیا ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔"

"کیوں نہیں ہوسکتا۔ وکیل سے تمہیں پتہ معلوم ہوا تھا۔ وکیل ہی انہیں بھی بتا سکتا ہے۔"

"نہیں.....مسٹر صمدانی مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے استدعا کی تھی کہ وہ ممی کو اس کے متعلق کچھ نہ بتائیں۔ پاپا سے ان کے دوستانہ تعلقات بھی ہیں، اس لئے وہ بالکل پسند نہیں کرتے۔"

"اگر آگئیں تو پھر تمہیں پٹنا پڑے گا۔" حمید ہنسنے لگا۔

"میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔" صوفیہ گلوگیر آواز میں بولی۔

"معاف کرنا۔ میں نے یونہی کہا تھا۔ تمہاری ممی کی درندگی مجھے بھی ناپسند ہے۔"

لیکن صوفیہ کے چہرے پر پھر اضمحلال طاری ہوگیا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ اس نے بُرا کیا۔ اس سے پہلے وہ بڑے اچھے موڈ میں تھے۔

"تمہاری دانست میں ہمیں کہاں سے شروعات کرنی چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"پوسٹ آفس سے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "فی الحال ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان کی ڈاک پوسٹ ماسٹر کے توسط سے آتی ہے۔ مگر ممکن ہے آپ اس سے زیادہ جانتے ہوں۔"

"نہیں......میری معلومات بھی اتنی ہی ہیں جتنی صمدانی سے حاصل ہوسکتی تھیں۔"

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ پھر وہ ذرا ہی سی دیر میں بستی میں داخل ہوگئے۔ یہ حقیقتاً ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ اُسے غیر ترقی یافتہ قصبہ قرار دینا زیادتی ہی ہوتی۔ یہاں دو ایک اچھے اور صاف ستھرے ہوٹل بھی تھے۔ ایک چھوٹا سا پاور ہاؤس تھا۔ دو سینما ہال تھے۔ دو ہائی اسکول تھے اور ایک

انٹرمیڈیٹ کالج تھا۔

اکثر جگہ عمارتیں بھی شاندار نظر آئیں۔ لیکن وہاں کا پوسٹ آفس دیکھ کر حمید کو مایوسی ہوئی۔ وہ پوسٹ آفس سے زیادہ کسی کباڑی کا گودام معلوم ہو رہا تھا۔ دو ایک پوسٹ مین بیٹھے ڈاک چھانٹ رہے تھے اور بقیہ میزوں پر یا تو طبلہ بجا رہے تھے یا بیڑیوں کے دھوئیں کے بادل منہ سے نکالتے ہوئے گپیں ہانک رہے تھے۔ کاؤنٹر کلرکوں کی حالت ان سے بھی بدتر تھی کیونکہ وہ کام بھی کر رہے تھے اور اپنے دوستوں سے گپیں بھی لڑا رہے تھے۔ پبلک ٹیلی فون کے قریب حمید کو کچھ لڑکیاں نظر آئیں۔ ممکن ہے کاؤنٹر کلرک کے دوست وہاں نظارہ بازی ہی کیلئے اکٹھے ہوئے ہوں۔

پوسٹ ماسٹر کی میز اس بڑے کمرے کے وسط میں تھی اور اس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ کم از کم ایک درجن شریر اور نالائق بچوں کی ماں ہو۔ کبھی وہ کسی کو ٹوکتا کبھی کسی کو ہدایت دیتا اور کبھی سامنے پڑے ہوئے رجسٹر کی ورق گردانی کرنے لگتا۔ کاؤنٹر کلرک اور ان کے دوستوں کی طرف بھی نظر اٹھتی اور پھر وہ ٹیلی فون کے قریب کھڑی ہوئی لڑکیوں کو تشویش کی نظروں سے دیکھنے لگتا۔ وہ بوڑھا تھا اور اس کے سر کے بال پکی برف کی طرح سفید تھے۔ اس کی آنکھیں ایمانداروں کی سی تھیں، جن میں اپنے نالائق ماتحتوں کیلئے تشویش اور ہمدردی پائی جاتی تھی۔

حمید نے دروازے ہی پر رک کر اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

"تشریف لایئے......تشریف لایئے۔" وہ اٹھتا ہوا بولا اور دوسری لڑکیوں کو گھورتی ہوئی آنکھیں صوفیہ کی طرف مڑ گئیں۔ صوفیہ ایک یوریشین عورت کی لڑکی تھی۔ اس لئے خود بھی یوریشین ہی معلوم ہوتی تھی۔

حمید نے پروفیسر نجمی کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی۔

"جی ہاں!" پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ "ایک صاحب ہیں جو اسی طرح اپنے خطوط اور منی آرڈر منگواتے ہیں۔ جی ہاں...... دبلے پتلے سے بہت بڑی بڑی مونچھوں والے۔"

"اور اکثر ان کے ساتھ ایک انگریز عورت بھی ہوتی ہے۔" ایک کلرک نے کہا جو دوران گفتگو میں ان کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔

انگریز عورت۔" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

جی ہاں۔"

ید سوچ میں پڑ گیا۔ پھر دفعتاً اس نے پوچھا۔ "کیا آپ اس عورت کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔"

عورت کا حلیہ......!" کلرک اپنا سر کھجاتا ہوا بولا۔ "دیکھئے جناب۔" وہ مسکرایا۔ "میری

یں عورت کا حلیہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ......!"

کہ وہ بہت حسین ہوتی ہے۔" حمید اس کی بات کاٹ کر مسکرایا۔

چلئے یہی سہی۔" کلرک جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

تاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا اور وہ جیبیں ٹٹولنے لگا۔

سے یاد آ گیا کہ ڈوروتھی کی ایک تصویر اس کی جیب میں پڑی ہوگی۔ اس نے تصویر نکالی

کو دکھاتا ہوا بولا۔

"کیا یہی عورت تھی۔"

"او...... جج...... جی ہاں...... بالکل بالکل۔"

پوسٹ ماسٹر نے بھی تصویر دیکھ کر اس کے بیان کی تصدیق کی۔

"وہ پچھلی بار یہاں کب آئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں...... دیکھئے ٹھہریئے۔" پوسٹ ماسٹر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "شاید تین یا چار دن گزرے۔"

"کیا یہ عورت ساتھ تھی۔"

"نہیں تنہا تھے۔" کلرک بول پڑا۔

"کیا آپ انہیں اطلاع دلواتے ہیں کہ ان کی ڈاک آئی ہے۔"

"نہیں جناب......!" پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ "وہ خود ہی آتے ہیں۔ مجھے علم نہیں ہے کہ

قیام کہاں ہے۔"

"آپ ذرا ایک منٹ کے لئے ادھر آیئے۔" حمید نے پوسٹ ماسٹر کو باہر چلنے کا اشارہ

صوفیہ سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

پوسٹ ماسٹر اور وہ برآمدے میں آئے۔

"فرمائیے جناب۔" پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

کارڈ پر نظر ڈالتے وقت پوسٹ ماسٹر کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"اوہ......جناب......!" وہ کارڈ واپس کرتا ہوا بولا۔ "کوئی گڑبڑ ہے۔"

"آپ بھی سرکاری آدمی ہیں۔ یہ بات اپنی ہی ذات تک محدود رکھئے گا۔ ہمارے محکمے کو اس آدمی کی تلاش ہے۔ یہ جب بھی آئے اسے یہاں روک کر کوتوالی شہر کو فون کر دیجئے۔ پیغام میں آپ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں "بڑی مونچھیں کیپٹن حمید"۔ اس کے بعد آپ کو اس وقت تک روکے رکھنا پڑے گا جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔"

"میں کیسے روکوں گا جناب۔" پوسٹ ماسٹر کچھ خوفزدہ سا نظر آنے لگا۔

"یہاں آپکے پاس اتنے آدمی ہیں اور آپ ایک دبلے پتلے آدمی کو نہ روک سکیں گے۔"

"اگر اس نے فائر کر دیا تو۔"

"اوہ گھبرائیے نہیں۔ وہ کوئی بدمعاش نہیں ہے۔ ایک شریف آدمی ہے۔ بس دیکھئے میرا محکمہ اُس سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ آپ اگر اسے اتنی دیر باتوں ہی میں لگائے رکھیں گے تو کام بن جائے گا۔"

"اچھی بات ہے جناب میں پوری پوری کوشش کروں گا۔"

"اچھا......کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اس کی ڈاک کئی دن تک پڑی رہ گئی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ وہ یا تو اسی دن پہنچ گئے ہیں جس دن ڈاک آئی ہے یا دوسرے دن۔ تیسرا دن تو میری یادداشت میں کبھی ہوا ہی نہیں۔ یہ سب کچھ مجھے اس لئے یاد ہے کہ میں اسے ایک حیرت انگیز بات سمجھتا ہوں۔ آخر انہیں کس طرح علم ہو جاتا ہے کہ ابھی ان کی ڈاک پہنچی ہے۔"

"آپ نے اس سے اس کے متعلق پوچھا ضرور ہوگا۔"

"جی، پوچھا تھا۔ لیکن انہوں نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا تھا کہ اتفاقات ہیں۔"

"خیر اب آپ خیال رکھئے گا۔"

"یقیناً خیال رکھوں گا جناب۔"

وہ پھر کمرے میں واپس آگئے۔ صوفیہ حمید کو شبے کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

"آؤ چلیں۔" حمید نے اُسے کہا۔

وہ پھر گاڑی میں آبیٹھے اور صوفیہ نے پوچھا۔ "تم اسے باہر کیوں لے گئے تھے۔"

"نہیں بتاتا کم بخت۔"

"کیا مطلب......؟"

"میں کوشش کر رہا تھا کہ وہ پروفیسر کا پتہ بتا دے لیکن کم بخت نے نہیں بتایا۔"

"ممکن ہے وہ جانتا ہی نہ ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ پھر آخر پروفیسر کو اطلاع کیسے ہوتی ہے کہ ان کی ڈاک آئی ہے۔ پوسٹ آفس کا کوئی نہ کوئی آدمی انہیں ضرور اطلاع دیتا ہے۔"

"پھر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ پوسٹ ماسٹر ہی ہو۔"

"چھوڑو! کوئی اور بات کرو۔ مجھے یقین ہے کہ میں ان کا سراغ پالوں گا۔"

"اور کیا بات کروں......میں جلد سے جلد پاپا کے پاس پہنچ جانا چاہتی ہوں۔ وہ کتنے اچھے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتی۔ ممی ہمیشہ ان پر زیادتیاں کرتی رہی ہے۔"

"اگر تمہاری ممی کو سزا ہو گئی تو۔"

"اوہ......تو کیا یہ سچ بھی ہو سکتا ہے......میرے خدا۔ کیا سچ مچ انہوں نے اُسے مار ڈالا ہوگا۔"

"تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ وہ غصے میں پاگل ہو جاتی ہیں۔"

"ہاں......میں نے کہا تھا......لیکن یقین کر لینے کو دل نہیں چاہتا کہ ایسا ہوا ہوگا۔" صوفیہ نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ "ہٹاؤ اس تذکرے کو میرا سر چکرانے لگتا ہے......کوئی اور بات کرو۔"

"میں خود ہی کہہ رہا تھا کہ اس تذکرے کو ختم کردو۔ غلطی تمہاری ہی ہے۔ اگر بکرے ساتھ لائی ہوتیں تو تمہارا دل بھی بہلتا۔"

"مجھے بکروں سے نفرت ہے۔"

"اس کے باوجود بھی وہ تمہارا دل بہلاتا۔" حمید نے کہا۔ "جب وہ کسی بکری کو آنکھ مار تو تم بے حد خوش ہوتیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔" صوفیہ جھینپ گئی۔

"ہاں! یقین کرو۔ اکثر بکری والے میرے پاس اس کی شکایت لائے ہیں۔"

"تم مجھے اچھے خاصے مداری معلوم ہوتے ہو۔"

"لیکن بکرے کا خیال ہے کہ میں قوم کا خادم ہوں۔" حمید نے کہا۔ "کل سے میں سدھار کی اسکیم شروع کرنے جارہا ہوں۔"

صوفیہ کچھ نہیں بولی۔ وہ شاید ہنسنے کے موڈ میں تھی ہی نہیں۔

حمید روپ نگر کے مختلف حصوں میں جیپ دوڑاتا رہا اور ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر وہ صوفیہ کو ایک ہوٹل میں چھوڑ کر روپ نگر کی کوتوالی کی طرف چل پڑا۔ صوفیہ سے اس نے تھا کہ وہ اس کے لئے ایک سہیلی کی تلاش میں جارہا ہے۔ پتہ نہیں صوفیہ نے اس پر یقین کیا نہیں لیکن وہ کچھ بولی بھی نہیں تھی۔ حمید نے مکرر کہا تھا کہ وہ اس کے دوست کی بہن ہے یہیں ایک گرلز اسکول میں پڑھاتی ہے۔ اگر وہ مل گئی تو تینوں کا وقت اچھا گزرے گا۔"

کوتوالی پہنچ کر اس نے انچارج کو حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ پوسٹ ماسٹر کی ط سے پیغام ملتے ہی اُسے بڑی ہوشیاری سے پروفیسر نجمی کو قابو میں کرنا ہوگا۔

اس کے بعد اس نے کوتوالی ہی سے فریدی کو ٹرنک کال کی۔ پھر تقریباً چھ منٹ تک پر گفتگو ہوتی رہی۔ فریدی نے بتایا کہ حمید کی رپورٹ اس کے لئے اطمینان بخش اور مفی تھی۔ لیکن اس سے زیادہ اس نے اور کچھ نہیں کہا۔

اس نے حمید کو تین دن دیئے جنہیں وہ پروفیسر کی تلاش میں صرف کرسکتا ہے۔

ہوٹل واپس آ کر حمید نے صوفیہ کو اطلاع دی کہ اس کی وہ ملنے والی جس کی تلاش میں وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر شہر چلی گئی ہے۔ صوفیہ نے اس معاملے پر مزید رائے زنی نہیں کی۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیوں نہ ہم یہیں کسی ہوٹل میں چلے آئیں۔"

"نہیں مجھے ڈاک بنگلے کی پرسکون فضا بہت پسند ہے۔" صوفیہ نے جواب دیا۔

"ہاں.....!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "چاروں طرف حسین مناظر بکھرے پڑے ہیں۔"

"چلو وہیں چلیں۔ میں یہاں اکتاہٹ محسوس کررہی ہوں۔ مجھے کھلی ہوا اور سناٹے سے ہے۔"

"میں نے ایک بار کھلی ہوا کو پیار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے منہ کے بل نیچے چلا آنا ں دن یہ بات میری سمجھ میں آئی تھی کہ کھلی ہوا کو پیار کرنے سے پہلے ایک عدد پیراشوٹ ام ضرور کرلینا چاہیئے۔"

"پتہ نہیں تم کیا کہہ گئے۔ میں نے کچھ نہیں سنا۔"

"غالباً تم اس وقت خود کو کھلی ہوا میں محسوس کررہی ہو۔"

"نہیں بتاؤ کیا کہہ رہے تھے۔"

"ہام.....!" حمید نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ کھلی ہوا ہت اچھی چیز ہے۔ کیا تم نے کبھی کھلی ہوا میں پتنگ اڑانے کی کوشش کی ہے۔"

"یا تو تم بہت بڑے فلسفی ہو یا بالکل احمق۔ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"حالانکہ بکرے بھی میری باتیں سمجھ لیتے ہیں۔"

"تب تم بھی بکرے ہی ہوگے۔" صوفیہ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر اہا جیسے یک بیک اسے سکتہ سا ہوگیا۔ اس کی نظر سامنے والی لمبی راہداری کی طرف تھی۔

"کیا بات ہے۔" حمید بوکھلا گیا۔

"بابا" اس نے آہستہ سے کہا پھر اس طرح اُٹھی جیسے کرسی نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ تیر کی راہداری میں چلی جارہی تھی۔ پھر حمید نے اُسے آخری سرے والے دروازے میں رکتے دیکھا۔

چھلاوہ

یہ دروازہ دوسری جانب سڑک پر کھلتا تھا اور اس وقت بھی کھلا ہی ہوا تھا۔ حمید نے م
تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''آں......!'' وہ چونک پڑی۔ چند لمحے حمید کی طرف دیکھتی رہی پھر جلدی جلدی
لگی۔ ''وہ پاپا ہی تھے۔ میں نے صاف پہچانا تھا۔ وہ اسی راہداری کے کسی کیبن سے نکلے
اور پھر اس دروازے سے باہر چلے گئے۔''

''آخر ان میں کون سی خصوصیت ہے۔ جس کی بناء پر کوئی انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔''

''ان کی مونچھیں......'' صوفیہ نے ایک طویل سانس کے ساتھ کہا۔ ''ان کے دُبلے
چہرے پر وہ ضرورت سے زیادہ بڑی مونچھیں عجیب لگتی ہیں۔''

''ٹھہرو...... میں اس ویٹر سے پوچھتا ہوں جو ان کیبنوں میں سرو کر رہا تھا۔'' حمید
تیزی سے قدم بڑھائے اور ویٹر کو جالیا۔ جو شاید کچن کی طرف جا رہا تھا۔

''کیا یہاں بڑی مونچھوں والے کوئی صاحب تھے۔ لمبے سے دُبلے پتلے۔''

''جی ہاں تھے۔''

''کیا وہ یہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔''

''جی ہاں۔ اکثر تشریف لاتے ہیں۔'' ویٹر نے کہا اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے

''وہ میرے والد ہیں۔ گھر سے لڑ کر چلے آئے ہیں۔'' حمید نے مغموم آواز میں کہا

''آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں۔'' ویٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں بھئی کیوں نہیں۔''

''تو پھر آج شام کو آجایئے۔ وہ جب بھی دوپہر کا کھانا یہاں کھاتے ہیں رات
لازمی طور پر یہیں کھاتے ہیں۔''

''اوہ...... بھئی بہت بہت شکریہ۔'' حمید نے جیب سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر ویٹر کی
میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ مگر انہیں اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں ان کی تلاش میں
۔ ورنہ وہ یہاں ایک سیکنڈ بھی نہ ٹھہریں گے۔''

''نہیں جناب آپ مطمئن رہیے ایسا نہ ہو سکے گا۔''

''لیکن اگر وہ آج شام کو نہ آئے تو۔''

''ابھی تک تو یہی ہوتا آیا ہے جناب کہ وہ جب بھی دوپہر کو تشریف لاتے ہیں تو شام کو
ور یہیں کھانا کھاتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے...... تو میں یہاں کس وقت آجاؤں۔''

''یہی سات بجے تک۔'' ویٹر نے کہا۔

حمید اس کے چلے جانے کے بعد وہیں کھڑا رہا۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' صوفیہ نے پوچھا۔ ان کی گفتگو اس نے نہیں سنی تھی۔ گفتگو کے
اوہ سرے والے دروازے ہی پر کھڑی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

''تمہارا خیال درست تھا۔ وہ تمہارے پاپا ہی تھے۔'' حمید نے جواب دیا۔

''تھے نا...... میں انہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتی۔ مگر وہ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گئے۔''

''کیا تم نے انہیں دروازے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔''

''میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔ ایک لحظہ کے لئے پلکیں جھپک گئی تھیں لیکن وہ
ے کے قریب ضرور نظر آئے تھے۔ مجھے یقین ہے۔''

حمید پھر دروازے کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر رک گیا۔ دروازے کے قریب بائیں
پیشاب خانہ تھا۔

''اوہ......!'' حمید صوفیہ کی طرف مڑا۔ وہ بھی شاید معاملہ کی تہہ تک پہنچ رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے۔'' حمید بولا۔ مگر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے پیشاب خانے کے کیواڑوں
دھکا دیا جو نہایت آسانی سے کھل گئے۔ دوسری طرف بھی دروازہ نظر آیا جس کے پاٹ

خفیف سے کھلے ہوئے تھے۔حمید نے اندر گھس کر انہیں بھی کھول دیا۔دوسری طرف ایک پتّ
سی گلی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ پھر اپنی میز پر آ بیٹھے۔حمید کہہ رہا تھا۔''وہ پیشاب خانے میں گھس کر اُ
گلی سے نکل گئے۔''

''مگر کیوں؟انہوں نے ایسا کیوں کیا۔''صوفیہ بولی۔

''شاید انہوں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔''

''اوہ......تو کیا وہ مجھ سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں۔''صوفیہ نے دردناک آواز میں کہا

''اس کا جواب وہ خود ہی دے سکیں گے۔''حمید نے کہا اور ایک ویٹر کو قریب بلا کر
کے لئے ہدایت دینے لگا۔

''میں کیا کروں۔''صوفیہ پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔

حمید نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور شاید اس کے رویہ نے بھی صوفیہ کو تھوڑی سی تکلیف
پہنچائی۔کچھ دیر بعد حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔''یہ بات میں سمجھنے سے قا
ہوں کہ وہ اس طرح دور دور رہنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔میں نے مانا کہ ان کی مشینو
کے پرزے چوری ہو جاتے ہیں۔لیکن کیا وہ اپنی مشینوں کے نمونے جیب میں لئے پھر
ہیں۔مشینوں کے نمونے آدمیوں سے بھاگے بغیر بھی پوشیدہ رکھے جا سکتے ہیں اور پھر تم تو ان
لڑکی ہی ہو۔کیا وہ تم پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے۔''

''خدا جانے......میں سب کچھ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔''

''نہیں شائد تم ان چوروں سے دوستی رکھتی ہو جو ایک بار پہلے بھی ان کی ایک مشین
نمونہ چرا کر اپنے نام سے پیٹنٹ کرا چکے ہیں۔''

''پتہ نہیں تم کیا بات کر رہے ہو۔''صوفیہ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔''تم اس طرح
مضحکہ نہ اڑاؤ۔''

''خیر اب میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہ کروں گا۔''حمید نے رومال کر کراہوتے دیکھ

سلیم کر لی۔

نچ کے بعد وہ پھر ڈاک بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔حمید نے صوفیہ کی طرف دیکھا جس
ے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔حمید دل ہی دل میں پروفیسر کو گالیاں دینے لگا جس نے
ح اچانک ظاہر ہو کر اس کی تفریح برباد کر دی تھی۔اس کی دانست میں اب صوفیہ کو موڈ
بہت مشکل کام ہو گیا تھا۔

ہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے جیپ ڈرائیو کرتا رہا۔

''دیکھو ایک بات سمجھ میں آ رہی ہے۔''صوفیہ نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔

''کیا......؟''

''پاپا......مجھے نہیں بلکہ تمہیں دیکھ کر اس طرح چلے گئے۔''

''کیوں......انہوں نے کوئی جرم کیا ہے؟''حمید آنکھیں نکال کر بولا،مگر پھر سنبھل گیا۔
ال آ گیا کہ یہ طرز تخاطب اس کا موڈ خراب کر دے گا لہٰذا اس نے کہا''اوہ اچھا میں سمجھ
ہ اس لئے کہ پولیس کے سامنے نہیں آنا چاہتے کہ کہیں ان کا کام کچھ دنوں کے لئے
جائے۔غالباً وہ اپنی مشین مکمل کر لینے کے بعد ہی پولیس سے رابطہ قائم کرنے کا ارادہ
یں۔ٹھیک بھی ہے۔پتہ نہیں یہ چکر کب تک چلتا رہے اور انہیں ادھوری مشین کو مکمل
کا موقع نہ مل سکے۔''

''ہاں......!''صوفیہ کا چہرہ کھل گیا۔''میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔''

''تو اس میں فکر کی کیا بات ہے۔میں ان سے صرف دو یا تین باتیں پوچھوں گا۔اس کے
ول جاؤں گا کہ کبھی ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔''

''تم بہت اچھے ہو۔''صوفیہ نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مگر یہ پاپا لوگ ہوتے ہیں پکے فراڈ۔''

''کیا مطلب......؟''

''میں تمہارے پاپا کو نہیں کہہ رہا ہوں۔اس وقت مجھے اپنا پاپا یاد آ رہا ہے۔''

"کیوں.....؟" صوفیہ نے حیرت سے کہا۔ "تم بڑی بدتمیزی سے ان کا تذکرہ کر رہے ہو۔"

"کیا کروں......ان کی ذات سے کچھ ایسی تلخ یادیں وابستہ ہیں۔"

"کیا وہ بہت ظالم تھے۔"

"یقیناً......اتنے ظالم کہ آج تک شادی کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں پیدا ہوسکی۔"

"تم مجھے پہیلیاں نہ بجھایا کرو۔"

"ان کی تین بیویاں تھیں اور ساڑھے چار درجن بچے، جن میں سے ایک میں ہوں۔ مجھے وہ سب بچے آج بھی یاد ہیں۔ جس وقت وہ سب بچے پیار پر آمادہ ہوتے پاپا کو جان چھڑانی مشکل ہوجاتی۔ آخر ایک دن تنگ آ کر انہوں نے کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ تینوں بیویوں میں جنگ چھڑ گئی۔ ہر ایک دوسری پر الزام رکھتی کہ اسی کے بچوں سے تنگ آ کر پاپا نیک کام کر بیٹھے ہیں۔ پاپا اس وقت تک کنویں میں زندہ تھے۔ اچانک یہ تینوں کنوئیں پر آ گئیں اور لگیں چیخ چیخ کر پوچھنے کہ قصور کس کے بچوں کا تھا...... پاپا نے چیخ کر کہا 'ارے پہلے مجھے نکالو پھر میں بتاؤں گا کہ قصور دراصل ایک اشتہار باز یونانی دواخانے کا ہے مگر ان تینوں نہ سنی۔ جب بات زیادہ بڑھی تو ان تینوں نے بھی ایک ساتھ کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ نتیجہ ہوا کہ پھر دوسری بار پاپا نہ ابھر سکے۔ وہ چار لاشیں مجھے اب بھی یاد ہیں اور اب میں سوچتا ہوں کہ پہلے ایک کنواں تیار کرالوں پھر شادی کروں۔ کیا خیال ہے۔"

"بہت شریر ہو۔" صوفیہ ہنستی ہوئی بولی۔ "کیا واقعی تم نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"

"نہیں......ابھی میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ ایک کنواں کھدوا سکوں۔"

"تم ایک کھلنڈرے آدمی معلوم ہوتے ہو، ایسے لوگ کبھی شادی نہیں کرتے۔"

"ارے جاؤ......ہٹلر جیسا کھلنڈرا آدمی بھی بیوی نہ سہی محبوبہ تو رکھتا ہی ہوگا۔"

"اور تم......کیا تمہاری ایک درجن سے کم محبوبائیں ہوں گی۔"

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "تم ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھیں۔ ارے مجھے آج تک محبوبہ تو کیا اس کی کتیا بھی نصیب نہیں ہوئی۔ ویسے ملنے کو بہت

ار دن سے زیادہ کوئی نہیں ٹھہرتی۔ میں انہیں بور معلوم ہونے لگتا ہوں اور پھر وہ کوئی نہ تراش کر کھسک جاتی ہیں۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی وہ ملتی رہی کہیں ایک دن اتفاق سے باتوں ہی باتوں میں میں نے کہہ دیا کہ مجھے لنگڑا والی لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ بس دوسرے ہی دن سے اس نے لنگڑانا شروع کر دیا۔"

وفیہ ہنسنے لگی اور پھر بولی۔ "تم مجھے بیوقوف کیوں بنا رہے ہو۔"

سب لڑکیاں یہی کہتی ہیں اور میں غصے سے پاگل ہوجاتا ہوں۔"

وفیہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ جیپ ڈاک بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہاں ملازم ایک ڈنڈا لئے حمید کے بکرے کو دوڑاتا پھر رہا تھا۔

او عقل کے دشمن کیا ہو رہا ہے۔" حمید دہاڑا۔

کر رک گیا اور اس نے کہا۔ "ارے صاحب کیاریاں برباد کر دیں اس نے۔"

تو ڈنڈا لے کر......؟"

پھر کیا کروں صاحب۔" نوکر نے بیزاری سے کہا۔

بھی کسی پڑھے لکھے اور سلیم الطبع بکرے سے سابقہ پڑا ہے۔"

سلیم صاحب بکرے نہیں پالتے۔" نوکر نے اور زیادہ بیزاری سے کہا۔

کون سلیم صاحب۔" حمید نے جیپ سے اترتے ہوئے کہا۔

وہی......ڈبلو ڈی کے اُوسیار۔"

ڈبلوڈی کے اُوسیار۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "یہ کیا چیز ہے گا۔"

وہی جو سڑکیں بنواتے ہیں۔"

خدا غارت کرے......ارے وہ پی ڈبلیوڈی کا اُوورسیئر ہوگا۔"

ہاں......ہاں......اواورسوٗر، مجھے ٹھیک سے نہیں یاد رہتا۔"

اُوورسیئر......!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

ہوگا کچھ صاحب۔ مجھ سے نہیں بنتا۔" نوکر بالکل ہی بیزار نظر آنے لگا۔

"بہر حال یہ ایک خاندانی بکرا ہے سمجھے۔ آئندہ تم ایسی بدتمیزی سے پیش نہ آنا۔"

"صاحب لوگ کہتے ہیں باغ لگاؤ...... آپ بکرا ساتھ لائے ہیں۔"

حمید نے بکرے کا کان پکڑا اور اسے اندر لیتا چلا آیا۔

"کیوں بے۔" وہ اس کے منہ پر تھپڑ مارتا ہوا بولا۔ "تجھے کیا ہوگیا۔ شاعری کرتے کرتے پھول پتے چبانے لگے۔" پھر صوفیہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "سنا تم نے یہ کہہ رہا ہے...... کہتا ہے کم بخت کہ حسن چبانے کے لئے ہے دیکھنے کے لئے نہیں۔"

"تم شاید زیادہ کھا گئے ہو۔" صوفیہ جل کر بولی۔ "اب کچھ دیر آرام کرلو۔ ورنہ دماغ بالکل ہی الٹ جائے گا۔"

شاید اب وہ بھی ہنستے ہنستے مضمحل ہوگئی تھی اور فی الحال حمید سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

حمید لباس تبدیل کرکے برآمدے میں چلا آیا۔ صوفیہ کمرے میں ہی پڑی اونگھتی رہی۔

حمید دراصل اس کا دھیان بٹانے کے لئے اس قسم کی بکواس کرتا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کی مغموم آنکھیں اسے اپنے لئے تکلیف دہ معلوم ہونے لگی تھیں، لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ وہ کسی وقت بھی مغموم نہ نظر آئے۔

یہ سلسلہ ختم ہوتے ہی ایک بار پھر ڈوروتھی کے قتل کا کیس اس کے ذہن میں ہیجان برپا کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر پروفیسر نے اس طرح ڈاج دے کر نکل جانے کی کوشش کیوں کی تھی۔ کیا اُسے خوف نہیں ہے کہ ان حالات میں پولیس اس پر بھی شبہ کرسکتی ہے۔

فریدی اور صدانی کی ہدایات اس تک پہنچ جانے کے بعد بھی اس کا یہ رویہ ذہنی توازن کی خرابی کی طرف اشارہ کرسکتا ہے۔ یا پھر وہ حقیقتاً مجرم ہی تھا۔ ہوسکتا ہے ڈوروتھی کی اصلیت معلوم ہوجانے کے بعد اسے اس پر اتنی ہی شدت سے غصہ آیا ہو کہ اس نے اسے قتل ہی کردیا ہو۔ لیکن یہاں تک سوچنے کے بعد پروفیسر کی بیوی ایک سوالیہ نشان بن کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اگر پروفیسر ہی ڈوروتھی کا قاتل ہے تو پھر یہ عورت کس قسم کا رول ادا کررہی ہے۔ اس نے لاڈیل کے بیان میں ترمیم کرانے کی کوشش کیوں کی اور پھر ایسی صورت میں جبکہ

بھی واردات والی رات کو اسی وقت ہوٹل ڈی فرانس سے غائب رہی تھی جس وقت ا کا قتل ہوا تھا۔ پھر اس لڑکی کا بیان ہے کہ وہ غصے کی حالت میں کسی کو قتل بھی کرسکتی ہے۔

حمید سوچتا رہا اور الجھنیں بڑھتی رہیں۔ لنچ کے بعد سچ مچ وہ معدے میں کچھ گرانی سی کرنے لگا تھا۔ وہ آرام کرسی میں پڑے پڑے سو گیا۔ پتہ نہیں وہ کب تک سوتا رہا۔ اگر اسے جھنجوڑ کر نہ جگاتی تو شاید وہ رات تک سوتا ہی رہ جاتا۔

"اوہ تم سو رہے ہو۔ دیکھو چھ بج گئے ہیں، ہمیں سات بجے ہوٹل میں پہنچ جانا چاہئے۔"

حمید اٹھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں تمہارے پاپا کے نہ ہی آؤں۔"

"پھر کیسے کیا ہوگا۔"

"تم ہال میں ٹھہرنا اور میں باہر رہوں گا۔ ورنہ اگر وہ اس وقت بھی ڈاج دے کر نکل گئے دگا۔"

"تم اٹھو بھی تو...... لباس تبدیل کرو۔ وہ سب کچھ گاڑی میں بیٹھ جانیکے بعد سوچا جائیگا۔"

حمید نے جلدی جلدی غسل کیا اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ شاید وہ بہت دنوں بعد دوپہر کو ا۔ اسی لئے اس کی طبیعت کچھ کسلمندی سی ہوگئی تھی۔ پھر بھی حمید اس موقعے کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا تھا۔

اس نے کپڑے تبدیل کرکے ریوالور جیب میں ڈالا اور قصبے کی طرف جانے کے لئے گیا۔ صوفیہ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہی تھی۔

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ تجویز بہت معقول ہے کہ میں ہال میں ٹھہروں م باہر انتظار کروگے۔ لیکن خدارا...... پاپا کے سلسلہ میں وہی کرنا جو تم پہلے کرچکے ہو!"

مصیبت آئی

وہ دونوں ساڑھے چھ بجے بستی میں پہنچ گئے لیکن حمید نے وہاں پہنچتے ہی ہوٹل کا رخ نہیں

کیا۔ اس نے کہا کہ انہیں سات بجے سے پہلے وہاں نہ جانا چاہئے۔ سات بجے تک اندھیرا
پھیل جاتا اور حمید کو باہر سے نگرانی کرنے میں دشواری نہ ہوتی۔

وہ سات بجنے کے انتظار میں شہر کی سڑکوں کے چکر لگانے لگے۔ ایک جگہ حمید نے اتر
ایک جنرل اسٹور سے پرنس ہنری کا تمباکو خریدا اور پھر گاڑی کی طرف واپس آ ہی رہا تھا
اچانک روپ نگر کے بوڑھے پوسٹ ماسٹر سے ملاقات ہوگئی۔

وہ بھی حمید کو دیکھ کر رک گیا۔

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو آج آپ ہی تشریف لائے تھے۔'' اس نے کہا۔

''جی ہاں فرمائیے۔''

''آپ کے ساتھ ایک محترمہ بھی تھیں۔''

''جی ہاں تھیں تو...... فرمائیے۔''

''ان کے چہرے پر بعض جگہ نیلے نشانات تھے۔''

''جی ہاں یہ بھی صحیح ہے۔''

''آپ کے جانے کے بعد ایک معمر خاتون پوسٹ آفس میں تشریف لائی تھیں۔''

''پھر......!''

''انہوں نے بھی انہیں صاحب کے متعلق پوچھ گچھ کی تھی جس کی تلاش آپ کو۔
انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ یہاں کوئی یوریشین لڑکی تو نہیں آئی تھی۔''

''پھر آپ نے کیا کہا۔''

''میں چونکہ آپ کی شخصیت سے واقف ہو چکا تھا اس لئے میں نے لاعلمی ظاہر کی۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا جناب...... میں شکر گزار ہوں۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ ان کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔''

''کیا وہ بھی کوئی یوریشین ہی تھیں۔''

''جی ہاں۔''

''ان سب معاملات کے متعلق اپنی زبان بند ہی رکھئے گا۔''

''قطعی جناب...... میں سمجھتا ہوں۔''

''شکریہ...... ہاں آج تو اس کی ڈاک نہیں آئی۔''

''نہیں جناب۔ میں نے آج خاص طور سے اس پر دھیان دیا تھا۔ لیکن آج ان کی
نہیں آئی۔''

''بہر حال اس سلسلے میں آپ سے جو کچھ کہا جا چکا ہے وہی کیجئے گا۔''

''آپ مطمئن رہئے...... سرمو فرق نہ ہونے پائے گا۔''

''شکریہ۔'' حمید نے کہا اور اس سے مصافحہ کر کے گاڑی کی طرف آ گیا۔

''کہاں رہ گئے تھے۔'' صوفیہ نے پوچھا۔

''یہ نہ پوچھو...... تمہارے لئے کوئی اچھی اطلاع نہیں ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' حمید نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ جیپ پھر چل پڑی اور حمید
''تمہاری ماں یہاں پہنچ گئی ہیں۔''

''نہیں......!'' اس نے تحیر زدہ سی آواز میں کہا۔

''یقین کرو...... ابھی مجھے بوڑھا پوسٹ ماسٹر ملا تھا۔ وہ ہمارے بعد ہی پوسٹ آفس پہنچی تھیں
ان نے نہ صرف پروفیسر کے متعلق پوچھ گچھ کی تھی بلکہ تمہارے بارے میں بھی پوچھا تھا۔''

''میرے بارے میں کیا پوچھا تھا۔''

''یہی کہ کیا کوئی ایسی لڑکی بھی پروفیسر کے بارے میں چھان بین کرنے آئی تھی جس
چہرے پر ہلکے ہلکے نیل پڑے رہے ہوں۔''

صوفیہ خاموش ہوگئی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''تمہیں صدانی پر بڑا اعتماد تھا۔ آخر اُس نے بتا ہی دیا۔''

''میں یقین نہیں کر سکتی کہ انہوں نے بتایا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں کسی اور ذریعہ سے

معلوم ہوا ہو۔"

"ہوسکتا ہے...... پروفیسر کے متعلق کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوا ہو۔لیکن تمہارے تو
کس سے علم ہوسکتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس کا علم صمدانی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا کہ تم پروفیسر
تلاش میں یہاں آئی ہو۔"

صوفیہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔"میں اس پر یقین نہیں کرسکتی کہ مسٹر
نے ممی کو میرے متعلق کچھ بتایا ہوگا۔البتہ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس کا تذکرہ تمہا
آفیسر سے کیا ہو۔"

حمید کو یاد آگیا کہ آج اس نے ہی فریدی کو فون پر اس کی اطلاع دی تھی کہ صوفیہ
یہاں کن حالات میں ملی ہے تو کیا فریدی ہی نے اسے بتایا ہوگا۔لیکن اس کا مقصد کیا ہوسکتا
کیا یہی کہ پروفیسر خود کو چاروں طرف سے گھرا ہوا محسوس کر کے بوکھلاہٹ میں سامنے آجا

"کیوں تم خاموش کیوں ہوگئے۔"صوفیہ نے پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں ممکن ہے میرے آفیسر ہی سے انہیں اس کا علم ہوا ہو کیونکہ
نے بھی کرنل کو تمہارے متعلق فون پر اطلاع دی تھی۔مگر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت
ویسے تمہاری عمر کیا ہے۔"

"بائیس سال......!"

"اوہ تب تو تمہاری ماں تمہیں زبردستی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتیں۔تم بالغ ہو چکی ہو۔

صوفیہ کچھ نہ بولی۔کچھ دیر بعد اس نے اس کی سسکیوں کی آوازیں سنیں۔

"ہائیں......تم رو رہی ہو۔"حمید بوکھلا گیا۔

صوفیہ روتی رہی۔

"کمال کرتی ہو۔"حمید بولا۔"ارے میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ ر
مجبور نہیں کرسکیں گی۔"

اس کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں اور حمید کی بوکھلاہٹ بدستور قائم رہی۔اس کی سمجھ م

ا کہ وہ اسے کس طرح چپ کرائے۔اگر کسی نے اسے اس طرح روتے دیکھ لیا تو کیا
ا۔حمید نے گاڑی ایسے راستوں پر موڑنی شروع کردی جہاں زیادہ روشنی نہ ہو اور پھر اس
ں وہ راستہ بھٹک گیا۔روپ نگر اس کے لئے نئی جگہ تھی۔

اس طرح بھٹکتا ہوا وہ بستی سے باہر نکل آیا۔صوفیہ ابھی تک روئے جارہی تھی۔اب حمید
ہٹ نے حملہ کیا۔اس نے جیپ روک کر ریڈیم ڈائیل والی گھڑی پر نظر ڈالی۔سوا سات
تھے،حالانکہ ٹھیک سات بجے اسے ہوٹل میں ہونا چاہئے تھا۔

"کیوں......ہم کہاں آگئے۔"صوفیہ نے سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جنت میں۔"حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔"میں نے یہی مناسب سمجھا کہ جنت کا
ا جائے۔ورنہ تمہیں اس حال میں دیکھ کر یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ مجھے جہنم میں پہنچا دیتے۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔سر بُری طرح چکرا رہا ہے۔میں اب کہیں نہ جاؤں گی۔
ک بنگلہ لے چلو۔"

"یہی مناسب بھی ہے۔"حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیا تم خفا ہوگئے ہو۔"صوفیہ نے بھی اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

"نہیں میں بہت خوش ہوں۔اتنا خوش جیسے میرے پاپا نے پانچویں شادی کرلی ہو۔"

"میں کیا کروں؟"صوفیہ نے دردناک آواز میں کہا۔"کیا تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔"

"دیکھو!تم خوامخواہ پریشان ہورہی ہو۔"حمید نرم لہجے میں بولا۔"میں وعدہ کرتا ہوں
اری مرضی کے خلاف کچھ نہ ہونے دوں گا۔"

"میں ڈرتی ہوں کہیں ممی کا سامنا نہ ہوجائے۔"

"اگر ہوا بھی تو کیا ہوگا۔"

"میں نہیں جانتی کیا ہوگا۔مگر میں نہیں چاہتی کہ اب ممی سے دوبدو ہونے کا کوئی موقع آئے۔"

"کیا ہمیشہ کے لئے۔"

"ہاں......ہمیشہ کے لئے۔پاپا کی زندگی ممی ہی نے برباد کی ہے۔اگر انہیں دوسری

عورتوں سے دلچسپی ہے تو اس کی ذمہ دار بھی ممی ہی قرار دی جاسکتی ہیں۔ تم خود سوچو......!"

حمید نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کر دیا اور اس کے شور میں صوفیہ کی آواز دب کر رہ گئی۔

"ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔" حمید نے اس وقت پوچھا جب گاڑی کو موڑ کر دوبارہ شہر کا رخ کر چکا تھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔"

"پاپا کی بربادی کی ذمہ دار ممی کو قرار دے رہی تھی۔"

"ختم کرو...... میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہوتی جارہی ہے۔ ڈاک بنگلے واپس چلو۔"

"میں وہیں چل رہا ہوں لیکن اس کے لئے بھی ہمیں دوبارہ بستی میں واپس جانا پڑے گا۔ میں راہ بھٹک گیا ہوں۔"

"کیا تم پہلی بار یہاں آئے ہو۔"

"ہاں......!"

صوفیہ پھر کچھ نہ بولی۔ حمید بدقت تمام اس سڑک تک پہنچ سکا جو ڈاک بنگلے کیطرف جاتی تھی۔

"پاپا وہاں ضرور آئے ہوں گے۔" دفعتاً صوفیہ نے کہا۔

"ہوسکتا ہے۔"

"تم سچ مچ خفا معلوم ہوتے ہو۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ڈاک بنگلے میں پہنچ گئے۔

لیکن کمرے میں قدم رکھتے ہی دونوں پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ سامنے ہی مسز نجمی آرام کرسی میں بیٹھی ہوئی دونوں کو خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔ بیٹھنے کا انداز ایک ایسی کا سا تھا جو شکار کی تاک میں ہو۔

"کیوں...... کتیا۔" وہ صوفیہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "تجھے شرم نہیں آئی تھی۔"

حمید نے دیکھا کہ صوفیہ کی حالت یک بیک زیادہ ابتر ہوگئی۔ وہ کسی سردی کھائے

کانپ رہی تھی۔

"یہ پناہ میں ہے۔" حمید نے گرج کر کہا۔ "تم اسے بھی قتل کر دینا چاہتی ہو...... کیوں؟"

"تم خاموش رہو۔ یہ میری بیٹی کا معاملہ ہے۔ اگر دخل اندازی کرو گے تو میں قانونی طور سے نپٹ لوں گی۔ تم اسے پھسلا کر بھگا لائے ہو۔"

"ممی...... تم جھوٹی ہو۔" صوفیہ حلق کے بل چیخی۔

"یہ مجال تیری کہ میری بات رد کر دے۔" مسز نجمی صوفیہ کی طرف جھپٹی۔ لیکن یدان یان آگیا۔

"ہٹ جاؤ تم سامنے سے...... ہٹ جاؤ...... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"میں ابھی تمہیں جیل بھجوا دوں گا مسز نجمی۔ تم نے ایک بار پہلے بھی لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

مسز نجمی رک گئی۔ لیکن حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور رہی تھی۔

"یہ میری لڑکی ہے۔" اس نے حلق پھاڑ کر کہا۔

"تم اسے ثابت نہ کر سکو گی۔ لیکن میں اسے اپنی بیوی ثابت کر سکتا ہوں۔"

"میں تمہارا خون پی لوں گی۔"

"برف ڈال کر پینا کیونکہ وہ بہت گرم ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

صوفیہ کا بازو پکڑ کر اُسے دوسری آرام کرسی تک لے گیا۔

"تم اطمینان سے بیٹھو...... تمہاری ممی بہت غصے میں ہیں۔ میں ان کے لئے ٹھنڈے ا کا انتظام کروں گا۔"

"نہیں...... خدا کے لئے انہیں اور زیادہ غصہ نہ دلاؤ۔" صوفیہ نے آہستہ سے کہا۔

حمید اُسے بٹھا کر مسز نجمی کی طرف مڑا۔ وہ اب بھی وہیں کھڑی تھی، لیکن کسی بت کی طرح بے حس و حرکت...... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی غیر متحرک نظر آرہی تھیں۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ کسی قسم کی محویت سے چونکی اور اسی آرام کرسی کی طرف مڑ گئی جس پر سے اٹھی تھی۔

"اس وحشی پن کی مثال شاید جانوروں میں بھی نہ ملے مسز نجمی۔" حمید نے کہا۔

"وہ میری لڑکی ہے۔ کیا تم عقل کے اندھے ہو۔" مسز نجمی مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

"تب پھر تم اسے قتل کر دو۔ قانون تمہیں ہر حال میں معاف کر دیگا کیونکہ تم اس کی ماں ہو"

"تجھے ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ صوفیہ تو سن رہی ہے یا نہیں؟" اس کی
ماں نے اُسے للکارا۔

"میں پاپا کے ساتھ رہوں گی۔" صوفیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ تیرا پاپا ہے۔" وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخی۔

"اگر یہی بات ہوتی تو تم اتنی غصہ ور اور چڑچڑی نہ ہوتیں۔" حمید نے پھر مضحکہ اڑا
والا انداز اختیار کیا۔

"میں تمہارا منہ نوچ لوں گی ورنہ خاموش رہو۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گی...... ایک مثال میرے سامنے موجود ہے۔"

"میں کہتی ہوں تم خاموش رہو مجھے اس کتیا سے گفتگو کرنے دو۔"

"اگر یہاں کوئی کتیا موجود ہوتی تو میں اُسے اور تمہیں کمرے سے باہر نکال دیتا۔ کی
رات کو مجھے کتیوں اور کتوں کے مکالمے بالکل پسند نہیں آتے۔"

"خاموش رہو۔" وہ اتنے زور سے چیخی کہ اس کی آواز پھٹ گئی اور اس پر کھانسی
دورہ پڑ گیا۔

"کیپٹن پلیز...... خدا کے لئے۔" صوفیہ نے ہاتھ اٹھا کر نحیف آواز میں کہا۔

"میں قطعی خاموش ہوں تم دونوں گفتگو کرو۔" حمید نے ملازم کی طرف دیکھ کر
برآمدے میں کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر اُسے وہاں سے جا
اشارہ کیا۔

"ہاں بول کیوں آئی تھی یہاں۔" مسز نجمی نے حمید پر دانت پیستے ہوئے صوفیہ سے پو

"میں پاپا کی تلاش میں آئی تھی۔ مجھے...... مم...... مجھے...... اجازت......!"

"ہاں اب تجھے اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔ تو اب بالغ ہوگئی ہے۔ یہی بات ہے۔
تو شاید بھول رہی ہے کہ میں کون ہوں۔"

"ممی خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"اسی حال پر چھوڑ سکتی ہوں، جب تیرا جسم روح سے خالی ہو جائے۔"

"تو پھر تم مجھے مار ہی ڈالو۔" صوفیہ نے سسکی لی۔

"میں تجھے سسکا سسکا کر ماروں گی۔"

"ارے...... تم ماں ہو اس کی۔" حمید بول پڑا۔

"پھر تم نے دخل دیا۔"

"ہاں...... میں یہاں قانون کا نمائندہ ہوں، تم میری موجودگی میں اسے قتل کی دھمکی
کر آزاد نہیں رہ سکتیں۔"

"کیپٹن پلیز......!" صوفیہ نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "اب تم خاموش
بہت ہو چکا میں کسی فرد کو نظر انداز نہیں کر سکتا، جس پر ڈوروتھی کے قاتل کا شبہ کیا جا رہا ہو۔"

"اُسے ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آجائے گا۔" مسز نجمی نے زہر خند کے ساتھ کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے...... اگر میں کسی ستون کو دھکے مار مار کر گرانے کی کوشش کروں گا تو یقیناً
ں کیا آنکھوں میں بھی پسینہ آسکتا ہے لیکن اگر میں اس کی بجائے ستون کو بنیاد سے کھودنا
ع کر دوں تو...... تب کیا ہوگا...... مسز نجمی۔"

"میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" وہ شانوں کو جنبش دے کر لاپرواہی سے بولی۔

"میں تمہارے خلاف چھوٹے چھوٹے جرائم کے لئے ثبوت مہیا کروں گا۔ مثلاً ڈوروتھی
کیس میں تم نے ایک گواہ کے بیان میں ترمیم کرانے کی کوشش کی تھی اور اس کے لئے دو
لاکھ آفر تھا......!"

وہ یک بیک اچھل کر کھڑی ہوگئی...... اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح بے جان
آنے لگا تھا۔

خوفناک دھماکہ

یہ اطلاع صوفیہ کے لئے بھی شاید ڈراؤنی ہی تھی۔ وہی کیفیت اس کی بھی ہوئی لیکن اس
کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ حیرت بھی تھی۔

"ممی......!" وہ تھوک نگل کر بولی۔ لیکن اس کے آگے اور کچھ نہ کہہ سکی۔

"تم نے......!" حمید نے مسز نجمی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ "مسز لاڈیل کے بیان میں
ایک ایسا اضافہ کرانا چاہا جس کی بناء پر پروفیسر کے لئے پھانسی کے تختے کے علاوہ دنیا میں اور
کوئی جگہ نہ ملتی۔"

"ممی......!" صوفیہ ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

لیکن مسز نجمی کوئی جواب دیئے بغیر آرام کرسی میں ڈھیر ہوگئی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی
تھی اور اس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

"یہ تم کیا کر رہی تھیں......ممی......!" صوفیہ پھر چیخی۔

"تم خاموش رہو۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا "یہ ابھی اعتراف کریں گی کہ ڈوروتھی کی
قاتلہ یہی ہیں۔"

"یہ غلط ہے...... بالکل غلط۔" مسز نجمی نے ہاتھ اٹھا کر کمزور آواز میں کہا۔ پھر خشک
ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔ "لیکن اس کا اعتراف ہے کہ میں نے لاڈیل کے بیان میں فائر
آواز کا اضافہ کرانے کی کوشش کی تھی۔"

"ممی......تم کتنی ظالم ہو۔" صوفیہ نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مسز نجمی رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ خشک کر رہی تھی۔ پھر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی ا
ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں
میں پھر وہی پہلی سی چمک عود کر آئی اور جبڑوں کی رگیں ابھرنے لگیں۔ شاید اس نے بہت
سے دانتوں پر دانت جمائے تھے۔

"ہاں......میں ظالم ہوں۔ پھر......کیا میں تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ تم ظالم کیوں نہیں
" اس نے صوفیہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے ظلم سے نفرت ہے۔"

"لیکن میں ظلم کئے بغیر سکون نہیں پا سکتی۔" مسز نجمی نے کہا۔ "میں نے تم سے کبھی یہ نہیں
کہ تم ظلم سے نفرت کرو۔ تم دوسروں پر رحم کر کے سکون محسوس کرتی ہو۔ میں تم سے تمہارا
نہیں چھیننا چاہتی۔ پھر تمہیں کب یہ حق پہنچتا ہے کہ تم مجھے سکون نہ ملنے دو۔"

"اس فلسفے کی راہ پھانسی کے تختے پر ختم ہوتی ہے۔" حمید بولا۔

"جہنم ہی میں کیوں نہ ختم ہوتی ہو۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"تو تم اعتراف کرتی ہو کہ تم نے ڈوروتھی کو قتل کیا تھا۔"

"میرے کس جملے سے تم نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا۔"

"خیر......خیر......تم اعتراف کر لو گی......مجھے یقین ہے۔"

"ظلم کرنے والے ظلم برداشت کرنے کی قوت بھی رکھتے ہیں۔"

"آہا......بہت خوب۔" حمید ہنسنے لگا۔ "کیا یہ کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔"

"نہیں......بلکہ تم اپنے لئے کنواں کھود رہے ہو۔"

"یہ کس سلسلے میں محترمہ۔"

"یہ لڑکی نابالغ ہے اور تم اسے پھسلا کر لائے ہو۔"

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں صوفیہ سے پوچھا
نا صوفیہ صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"تم مجھے نہیں جانتے۔" مسز نجمی غرائی۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔" حمید اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے شہر کس کی اجازت سے چھوڑا۔ دوسرا جرم تم پر عائد ہو رہا ہے۔"

"میرے پاس کرنل فریدی کا اجازت نامہ موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"کیا تم دیکھو گے۔" مسز نجمی نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

"میں ضرور دیکھوں گا...... اگر وہ جعلی ثابت ہوا تو تمہیں یہاں سے زیرِ حراست شہر واپس جانا پڑے گا۔"

مسز نجمی نے اپنے ہینڈ پرس سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور حمید کی طرف بڑھایا۔

حمید نے فریدی کے دستخط پہچان لئے اور اس کے طرزِ تحریر کو پہچاننا بھی اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔ اجازت نامہ ٹائپ کیا ہوا نہیں تھا بلکہ خود ہی تحریر کیا تھا اور یہ اجازت نامہ روپ نگر کے لئے تھا۔

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ صوفیہ یہاں آئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل فریدی سے۔" اس نے بیزاری سے کہا۔ "اس پر تمہارے لئے ان کا ایک خط بھی لائی ہوں۔"

"لاؤ...... دیکھوں......!" حمید نے ہاتھ بڑھا دیا۔

"تمہیں وہ نہیں مل سکتا اسے میں تمہارے خلاف عدالت میں استعمال کروں گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کرنل نے جو کچھ بھی لکھا ہے، وہ تمہیں زبانی بتایا جا سکتا ہے۔"

"اچھا......!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور کچھ سوچنے لگا۔

"انہوں نے لکھا ہے کہ حمید میں تم سے تنگ آ گیا ہوں۔ لڑکی کو مسز نجمی کے حوالے کر دو ورنہ تمہیں اغواء کے الزام سے نہ بچا سکوں گا۔ مسز نجمی کے بیان کے مطابق لڑکی نابالغ ہے مجھے علم نہیں تھا کہ تم اسے مسز نجمی کی مرضی کے خلاف روپ نگر لے جا رہے ہو۔"

"میں اس بے سروپا بیان پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"تم یقین کرو یا نہ کرو۔ یہ تحریر ایک دستاویز کی سی حیثیت رکھتی ہے اور کسی وقت بھی تمہارے خلاف استعمال کر سکتی ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسے میرے ساتھ جانے دو۔"

"یہ اپنے پاپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، تم اسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور نہیں کر سکتیں۔"

"کیا تم نجمی کے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔" دفعتاً وہ صوفیہ کی طرف مڑی۔

"ہاں...... میں پاپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن وہ تمہیں اپنی قبر میں نہیں رکھ سکے گا۔"

"یعنی......!" حمید اُسے گھورنے لگا۔

"وہ ڈوروتھی کا قاتل ہے۔"

"نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ غلط ہے...... ممی...... خدا کے لئے۔" صوفیہ چیخی۔

"وہ ڈوروتھی کا قاتل ہے۔ اسے دنیا کی کوئی قوت نہیں بچا سکتی۔"

"کیا تم نے لاڈیل کے علاوہ بھی کوئی اور گواہ تیار کر لیا ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً......!" وہ بھی بالکل اسی انداز میں مسکرائی۔ "میں نے اس بار ایک بڑے افسر کو دی ہے۔"

"اچھا......!" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

"اور وہ آفیسر کرنل فریدی ہے۔"

"شاید تمہیں نیند آ رہی ہے محترمہ۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" مسز نجمی نے لاپروائی سے کہا اور صوفیہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تم چلنے لئے تیار ہو جاؤ، ورنہ تمہیں اپنی اس غلطی پر زندگی بھر افسوس رہے گا۔"

"مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کرنے کی کوشش نہ کرو ممی۔" صوفیہ روہانسی آواز میں بولی۔

ٹھیک اس وقت کمپاؤنڈ میں روشنی نظر آئی۔ شاید کوئی کار اندر آئی تھی۔ حمید اٹھ گیا۔ کار ے کے سامنے ہی رکی تھی۔ انجن بند کر دیا گیا اور اگلی روشنیاں گل ہو گئیں۔ پھر کوئی کار زکر برآمدے کی طرف بڑھا اور جیسے ہی وہ برآمدے میں داخل ہوا لیمپ کی روشنی اس پر ار حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

آنے والا کرنل فریدی تھا۔ اس نے کمرے میں آ کر چاروں طرف دیکھا اور صوفیہ کی

طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "یہی لڑکی ہے مسز نجمی۔"

"جی ہاں......!" مسز نجمی کھڑی ہوگئی تھیں۔

"بیٹھیے...... بیٹھیے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔

"کیا آپ نے میرے لئے انہیں کوئی خط دیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں تو...... کیوں کیسا خط۔"

حمید جواب دینے کی بجائے مسز نجمی کو گھورنے لگا۔ لیکن مسز نجمی ایسے بے تعلقانہ ا
میں نظر آرہی تھی جیسے اسے اس بات سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

فریدی نے بھی اس کی طرف دیکھا اور پھر حمید سے پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں مجھے ا[illegible] رہی تھیں کہ میں نے انکی کسی نابالغ لڑکی کا اغواء کیا ہے۔
سلسلے میں آپکی کوئی تحریر بھی تھی انکے پاس۔ جسے یہ عدالت میں میرے خلاف استعمال کرتی
"کیوں مسز نجمی۔"

"کچھ بھی نہیں! میں اپنی لڑکی کو یہاں سے لے جانا چاہتی تھی۔"

"آپ کو کس نے روکا ہے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"یہ صاحب خواہ مخواہ اُسے بہکا رہے ہیں۔" مسز نجمی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے کسی نے نہیں بہکایا۔" صوفیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم خاموش رہو۔" مسز نجمی دہاڑی۔

"نہیں خاموش رہوں گی۔" صوفیہ ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی۔ "میں تمہارے ساتھ
رہنا چاہتی۔ تم مجھے مجبور نہیں کرسکتیں۔ میں بالغ ہوں، نہیں رہوں گی...... نہیں رہوں گی۔
ظالم ہو۔ میں پاپا کے ساتھ رہوں گی۔"

"صبر...... لڑکی...... صبر۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "شور نہ مچاؤ۔"

"یہ بہت بُری طرح بہکائی گئی ہے۔" مسز نجمی دانت پیس کر بولی۔

"ہمیں اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں۔ میں فی الحال آپ سے پروفیسر کے

ر 20
و کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو کیا یہ...... یعنی میری لڑکی ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

"یہ آپ کا نجی معاملہ ہے آپ جانیئے۔"

"لیکن آپ کا اسسٹنٹ۔"

"خبردار...... اگر میرا نام اس تذکرے میں لائیں تو میں تم پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ
وں گا۔" حمید غرایا۔

"خاموش رہو۔" فریدی اسے گھورنے لگا۔

چند لمحوں کے لئے کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط ہوگئی۔ پھر فریدی نے مسز نجمی
رف دیکھ کر کہا۔ "پچھلی رات میں نے پروفیسر کو شہر میں دیکھا تھا۔"

"کہاں......!" حمید نے پوچھا۔

"اسی عمارت میں جہاں ڈوروتھی کی لاش ملی تھی۔"

"پھر...... پھر...... آپ نے روکا کیوں نہیں۔" صوفیہ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"ایسے پھرتیلے آدمی بہت کم میری نظروں سے گزرے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس
تیلے پن کی وجہ سے وہ میرے ہاتھ نہ آسکے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنا توازن کھو بیٹھے ہیں۔"

مسز نجمی بہت توجہ اور دلچسپی سے سن رہی تھی۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اس نے
ہا۔ "کیا آپ پچھلی رات عمارت میں موجود تھے۔"

"ہاں...... مجھے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس سے اس حادثے پر کوئی روشنی پڑ سکے اور شاید
فیسر بھی کسی چیز کی تلاش ہی میں وہاں آئے تھے۔ بہرحال میں نے انہیں اسی وقت دیکھا
ب وہ ایک کمرے کی دیوار میں لگی ہوئی ایک پوشیدہ تجوری کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"اوہ...... پوشیدہ تجوری۔" مسز نجمی آگے جھک آئی، اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی
لمہ نظر آنے لگی تھی۔

"میں نے انہیں رکنے کو کہا لیکن وہ نکل بھاگے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ کتنے پھرتیلے ہیں

جب تک میں گلی میں پہنچا وہ عقبی دروازے سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہو چکے تھے۔"

مسز نجمی کے چہرے پر اس وقت زیادہ تازگی اور توانائی نظر آرہی تھی۔ اس کے برخلا
صوفیہ کی حالت غیر تھی۔ وہ آرام کرسی کی پشت سے ٹکی ہوئی ہانپ رہی تھی۔ اس کی زبان بار
ہونٹوں پر تیرتی نظر آتی۔

"بہر حال میں انہیں پا نہ سکا لیکن اب یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ ڈوروتھی کے قاتل وہی ہیں

"نہیں......!" صوفیہ دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخی۔ "نہیں...... نہیں...... نہیں۔"

وہ اسی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے "نہیں نہیں" کی تکرار کرتی رہی۔ بالکل ایسا ہی مع
ہو رہا تھا جیسے اس پر ہسٹریا کا دورہ پڑا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز نحیف ہوتی گئی۔
اس پر جھکا ہوا اسے آوازیں دے رہا تھا۔ آخر وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

"بیہوش ہو گئی۔" حمید نے سیدھے کھڑے ہو کر تشویش کن لہجے میں کہا۔

"وہ بہت جذباتی لڑکی ہے۔" مسز نجمی نے اپنی جگہ سے اٹھے بغیر لاپروائی سے کہا۔

"تمہاری ہی لڑکی ہے۔"

"یقیناً......لیکن اپنے باپ کی طرح چور اور بزدل ہے۔"

فریدی حمید کو گھور رہا تھا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا ورنہ اس کا تو دل چاہا تھا کہ ا
اٹھا کر کھڑکی کے باہر پھینک دے۔

"آخر آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ نجمی ہی اس کا قاتل ہے۔" مسز نجمی نے فر
سے پوچھا۔

"میں نے وہ پوشیدہ تجوری کھول لی تھی۔ اس میں سے کچھ ایسی چیزیں برآمد ہوئیں م
کے طور پر کچھ خطوط جو ڈوروتھی کے کسی عاشق نے اسے لکھے تھے اور ایک تصویر جس میں ڈورو
اپنے کسی عاشق کے بازو میں ہاتھ ڈالے کھڑی نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں سے ایک میں ت
تھا "مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم اس موٹی آسامی پر اپنی معصومیت کا سکہ بٹھا کر اُسے دونوں ہاتھ
سے لوٹ رہی ہو مگر دیکھو مستقبل کے لئے بھی کچھ بچا رکھو۔ پچھلی زندگی میں ہمیں بہت کچھ

گر آج ہم قریباً کنگال ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب آپ خود ہی سوچئے کیا یہ خط پروفیسر کو
تل کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔"

"یقیناً......یقیناً" مسز نجمی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ لیکن دفعتاً حمید نے فریدی کو
دیکھا۔ وہ کھڑکی کی طرف جھپٹا تھا۔ ساتھ ہی باہر سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے کوئی بلندی
دا ہو۔

"ٹھہرو...... پروفیسر......ورنہ گولی ماردوں گا...... ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے
طرف جھپٹا۔ حمید بھی دوڑا اور دونوں دوڑتے ہوئے پھاٹک تک آئے وہ آگے بڑھنے ہی
لے تھے۔ کچھ دور پر کوئی گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ ایک لحظہ کے لئے عقبی روشنی نظر آئی اور پھر
رے میں مدغم ہو گئی۔ گاڑی کی آواز دور ہونے لگی۔ فریدی پھر بھاگ کر کمپاؤنڈ میں آیا۔
جیپ ہی سامنے پڑی اور وہ اچھل کر اسٹیئرنگ کے سامنے جا بیٹھا۔ حمید نے بھی دیر نہیں

تھوڑی دیر بعد وہ اس گاڑی کے پیچھے تھے۔ اگلی گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی لیکن اس کا
ہر کی طرف نہیں تھا۔

"آپ نے اندھیرے میں کیسے پہچان لیا۔" حمید نے پوچھا۔

"مونچھیں، کھڑکی میں لیمپ کی روشنی تھی۔ میں نے اس کی مونچھیں دیکھی تھیں۔"

حمید نے اسے آج کا واقعہ سنایا کہ کس طرح وہ انہیں ڈاج دے کر ہوٹل سے غائب ہو گیا
یدی کچھ نہ بولا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔ پھر کچھ دور چل کر اگلی گاڑی
کے بائیں جانب کچے راستے پر اتر گئی۔ وہ بھی جیپ ہی تھی اور اب اس کی ہیڈ لائیٹس
ستعمال کی جا رہی تھیں، یہ راستہ اتنا ناہموار تھا کہ فریدی کو رفتار کم کر دینی پڑی۔ لیکن اگلی
اچھلتی کودتی اور ہچکولے لیتی بھاگی جا رہی تھی۔ پھر اونچے نیچے ٹیلوں کے سلسلے شروع ہو گئے
اگلی جیپ ٹیلوں کے درمیان مڑتی ہوئی نظر آئی۔ پھر ایک دلخراش چیخ سناٹے میں دور
لتی چلی گئی اور وہ دھماکہ تو بہت ہی لرزہ خیز تھا، جو اس کے بعد سنائی دیا۔ فریدی نے بڑی

عجلت سے اپنی گاڑی کے بریک لگائے اور وہ حقیقتاً الٹتے الٹتے بچی۔ انجن بند کر کے وہ نیچے کو
گیا۔ دونوں ہی پوری قوت سے اس طرف دوڑ رہے تھے جدھر اگلی جیپ مڑی تھی۔ فریدی نے
دوڑتے ہوئے ٹارچ روشن کی۔

وہ منظر بڑا ڈراؤنا تھا۔ تقریباً ساٹھ فٹ نیچے جیپ کے پچھلے حصے سے شعلے نکل رہے تھے
اور وہ آدھی سے زیادہ نشیب میں بہنے والی ندی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"یقیناً..... اس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا تھا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "بیچاری
صوفیہ پر کیا گزرے گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بدقت تمام اس مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے
جہاں جیپ سمیت گرنے سے پہلے ہی پروفیسر کی آخری چیخ گھٹ کر رہ گئی تھی۔

جیپ ندی میں الٹی پڑی ہوئی تھی اور اب شعلے آہستہ آہستہ اپنا جوش و خروش کھوتے
جا رہے تھے۔

"لاش کیسے نکالی جائے۔" حمید بڑبڑایا۔

"مجھے توقع نہیں ہے کہ لاش مل سکے۔ ندی کا بہاؤ نہیں دیکھتے۔"

"پھر بھی ہمیں کوشش تو کرنی ہی چاہئے۔"

"فضول ہے۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ واپس چلیں۔"

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا مگر طوعاً و کرہاً اُسے واپس ہونا پڑا۔ صوفیہ کی وجہ سے اب اُ
پروفیسر سے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس لئے اس کا یہ غیر متوقع انجام اس کے لئے
تکلیف دہ ثابت ہوا تھا اور وہ یک بیک اتنی تھکن محسوس کرنے لگا تھا جیسے سینکڑوں میل
پیدل چل کر آیا تھا۔

ڈاک بنگلے میں دونوں بے چینی سے ان کی منتظر تھیں۔

صوفیہ کو ہوش آ گیا تھا انہیں دیکھتے ہی وہ بیساختہ اچھل پڑی۔

"بولئے..... بتائیے..... وہ پاپا تھے۔ نہیں وہ پاپا نہیں رہے ہوں گے۔" اس نے بچ

ے انداز میں کہا۔ "آپ بولتے کیوں نہیں۔"

"نہیں..... وہ کوئی چور تھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اس تاک میں تھا کہ ہم سو
ئیں اور وہ ہمارا سامان لے کر چلتا بنے۔"

"دیکھا..... میں نہ کہتی تھی۔" وہ اپنی ماں کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی اور مسز نجمی کے
ے پر پھر وہی پہلے کا سا بڑھاپا طاری ہو گیا۔

دوسری صبح فریدی نے تنویر صمدانی کو فون کیا کہ پروفیسر ایک حادثے میں کام آ گیا ہے۔
فوراً روپ نگر پہنچ جائے..... دوسری صبح ندی میں اس کی لاش کی تلاش جاری تھی لیکن وہاں
پ کے ڈھانچے کے علاوہ اور کچھ نہ مل سکا۔

حمید ڈاک بنگلے ہی میں تھا اور اس نے فریدی کی ہدایت کے مطابق ماں بیٹی کو حالات
ے بے خبر رکھا تھا۔ تقریباً گیارہ بجے فریدی بستی سے ڈاک بنگلے واپس آیا۔ اس نے صوفیہ
ے کہا۔ "میں تمہاری ماں کو بستی تک لے جا رہا ہوں۔ تم ہماری واپسی تک یہیں ٹھہرو گی۔"

"آپ کے کہنے سے میں ٹھہر جاؤں گی۔" صوفیہ نے جواب دیا۔

پھر وہ حمید اور مسز نجمی کے ساتھ اپنی کار میں بیٹھ گیا..... اور کار بستی میں پہنچ کر کوتوالی کی
رف مڑ گئی۔ جب وہ کوتوالی میں داخل ہو رہی تھی مسز نجمی نے چونک کر کہا۔

"یہ آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔"

"کیوں.....؟"

"بس یونہی..... پروفیسر کا وکیل بھی یہاں موجود ملے گا شاید..... ٹھہرو۔"

وہ کار روک کر نیچے اتر پڑا۔ حمید اور مسز نجمی بھی اترے۔

ایک بڑے کمرے میں تنویر صمدانی اور چار مقامی پولیس آفیسران کے منتظر تھے۔

بڑی میز کے گرد تین کرسیاں شاید انہیں کے لئے خالی تھیں۔ ان کے بیٹھتے ہی تنویر صمدانی
نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔ "پروفیسر کو کیا حادثہ پیش آیا ہے۔"

"پچھلی رات میں اُس کا تعاقب کر رہا تھا اس کی جیپ بے قابو ہو کر ندی کے پاس والے

ٹیلوں میں جا مڑی اور شاید وہ ساٹھ فیٹ کی بلندی سے جیپ سمیت ندی میں جا پڑا۔"

"اوہ......!" مسز نجمی کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں لگیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے سینے میں ہزاروں قہقہوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی

"تم واقعی بہت اذیت پسند ہو۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

"اگر میں کسی کی موت پر قہقہے لگاؤں تو قانون میرا کیا بگاڑے گا۔"

"قانون تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا مگر انسانیت ضرور تم پر روئے گی۔"

"انسانیت تو ازل ہی سے روتی آئی ہے۔"

دوسرے پولیس آفیسر اُسے گھورنے لگے۔

"یہ اس کی بیوی ہے جناب۔" ایک نے پوچھا۔

"ہاں...... یہ اس کی بیوی ہے۔" فریدی نے کہا اور صمدانی کی طرف متوجہ ہو گیا؛ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"کیا پروفیسر نے کبھی کوئی وصیت بھی مرتب کی تھی۔"

صمدانی نے نفی میں سر ہلا دیا اور رومال سے آنسو خشک کرنے لگا۔

"اندازاً کتنا بینک بیلنس ہو گا۔"

"مجھے...... اے...... اُے...... ای...... اس کا بھی علم نہیں۔"

"براہِ کرم آپ دوسرے کمرے میں جا کر اچھی طرح رو آیئے پھر ہم گفتگو کریں۔"

"میرا بھائی...... میرا دوست دنیا سے اٹھ گیا۔" تنویر مجنونانہ انداز میں چیخا۔

"وہ تھپڑ رسید کروں گا کہ دونوں آنکھیں باہر آ جائیں گی۔"

"جی...... کیا مطلب۔" صمدانی ہکا بکا رہ گیا۔

"میں پوچھتا ہوں کہ پروفیسر کا کتنا بینک بیلنس تھا۔"

"آپ تمیز سے گفتگو کیجئے مسٹر۔" صمدانی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہ...... معاف کیجئے وکیل صاحب۔ آپکا غم دور کرنے کیلئے میں نے ایک نفسیاتی

یا تھا۔ اب دیکھئے نا آپکی آنکھیں اب آنسوؤں کی بجائے چنگاریاں برسا رہی ہیں۔"

ریدی کے اس رویہ پر حمید بھی متحیر رہ گیا۔ آخر اتنی سی بات کے لئے شہر کے ایک بڑے وکیل کی توہین کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"میں کیا جانوں کہ بینک بیلنس کتنا تھا۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چیک تو آپ ہی کیش کرا کے رقم بذریعہ منی آرڈر بھجواتے تھے۔"

"بیئرر چیک ہوتے تھے، کیش کرا لئے جاتے، مجھے اسکا علم کیسے ہو سکتا تھا کہ بیلنس کتنا ہے۔"

"ایک بات اور سمجھ میں نہیں آتی کہ جب یہاں بھی بینک موجود تھا تو پروفیسر نے یہیں رقم کیوں نہیں منتقل کرالی۔ آپ کو کیوں تکلیف دیتا رہا۔"

"اس کا جواب پروفیسر کے علاوہ اور کوئی نہیں دے سکتا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اسے دوبارہ نہ پیدا کر سکوں گا۔"

"آپ پتہ نہیں کیسی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔ میں پروفیسر کا قانونی مشیر تھا اور اس رہوں گا جب تک کہ اس کے ورثاء مجھے میرے فرائض سے سبکدوش نہ کر دیں۔ اب میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ پروفیسر نے کتنا اثاثہ چھوڑا ہے۔"

ریدی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "اب پتے پھینک دو، کل ہی پروفیسر کی لاش دریافت کی ہے۔"

"آپ کیوں مذاق اڑا رہے ہیں۔" تنویر چیخا۔ حمید کے علاوہ دوسرے بھی فریدی کو سے دیکھ رہے تھے۔

"ہاں...... مائی ڈیئر...... تنویر صمدانی...... ڈوروتھی پروفیسر کے روپوش ہونے سے پہلے ہی کے صحن میں ایک حوض بنوا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہنسوں کا ایک جوڑا حاصل ں میں ڈالے گی۔ یہ پروفیسر کے نوکروں کا بیان ہے۔"

تا تنویر کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی اور اس نے اٹھنا چاہا۔

"بیٹھو......!" فریدی غرایا...... اور آفیسروں نے اسے دبوچ کر بٹھا دیا۔

"تم خواہ مخواہ مجھے اور زیادہ پریشان کر رہے ہو۔" تنویر نے سنبھالا لیا۔ "دوست کی موت ہی کا صدمہ کیا کم ہے۔"

"تم دوست کا صدمہ آج لے بیٹھے ہو۔ حالانکہ دوست کی موت آج سے ڈیڑھ ماہ قبل واقع ہوئی تھی۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" تنویر نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور فریدی کے چہرے کے قریب انگلی نچا نچا کر ہنستا ہی رہا۔

"کسی ماہر ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کے بغیر تمہیں پاگل بھی نہیں قرار دیا جا سکتا تنویر۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "تم دونوں کے جسم کی بناوٹ یکساں تھی۔ قد بھی یکساں تھا۔ اگر تم اتنی بڑی مصنوعی مونچھیں لگا لو تو دور سے دیکھنے والوں کو تم پر پروفیسر ہی کا دھوکا ہوگا۔ مگر تم تو مکمل میک اپ کرتے رہے ہو۔ اس لئے عام آدمی قریب سے بھی تمہیں پروفیسر ہی سمجھتے۔ یہ تو بتاؤ کہ کون گدھا کسی کو قتل کرنے کے لئے شور مچانے والی جیپ میں بیٹھ کر کہیں جائے گا۔ سینٹ جوزف کالونی تو بہت گھنی آبادی رکھتی ہے اور پھر وہ دوسری حماقت کرے گا یعنی جیپ ہی میں بیٹھے بیٹھے سگریٹ سلگاتا تاکہ جیپ کے شور سے جاگے ہوئے پڑوسی اس کے چہرے کی جھلک دیکھ سکیں۔ تم نے پروفیسر کی آڑ لے کر ڈوروتھی کو قتل کر دیا۔ پھر مستقل طور پر مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کرتے رہے کہ پروفیسر اسے قتل کر دینے کے لئے ایک بہانہ رکھتا تھا اور ڈوروتھی ہی پروفیسر کی زندگی کا ثبوت بھی پیش کرتے رہے البتہ پوشیدہ تجوری والے معاملے میں تم مات کھا گئے۔ اس سے تمہارا مقصد یہی تھا کہ وہ خطوط میرے ہاتھ لگ جائیں اور میں یہ سمجھوں کہ پروفیسر انہیں تلف کر دینے کے لئے وہاں آیا تھا۔ ظاہر ہے ان خطوط کو دیکھ کر میں یہی سوچتا تھا کہ پروفیسر ہی ڈوروتھی کا قاتل ہے اور اس لئے انہیں تلف کر دینا چاہتا تھا کہ کہیں وہ اس کے خلاف ثبوت کے طور پر نہ استعمال کئے جائیں۔ لیکن بوڑھے بیٹے تنویر...... تم اُس تجوری پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ آئے تھے۔ ذرا احتیاط کی ہوتی۔ دستانے پہن لئے ہوتے۔"

"یہ جھوٹ ہے مجھے چھوڑ دو۔" تنویر آفیسروں کی گرفت سے نکلنے کے لئے تڑپا۔

"اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ کل تم خود کو دیکھا کر حمید اور صوفیہ کو ڈاج دے گئے تھے اور کل ہی تم نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اب قصہ ہی ختم ہو گیا یعنی ڈوروتھی کا خاتمہ ہی دلیا، لہٰذا اس کیس کا فائل بند کر دیا جائے اور تم اطمینان سے ڈھائی لاکھ کی وہ رقم اپنے تصرف میں لا سکو گے جو پروفیسر نے ڈیڑھ ماہ قبل مختلف بینکوں سے نکالی تھی۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" صمدانی چیخا۔

"خاموش رہو۔ کسی بھی سازش کے لئے بہت بڑے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہر پہلو پر غور کر سکے۔ تم نے یہ نہ سوچا کہ اس سے پہلے پروفیسر اپنے نوکروں سے بھی اپنے چیک کیش کراتا رہا ہوگا اور انہیں بھی ان بینکوں کا علم رہا ہوگا جہاں جہاں پروفیسر کی رقومات جمع رہی ہوں گی۔ میں نے ان سب بینکوں کو چیک کیا اور اس نتیجے پر پہنچا آج سے ڈیڑھ ماہ قبل ان بینکوں سے ایک ہی دن اور ایک ہی تاریخ کو ساری رقومات نکالی گئی تھیں جن کی مجموعی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔ میں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ پروفیسر کے نمونے کے دستخط بھی دیکھے اور پھر بینک میں گیا جہاں سے تم چیک کیش کرا کے پروفیسر کو روپ نگر کے پتہ پر منی آرڈر بھیجا کرتے تھے۔"

"یہ سب جھوٹ ہے۔" تنویر صمدانی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سنتے جاؤ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں اس بینک میں حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔ وہاں دس ہزار سے زائد کا اکاؤنٹ کھولا گیا تھا اور اس کے دوسرے ہی دن جب دوسرے بینکوں سے ڈھائی لاکھ سمیٹے گئے تھے اور بتاؤں...... وہاں نمونہ کے دستخط پچھلے دستخطوں سے بالکل مختلف تھے۔ تم نے اکاؤنٹ پروفیسر کے نام سے کھولا تھا لیکن نمونہ کے دستخط چونکہ خود کئے تھے اس لئے ان کا پروفیسر کے اصل دستخط سے مختلف ہونا لازمی تھا۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ پروفیسر کو تم نے قتل کیا تھا یا ڈوروتھی نے۔ لیکن تم دونوں ہی اس سازش میں شریک تھے۔ مشین کی ایجاد کے سلسلے میں روپوشی کا قصہ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا۔ تم دونوں نے اسے رائے دی ہوگی کہ وہ مختلف بینکوں سے سارا روپیہ سمیٹ کر کسی ایک بینک میں جمع کرا دے۔ اس طرح منافع بھی معقول ملے گا اور اس کے بھیجے ہوئے چیکوں کو کیش کرا کے اسے رقومات

بھی بذریعہ منی آرڈر بھیجی جاتی رہیں گی۔ ممکن ہے مشین کی ایجاد اور روپوشی کی کہانی بھی تمہاری ذہنی اختراع ہو...... لیکن بہرحال پروفیسر کے لئے اتنا ہی کافی ہوسکتا تھا کہ اس کی بکھری ہوئی رقم یکجا ہوجانے سے زیادہ سود ملنے لگے گا۔ ہاں تو رقم اس رات گھر ہی میں رہی اور پروفیسر کو یہ سمجھایا گیا کہ وہ دوسرے دن جمع کرادی جائے گی اور پھر اسی رات کو پروفیسر ختم کردیا گیا۔ چونکہ اسکیم بہت پہلے بنائی گئی تھی اس لئے تمہیں حوض کا گڑھا بھی تیار ملا۔ تم نے نہایت اطمینان سے لاش اس میں دفن کردی اور دوسرے دن مزدوروں نے اس کی جوڑائی کرکے پلاسٹر کردیا۔ حوض تیار تھا اور اس میں ہنس کا جوڑا تیر رہا تھا۔ غالباً پہلے تمہاری اسکیم یہ رہی ہوگی کہ تم پروفیسر کی بیوی کو قتل کردو گے جس سے اس کے تعلقات خراب تھے اور پھر پولیس پروفیسر کے متعلق چھان بین کرے گی تو تم مشین کی ایجاد کے سلسلے میں پروفیسر کی روپوشی کی کہانی سناؤ گے پھر اسی طرح تم پروفیسر کا میک اپ کرکے کچھ دنوں تک پولیس کو چکر دیتے رہتے اور اسی طرح غرق ہوجاتے، چلئے کیس ختم اور فائیل بند۔ ڈھائی لاکھ روپیہ تم دونوں بانٹ لیتے۔ مگر پروفیسر کی بیوی کو قتل کرنے سے پہلے ہی شاید تم دونوں میں جھگڑا ہوگیا اور تم دونوں نے سوچا کہ کیوں نہ ڈوروتھی ہی کو قتل کرکے پروفیسر کو قاتل ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ شاید ڈوروتھی کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ کہیں تم اس پر نہ ہاتھ صاف کردو۔ لہٰذا اس نے پروفیسر کے پانچ اعزہ کے فون نمبر نوٹ کرکے رکھے تھے لیکن وہ انہیں کچھ بتانے سے قبل ہی ختم کردی گئی۔ شاید اس نے تمہیں چوروں کی طرح داخل ہوتے دیکھ کر ہی فائر کردیا تھا لیکن تم بچ گئے اور تمہاری گولی اس کی کنپٹی پر بیٹھی۔ اس کے بعد تم نے جو قلابازیاں کھائی تھیں سب کے سامنے ہیں۔ مسز نجمی اتفاقیہ طور پر وہاں پہنچ گئی تھیں اس لئے تم کچھ تھوڑے بوکھلا بھی گئے تھے لیکن پھر اسے بھی اس کیس میں الجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ تدبیر تھی بھی بڑی شاندار۔ پولیس کچھ دنوں تک ذہنی جمناسٹک کرتی اور جب تم اس پر تھکن کے آثار دیکھ لیتے تو ایک دن اسی طرح جیپ میں بیٹھ کر ندی کی طرف بھاگ نکلتے اور پھر کسی موڑ پر رفتار کم کرکے خود اتر جاتے اور جیپ کافی اونچائی سے ندی میں جا گری...... مگر برا ہوا اس حوض کا جس میں ہنسوں کا جوڑا تیرتا تھا...... برا ہوا اس پوشیدہ تجوری کا جس پر تم بوکھلاہٹ میں اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گئے تھے۔ اور پتھر پڑیں اس عقل پر جس نے بینکوں سے رقومات نکلوانے کے بعد ان کا ایک قلیل حصہ کسی دوسرے بینک میں جمع کرانے کا مشورہ دیا تھا۔ آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تنویر، کیا پروفیسر روپ نگر میں اپنے پاس کیش نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے لئے تم سے کوئی بھی جواب طلب نہ کرتا کہ تم نے اسے وہ رقم کیوں لے جانے دی بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ کوئی بینک کسی طرف دھیان بھی نہ دیتا۔ اگر تم یہ بتاتے کہ وہ روپ نگر سے تمہیں چیک بذریعہ ڈاک بھیجتا ہے اور تم اُسے کیش کرا کے رقم بذریعہ منی آرڈر بھیج دیتے ہو۔ یہ قصہ سن کر تو فوراً ہی یہ سوچنا پڑتا ہے کہ آخر پروفیسر نے وہیں کے بینک میں اپنی کچھ رقم کیوں نہیں منتقل کرالی۔

''انہوں نے لاڈیل کے بیان میں ترمیم کرنے کی کوشش کی تھی۔'' حمید نے مسز نجمی کی طرف دیکھ کر فریدی کو یاد دلایا۔

''اس کے لئے انہیں عدالت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔'' فریدی بولا۔ ''ویسے میرا خیال ہے کہ یہ حرکت صرف اس لئے کی گئی تھی کہ یہ اتفاقاً حادثے والی رات کو ہوٹل سے باہر چلی گئی تھیں۔ لہٰذا پولیس کے شبہے سے بچنے کے لئے انہوں نے بدحواسی میں یہ حرکت کر ڈالی۔ ظاہر ہے کہ اگر لاڈیل اپنے بیان میں فائر کی آواز کا بھی اضافہ کردیتی تو ان کی طرف سے شبہات ختم ہوجانے کا بھی امکان تھا۔''

''ہم سب کتے ہیں۔'' مسز نجمی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''کوئی کاٹ لینے کی دھمکی دیتا ہے اور کوئی نہایت خاموشی سے کاٹ لیتا ہے۔ لیکن کتے احسان فراموش نہیں ہوتے۔''

اس نے تنویر کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ''یہ کتے سے بھی بدتر ہے۔ اسے کس نے تنویر کمرانی بنایا تھا۔ کس نے اس کے لئے اتنا بڑا آفس مہیا کیا تھا۔ کس نے اسے سہارا دیا تھا۔ جب یہ ڈپلومہ لینے کے بعد در در کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ تنویر کیا تم بھول گئے۔ احسان فراموش گندے کیڑے۔ میں تو اس کی کھلی ہوئی دشمن تھی۔ اس پر غصے میں چھری پھینک مارتی تھی...... تو مجھے ذلیل اور کمینہ کہتا تھا۔ اب میں تجھے کیا کہوں۔''

تنویر کی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

پھر سارا کمرہ سکوت کے گہرے سمندر میں ڈوب گیا۔

دوسری صبح شہر میں ہوئی۔ حمید خود کو ذہنی طور پر مفلوج سا محسوس کرنے لگا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے صوفیہ کے خیال نے پریشان کر رکھا تھا جسے ابھی تک پروفیسر کی موت کے متعلق نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس خبر سے اس کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ اس نے فریدی سے مشورہ کیا کہ اسے کس طرح اس کی اطلاع دی جائے۔

''بھئی یہ ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ وہ بچہ تو ہے نہیں کہ اس سے یہ بات کافی عرصہ تک پوشیدہ رہے گی۔ دنیا کے ہر آدمی کو کسی نہ کسی کی موت کا صدمہ ضرور سہنا پڑتا ہے۔ بہتر ہے کہ اب تم اسے بتا ہی دو۔ ویسے اب وہ بہتر زندگی بسر کر سکے گی۔ تنویر نے اعتراف کر لیا ہے کہ اس نے دو لاکھ روپے مختلف بینکوں میں اپنے لڑکوں کے نام جمع کرائے ہیں اور اس کا کہنا ہے کہ اسے اس جرم پر ڈوروتھی ہی نے اکسایا تھا۔ پروفیسر کی موت کی بھی وہی ذمہ دار تھی۔ اس نے اسے پانی میں ایک بہت ہی سریع الاثر قسم کا زہر دیا تھا اور وہ کہتا ہے کہ اسے ڈوروتھی کی طرف سے خدشہ تھا کہ کہیں وہ اسے بھی نہ ختم کر دے۔ اسی لئے اس نے اسے قتل کر دیا۔ اگر وہ اس پر گولی نہ چلاتا تو اس کی دوسری گولی خود اسے ہی ختم کر دیتی۔

''لیکن آپ اس حوض تک کیسے پہنچے تھے۔''

''نوکروں سے دوسری بار گفتگو کرتے وقت اس کا تذکرہ آ گیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا اور میں نے اسے کھدوا ڈالا۔ محنت برباد نہیں ہوئی۔ پروفیسر کی گلی سڑی لاش برآمد ہوگئی۔''

حمید خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ صوفیہ کو ان حالات سے مطلع کرنے کا ناگوار فرض انجام دینے جا رہا تھا۔

ختم شد